تحقیقی مقالہ

مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی

حیات اور شعری و ادبی خدمات

مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی حیات اور شعری و ادبی خدمات

فہرستِ ابواب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	**تمہید**	۳
۲.	**باب اول** جھالاواڑ میں اردو شعر و ادب کا ارتقائی سفر (راجستھان کے تناظر میں)	۱۲
۳.	**باب دوم** مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی سوانح حیات اور شخصیت	۴۳
۴.	**باب سوم** مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی	۸۰
۵.	**باب چہارم** مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت نعت گو شاعر	۱۳۶
۶.	**باب پنجم** مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی دیگر اصنافِ شاعری اور نثر	۱۵۷
۷.	**باب ششم** مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے معاصر شعراء اور تلامذہ	۲۱۹
۸.	**ماحصل**	۲۷۹
۹.	**کتابیات** (الف) مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تصانیف (ب) معاون کتب (ج) رسائل و جرائد	۲۸۲

تمہید

راجستھان کے ریگزاروں میں علم وادب کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ یہاں شعروادب کی محفلیں بھی ہیں، تنقیدی کوششیں بھی ہیں، تحقیقی کاوشیں بھی ہیں اور مختلف اصنافِ شاعری اور نثر پر بھی توجہ برقرار ہے۔ راجستھان میں اردو شعروادب کے آغاز کی اگر بات کی جائے تو یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۸ رویں صدی عیسوی میں راجستھان کے علاقے ریاست بھرتپور اور ریاست جے پور کے قصبات بیانا اور کھنڈیلہ میں مہدویہ فرقے کے چند بزرگوں نے قدیم اردو زبان میں اپنے مذہبی نظریات وخیالات منظوم شکل میں بیان کئے تھے ان میں خاص طور پر محمد جی میاں غریبؔ کی لکھی ہوئی منظوم تصنیف ''تاریخ غریبی'' کا نام سب سے پہلے سامنے آتا ہے جو ۱۷۴۷ء سے ۱۷۵۲ء کے دوران بیانا میں لکھی گئی تھی [۱]۔ سب سے پہلے تاریخ غریبی کی نشاندہی پروفیسر محمود شیرانی نے کی۔ موصوف نے اس کتاب کی دائرہ کے مہدویوں کی اردو خدمات کے سلسلے میں نشاندہی کی تھی لیکن اس کے مصنف کے بارے میں انہوں نے وضاحت نہیں کی تھی۔ پروفیسر شیرانی کی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے کتاب کے مصنف محمد جی میاں غریبؔ کا نام تلاش کیا نیز کتاب کے آغاز اور اختتام کی تاریخ متعین کی اور یہ بھی واضح کیا کہ مذکورہ کتاب دائرہ بیانا میں لکھی گئی تھی۔

''تاریخ غریبی'' اور دائرے کے مہدویوں سے متعلق اردو تصانیف کے سلسلے میں یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ مہدویہ فرقے کے بزرگوں کی اردو تصانیف کا دائرہ صرف اس فرقے کے بزرگوں تک ہی محدود تھا اور انہوں نے جو کچھ لکھا وہ ایسی قدیم زبان میں ہے جس پر دکنی کے علاوہ گجراتی اور راجستھانی بولیوں کا بھی اثر ہے اور راجستھان میں اردو کے فروغ پر مہدوی فرقے کے بزرگوں کی تصانیف کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ [۲]

---

[۱] ''تاریخ غریبی'' کی تفصیلات ڈاکٹر عثمانی کی تصنیف راجستھان میں اردو ادب ۱۸۵۷ء تک ناشر راجستھان اردو اکیڈمی جے پور مطبوعہ ۱۹۹۲ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔

[۲] ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۲۳ نومبر ۲۰۱۴ء

اگرچہ ۱۸؍ویں صدی شروع ہونے کے بعد راجستھان میں اردو شعر و ادب کے فروغ کی راہیں کھلنے لگیں تھیں۔ یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اکبر اعظم کے عہد سے سلاطین مغلیہ اور والیانِ ریاست ہائے راجپوتانہ کے درمیان روابط اور مراسم بڑھنے لگے تھے۔ جامعہ اردو انسائیکلو پیڈیا کے مطابق ''۱۶۱۶ء تک راجپوتوں کے تقریباً تمام خاندان اور ان کی ریاستیں مغلوں کے تحت آ گئیں۔ اکبر اور جہانگیر نے راجپوت شہزادیوں سے شادی کی اور انہیں ملکہ بنایا۔ مغل دورِ حکومت میں راجپوت بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے اور کئی فوجوں کی کمان ان کے ہاتھوں میں رہی''۔ [۱] راجپوتوں اور مغلوں کے آپسی مراسم اور قرابت داری کے سبب یہاں اردو زبان و ادب کا سلسلہ قائم ہوا۔

۱۹؍ویں صدی کی پہلی دہائی میں ریاست جے پور میں مرزا اکبر علی بیگ گلؔ تلمیذ میر تقی میرؔ اور عظمت اللہ نیازؔ نے دہلی سے جے پور پہنچ کر اردو شعر و ادب کا چراغ روشن کر دیا تھا۔ عظمت اللہ نیازؔ نے جے پور میں ۱۸۱۱ء میں ''قصہ رنگین گفتار'' کے نام سے اردو زبان میں ایک داستان لکھی تھی۔ جسے راجستھان میں اردو نثر کی پہلی تصنیف مانا جاتا ہے۔ اسی طرح مرزا اکبر علی بیگ گلؔ کو ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے راجستھان کا اولین صاحبِ دیوان شاعر بتایا ہے۔ [۲]

اسی زمانے میں جے پور کے دفاتر میں کام کاج اردو میں ہونا شروع ہوا۔ ریاست کے قوانین بھی اردو میں مرتب ہوئے جو ۱۸۴۸ء میں سرکاری پریس میں طبع ہوئے۔ اس سے قبل ۱۸۴۶ء میں مدرسہ قائم ہوا جہاں مولوی رشید الدین فائزؔ صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ نارنول پنجاب کے رہنے والے تھے۔ آپ کی آمد کے بعد ہی جے پور میں باقاعدہ طور پر اردو شعر و ادب کی ترویج و ارتقاء کا سلسلہ شروع ہوا۔ [۳]

---

[۱] جامع اردو انسائیکلو پیڈیا ''فنونِ لطیفہ'' مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغِ زبان اردو نئی دہلی ۲۰۰۳ء ص ۲۴۷

[۲] راجستھان میں اردو زبان و ادب ۱۸۵۷ء تک مصنفہ: ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی۔ مطبوعہ ثمر آفسیٹ دہلی ۱۹۹۲ء ص ۵۴، ۵۷

[۳] راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات۔ مصنفہ: ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۶ ۱۹۸۵ء ص ۱۲

اسی طرح ریاست الوراور ریاست بھرتپور کے قیام سے بہت پہلے جب ان ریاستوں کے علاقے دہلی اور آگرہ کی مغلیہ سلطنت کے ماتحت تھے اس زمانے میں بعض ایسے حضرات کا ان علاقوں میں ذکر مل جاتا ہے جو شروع میں فارسی اور اس کے بعد اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے۔لیکن ایسے حضرات کا مستقل قیام الور یا بھرتپور کے علاقے میں تحقیق طلب ہے۔اس لئے کہ وہ حضرات زیادہ تر دہلی یا آگرہ میں رہے اس کے علاوہ مذکورہ ریاستوں کے قیام کے بعد یہ علاقے راجستھان میں شامل ہوئے اور اسی زمانے سے ان علاقوں میں اردو شعر و ادب کی تحقیق محققین ادب کا موضوع رہی ہے۔مذکورہ بالا ریاستوں کے علاوہ ۱۸۱۷ء میں ریاست ٹونک کے قیام کے زمانے سے ہی اس ریاست میں بھی اردو شعر و ادب کی آبیاری شروع ہو چکی تھی۔ [۱] ۱۸۵۷ء سے قبل اجمیر میں بھی اردو شعر و ادب کی سر گرمیاں شروع ہو چکی تھی جہاں پر نظام الدین ممنونؔ اور عبدالکریم خاں شرقؔ جیسے صاحبِ دیوان شاعر پہنچ چکے تھے۔ [۲]

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ راجستھان کی چند ریاستوں میں ۱۸۵۷ء سے قبل اردو شعر و ادب کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔لیکن بیشتر ریاستوں میں ۱۸۵۷ء کے بعد اردو شعر و سخن کو اتنا فروغ حاصل ہوا کہ بعض ریاستوں کے صدر مقامات (راجدھانیاں) علم و ادب کا گہوارہ بن گئے۔ان میں ریاست جھالا واڑ کو خصوصی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے۔ [۳] جہاں کے حکمرانوں خصوصاً راجرانا بھوانی سنگھ کی علم دوستی، ادب نوازی اور بے تعصب نظریہ کے سبب اس کے عہد حکومت میں ہر علم و فن کو برابر پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

ریاست جھالا واڑ ۱۸۳۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ [۴] اس کا اولین حکمراں مہاراجرانا مدن سنگھ ریاست کوٹہ کا دیوان اور فوجدار تھا جس کے اسلاف میں مادھو سنگھ جھالا، کوٹہ کے رئیس بھیم سنگھ کے زمانے میں کوٹہ کے فوجدار بنے تھے اور انہیں کے سپرد قلعہ کی حفاظت کا انتظام بھی تھا۔اسی زمانے سے کوٹہ ریاست کے فوجداری کے عہدے

---

[۱] راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات۔مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی۔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ص ۲۱۹ ، [۲] راجستھان میں اردو زبان و ادب ۱۸۵۷ء تک ص ۲۰۱

[۳] وقائع راجستھان مصنفہ مولوی نجم الغنی مبطبوعہ ہمدم برقی پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۷ء ص ۱۶۸ تا ۱۷۰

[۴] رسالہ آفتاب جلد ۳، شمارہ ۱ تا ۱۲، مطبوعہ جیل پریس جھالا واڑ ۱۹۰۹ء ص ۲۱، ۲۲

پر مدن سنگھ کے بعد اسی کی اولاد در اولاد کوٹہ ریاست کی فوجداری کے عہدے پر مامور ہونے لگی۔لیکن کوٹہ ریاست کے چودھویں راجہ رام سنگھ اور اسکے زمانے کے دیوان مدن سنگھ کے تعلقات خراب ہوجانے کے باعث معاملہ انگریزی عدالت تک پہنچا۔ جہاں معاہدے کے مطابق ۱۸۳۸ء میں ریاست کوٹہ کا کچھ حصہ الگ کرکے ایک نئی ریاست جھالاواڑ کے نام سے بنائی گئی جس میں کچھ حصہ انگریزی سرکار کی طرف سے بھی شامل کیا گیا۔ وہاں کے اولین حکمراں مدن سنگھ کو مہاراجرانا کا خطاب دیا گیا۔اس کی تیسری پشت میں مہاراجرانا ظالم سنگھ دوم ۱۸۷۵ء میں گدی پر بیٹھا۔اس کا دورِ حکومت ۱۸۸۶ء یا ۱۸۹۰ء تک جاری رہا۔ ۱

اسی مہاراجرانا کے زمانے میں جھالاواڑ میں سرکاری دفاتر میں اردو زبان استعمال کی جانے لگی تھی۔اور وہاں جیل میں ایک پریس بھی قائم ہو چکا تھا۔جس میں ریاست کے قوانین اردو میں شائع ہونے لگے تھے۔چنانچہ ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۳ء کے درمیان ریاست کے محکمۂ پولیس، عدالت دیوانی، محکمہ ریوینیو، محکمہ تعلیم اور زمین کی پیمائش سے متعلق قوانین اسی پریس میں چھپتے تھے جو جھالاواڑ کی مہاراجہ ہریش چند لائبریری میں موجود ہیں۔ ۲ اسی زمانے میں بخشی فوج (کرنل) بھیکن خاں نے ریاست کی تاریخ ''چہار چمن'' کے نام سے اردو زبان میں لکھی جو ۱۹۱۳ء میں چھپی تھی۔ ۳ یہ کتاب بھی ہریش چند لائبریری میں موجود ہے۔ان حقائق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مہاراجہ ظالم سنگھ کے زمانے سے ریاست جھالاواڑ میں اردو زبان کی ترویج شروع ہوچکی تھی اور شعر وادب کا ذوق وشوق رکھنے والے حضرات ریاست میں موجود تھے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ مہاراجرانا ظالم سنگھ کے جانشین مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے زمانے میں جھالاواڑ میں اردو شعر وادب کو اتنا فروغ حاصل ہوا کہ جھالاواڑ اردو شعر وادب کا ایک گہوارہ بن گیا۔

---

۱ وقائع راجستھان مصنفہ مولوی نجم الغنی مطبوعہ ہمدم برقی پریس لکھنؤ۔ ۱۹۲۷ء ص ۱۶۸ تا ۱۷۰۔(نوٹ: یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ مہاراجرانا ظالم سنگھ دوم کے دورِ حکموت کے خاتمے اور مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے دور کی شروعات سے متعلق سنِ عیسوی میں اختلاف نظر آتا ہے۔)

۲ راجستھان میں اردو ادب کے غیر مسلم حضرات کی خدمات مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس۔دہلی ۱۹۸۵ء ص ۲۴۱

۳ چہار چمن مصنفہ بھیکن خاں مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ، ۱۹۱۳ء ص ۲۰۹

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کا دورِ حکومت ۱۸۹۹ء سے ۱۹۲۹ء تک قائم رہا۔ اس دوَر میں آغا شاعرؔ قزلباش تلمیذ داغؔ، مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی تلمیذ محسنؔ کاکوروی، عالمگیر خاں کیفؔ ٹونکی جیسے شعراء اس کے دربار سے وابستہ تھے ان کے علاوہ پنڈت پرشوتم لال سوریہ دوج شادؔ، شمبھو دیال دانشؔ اور وشمبھر ناتھ سکسینہ نشترؔ وغیرہ اس کے دربار میں موجود تھے۔ مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے دوَر میں ماہانہ مشاعرے ہونے لگے۔ سہ ماہی رسالہ ''شاعری کی کایا پلٹ'' جاری ہوا۔ ''انجمنِ سخن شعرا'' قائم ہوئی۔ رسالہ ''آفتاب'' جاری ہوا اور ماہانہ مضامین اور مقالات کے جلسے ہونے لگے۔ خود مہاراجہ نے اپنی ریاست کے شعراء کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اردو کی رسمیہ گل وبلبل کی شاعری کو چھوڑ کر مولانا حالیؔ کی طرز پر اصلاحی اور اخلاقی شاعری تخلیق کریں۔ لہٰذا ریاست کے متعدد شعراء خصوصاً منشی شمبھو دیال دانشؔ نے اصلاحی اور اخلاقی نظمیں لکھیں اور روایتی غزل کو خیر باد کہا۔

درحقیقت راجستھان کی دیسی ریاستوں میں ریاست جھالاواڑ اگرچہ ۱۸۳۸ء میں قائم ہوئی لیکن ریاست کے حکمرانوں کی فراخ دلی اور بے تعصبی کی وجہ سے اس ریاست میں اردو زبان وادب کو شروع سے ہی فروغ حاصل ہوتا رہا۔ اور جیسا کہ متعدد کتب و مضامین میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ یہ راجستھان کی واحد غیر مسلم ریاست تھی جہاں کے حکمراں مہاراجرانا بھوانی سنگھ نے اپنے دربار کے شاعر دانشؔ کو ملک الشعراء، جناب کیفؔ ٹونکی کو امام الشعراء اور نیرنگؔ کاکوروی کو افتخار الشعراء کے خطاب سے نوازا تھا۔ مہاراجہ موصوف کے انتقال کے بعد آپ کے جانشین مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ نے اپنے استاد حضرت نیرنگؔ کاکوروی کو ملک الشعراء کا خطاب اور خلعت فاخرہ یعنی پیر میں سونے کا کڑا، مخمل کا زریں لبادہ اور ایک بیش بہا تلوار عطا کی جو دربار کا بہت بڑا اعزاز تھا۔ [1]

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ راجستھان میں اردو شعر وادب کا آغاز ۱۹ویں صدی کے شروع میں ہو چکا تھا اور ۱۸۵۷ء کے بعد اس خطے میں جابجا شعری اور ادبی مرکز قائم بھی ہو چکے تھے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جھالاواڑ کے علاوہ راجستھان کے دوسرے ادبی مرکزوں پر روایتی شاعری کے اثرات اتنے زیادہ حاوی رہے کہ

---

[1] مقالہ یادگار شفیقؔ از مظفر حسین مظفرؔ غیر مطبوعہ ص ۵ ۔

عام طور پر وہاں کے شاعر اردو غزل کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکے۔ جبکہ ریاست جھالاواڑ میں دیگر اصناف سخن قصیدہ، مرثیہ، مثنوی نظم، رباعی، قطعہ، نعت پر بھی خاص توجہ مرکوز کی گئی۔ غزل کو روایتی مضامین کے بجائے حقیقی جذبات وتفکرات کے اظہار کا آلا بنایا گیا۔ مہاراجرانا بھوانی سنگھ نے شعراء کو گل وبلبل یعنی روایتی شاعری سے ہٹ کر اصلاحی اور مقصدی ادب کی تخلیق کا مشورہ دے کر اردو ادب کی ترقی کی راہ ہموار کی۔

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے بعد ان کے جانشین مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ نے اردو زبان وادب کی پاسداری کی۔ آپ نہ صرف ادب نواز، سخن فہم شخصیت کے مالک تھے بلکہ شاعر بھی تھے آپ نے اپنے بزرگوں کی روایات کو جاری رکھا اور تاحیات اردو شعروادب کی ترقی وترویج کے لئے کوشاں رہے۔ لیکن مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کے انتقال (۱۹۴۳ء) کے بعد خصوصاً ملک کی ہنگامہ خیز آزادی اور بٹوارے کے بعد پورے ملک کی طرح جھالاواڑ کی ادبی سرگرمیوں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے اور ادبی ماحول منتشر ہونے لگا۔ بہت سے شعراء وادباء ترکِ سکونت کر کے پاکستان چلے گئے۔ شعروسخن سے دلچسپی برائے نام رہ گئی۔

تشکیل راجستھان (۳۰/مارچ ۱۹۴۹ء) کے بعد ریاستی نظام بھی درہم برہم ہو گیا جسکا سیدھا اثر اردو شعروادب پر پڑا۔ اردو کی سرکاری حیثیت ختم ہوگئی۔ دفاتر میں ہندی میں کام ہونے لگا اور ایک گہرا سناٹا سا اردو زبان وادب پر چھا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جھالاواڑ میں اس وقت بھی ایک شخصیت ایسی تھی جو اپنے طور پر اردو شعروادب کی بقاء کے لئے کوشاں تھی اس عظیم شخصیت کا نام نامی اسم گرامی ہے مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ (چونکہ آپ کو جھالاواڑ میں مولوی صاحب کے لقب سے جانا جاتا ہے اس لئے تحقیقی مقالے میں لفظ مولانا کے بجائے مولوی استعمال کیا جارہا ہے) جن کی کاوشات اور قابلیت کی بدولت جھالاواڑ میں ایک بار پھر علم وادب کی شمع روشن ہوئی۔ مشاعروں کا سلسلہ قائم ہوا۔ آپ نے خود بھی لکھا اور ہم عصر اور نئے شعراء کو بھی اس طرف مائل کیا۔ آپ کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی سے تلامذہ میں ذوق شاعری بڑھنے لگا۔ بزم نیرنگ قائم کی گئی جس کے تحت باقاعدہ مشاعرے ہوتے رہے۔ ذاتی طور پر بھی مشاعروں کا انعقاد یہاں کے معززین کے دولت خانوں پر ہوتا رہا۔ غرض کہ تشکیل راجستھان کے بعد جو ادبی دوَر شروع ہوا اسے جھالاواڑ کی ادبی تاریخ میں ''دوَرِ ثانی'' تسلیم کیا جانا

چاہیئے ۔ یہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق کی انتھک کوششوں کا ثمرہ تھا۔آپ کی علمی وادبی شخصیت کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔آپ نے اپنی زندگی کے بہترین سال اردو شعروادب کی پرورش اور ترقی وترویج میں صرف کئے۔

مولوی عبدالسلام بیگ شفیق ہندوستان کے کہنہ مشق شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔آپ کی تخلیقات میں چھ دواوین (چار بہاریہ اور دونعتیہ) ایک فارسی مجموعہ اور چند نثری مضامین راقمہ کے پیش نظر ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں۔آپ نے مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمور کا دیوان ''دیوان مخمور'' مرتب کیا یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔موصوف نے شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے اور شاعری کو حقیقی جذبات کے اظہار کا آلہ بنایا۔ آپ کے کلام کا انتخاب ''انتخاب کلام شفیق'' کے نام سے راجستھان اردو اکیڈمی نے ۱۹۸۰ء میں اپنی پہلی اشاعت کے طور پر شائع کیا۔ آپ کی شخصیت اور ادبی خدمات کے اعتراف میں جھالاواڑ میں تین مرتبہ کل ہند مشاعرے منعقد ہوئے جس میں ملک کے معروف شعراء وادباء نے شرکت کی۔لہٰذا آپ کی بےلوث شعری وادبی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے راقمہ نے اپنے پی ایچ۔ڈی۔کے تحقیقی مقالے کے لئے **''مولانا عبدالسلام بیگ شفیق جھالاواڑی حیات اور شعری وادبی خدمات''** موضوع منتخب کیا ہے۔اگرچہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق مرحوم کے بارے میں جناب پریم شنکر شریواستو نے اپنی تصنیف ''راجستھان کے موجودہ اردو شاعر'' میں ذکر کیا ہے اور ''دامانِ باغباں'' میں بھی آپ کے حالات اور نمونہ کلام درج ہے نیز آپ کی شخصیت اور شعرگوئی پر متعدد دانشور حضرات نے مضامین تحریر کئے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ملک کے کہنہ مشق شاعر ہونے کے باوجود آپ کی شعری وادبی خدمات پر ابھی تک کوئی جامع یا مکمل تحقیقی کام نہیں ہوا ہے اسی خیال سے راقمہ نے آپ کی شخصیت اور شعری وادب خدمات کو موضوع بناتے ہوئے اس مقالے کو حسبِ ذیل ابواب پر منقسم کیا ہے:

باب اوّل

جھالاواڑ میں اردو شعروادب کا ارتقائی سفر (راجستھان کے تناظر میں)

باب دوم

مولانا عبدالسلام بیگ شفیق کی سوانح حیات اور شخصیت

باب سوم
مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی

باب چہارم
مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت نعت گو شاعر

باب پنجم
مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی دیگر اصناف شاعری اور نثر

باب ششم
مولانا عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے معاصر شعراء اور تلامذہ

ان ابواب کے بعد مقالے کا ماحصل پیش کیا گیا ہے جس میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد کتابیات میں شفیقؔ صاحب کی تصانیف، معاونِ کتب اور رسائل و جرائد کی فہرست پیش کی گئی ہے۔

اس مقالے کے لئے مواد کی تلاش بظاہر کوئی مشکل کام نظر نہیں آتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے ہی یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ تحقیقی مواد کی تلاش میں کن کن مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بلاشبہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے مرتبہ دواوین کے نسخے فراہم تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تخلیقات غیر مطبوعہ تھیں جو ان کے صاحبزادے پروفیسر مرتضیٰ بیگ صاحب (ادے پور) کے پاس محفوظ تھیں۔ میں مرتضیٰ بیگ صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے اپنے والد محترم کی اس علمی و ادبی وراثت کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اس سے استفادے کا موقع بھی عنایت فرمایا۔ اسی طرح شفیقؔ صاحب کے چند تلامذہ نے بھی مواد کی فراہمی میں تعاون فرمایا۔ خاص طور پر جناب راحتؔ گوالیاری، جناب مظفر حسین مظفرؔ، مرحوم مولانا عبدالوحید خیاطؔ اور جناب عبدالرؤف خان رؤفؔ کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

میں خاص طور پر اپنی نگراں ڈاکٹر قمر جہاں بیگم کی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی

فرمائی اور اس مقالے کی تکمیل کے لئے مجھے اپنے تعاون سے نوازا۔اسی طرح میں ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب کی بھی ممنون ہوں جنہوں نے اپنے گرانقدر مشوروں سے مجھے رہنمائی عطا فرمائی۔ڈاکٹر حسن آرا، ڈاکٹر نادرہ خاتون اور ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ جن کی وقت وقت پر رہبری حاصل رہی۔ان کے علاوہ جناب یقین الدین یقیںؔ خلفِ غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی مرحوم (کوٹہ) بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ اور جھالاواڑ کے ادبی ماحول سے متعلق مفتوںؔ کوٹوی کے تحریرکردہ مضامین اور دیگر تخلیقات عنایت فرماکر میری مدد فرمائی۔کوٹہ میں رہ کر تحقیقی مقالے کی کمپوزنگ ہوئی، اس دوران میں جناب خلیل الرحمٰن، مولانا نورالحسن صاحب رضوی اور ترنم کا بھرپور تعاون حاصل ہوا۔اس کے لئے میں تینوں کی شکرگزار ہوں۔ آخر میں اپنے والد محترم جناب قاضی سید فاروق علی کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں جنہوں نے اپنی دعاؤں کے ساتھ میری قدم قدم پر رہنمائی فرمائی۔اسی طرح اپنے بھائیوں سید عرفان علی اور سید اذعان علی کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جو قدم قدم پر میرے ساتھ رہے اور مواد کی تلاش میں جب جہاں جانا ہوا میرے ساتھ گئے۔ان سب سے بڑھ کر میری والدہ محترمہ زیب النساء کی ممنون ہوں جنہوں نے مقالے کی تکمیل کے لئے مواقع عطا کئے۔میری حوصلہ افزائی کی اور بہت سے خانگی امور کی زمہ داریاں میرے بجائے خود انجام دیں۔

مجھے یقین ہے کہ میری اس تحقیق کو اربابِ علم و ہنر اور اصحابِ شعروسخن نظرِ تحسین سے سرفراز فرمائیں گے۔

سیدہ انجم

ریسرچ اسکالر

باب اوّل

جھالاواڑ میں اردو شعر وادب کا ارتقائی سفر

راجستھان کے تناظر میں

بابِ اوّل

جھالاواڑ میں اردو شعر و ادب کا ارتقائی سفر

(راجستھان کے تناظر میں)

راجستھان کی موجودہ تشکیل سے قبل راجپوتانہ کے نام سے موسوم یہ صوبہ ریاست ٹونک کے علاوہ تقریباً بیس/بائیس ایسی دیسی ریاستوں، جاگیروں اور ٹھکانوں پر مشتمل تھا جن کے زیادہ تر حکمراں غیر مسلم تھے۔ ان کے اپنے اپنے قواعد و قوانین تھے مگر ان حکمرانوں کی فراخ دلی اور عدمِ تعصب کی وجہ سے یہاں دیگر زبان و ادب کو بھی فروغ حاصل ہوتا رہا۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی آمد کے ساتھ ہی عربی اور فارسی زبان و ادب کی شمع روشن ہوئی۔ مغلیہ دوَرِ حکومت آتے آتے اس خطہ میں فارسی زبان کو اتنا فروغ حاصل ہوا کہ ناگور میں شیخ خضر یمنی کے بیٹے شیخ مبارک اور شیخ مبارک کے صاحبزادگان ابوالفضل اور فیضی جیسے فارسی کے جید عالم و فاضل پیدا ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ دوَرِ اکبری میں سانبھر کے راجہ لون کرن کے بیٹے منوہر داس توسنی نے فارسی میں شعر کہے۔ اس کو ہندوستان کا پہلا غیر مسلم فارسی گو شاعر مانا جاتا ہے۔ [1] فارسی زبان کے ارتقاء کے سلسلے میں ڈاکٹر قمر جہاں صاحبہ فرماتی ہیں کہ ''تاریخ شاہد ہے کہ اس خطے میں جہاں ایک طرف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ۱۱۵۱ء میں تشریف آوری کے بعد صوفیائے کرام کی تبلیغ اور تعلیم کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے اثرات پہنچنے لگے وہیں دوسری جانب سلاطین وقت کی فتوحات نے اس خطے میں فارسی اثرات کو تقویت پہنچائی۔ اس کے علاوہ فارسی بولنے والے تاجروں کے ذریعہ بھی اس خطے میں فارسی زبان کے اثرات پہنچتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی راجستھان کی مختلف بولیوں میں فارسی کے الفاظ کثرت سے گھلے ملے نظر آتے ہیں''۔ [2] لیکن یہ حقیقت ہے کہ فارسی نے زبان اردو کے لئے نہ صرف زمین تیار کی بلکہ اس کی ترویج کے لئے راہیں ہموار کیں۔

---

[1] راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات تحقیقی مقالہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۸۵ء ص ۱۱

[2] راجستھان میں اردو نثر کی ایک صدی (۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء) مصنفہ ڈاکٹر قمر جہاں بیگم مطبوعہ ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی ۲۰۰۹ء ص ۲۵

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مختلف ادوار میں باہری قوموں مثلاً ترُکی، افغانی، مغل وغیرہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور یہاں اپنے قدم جمائے۔ خاص طور سے شمالی ہندوستان میں ان قوموں کی آمد و رفت زیادہ رہی جس کی وجہ سے یہاں کی بولی اور ادب پر بھی اثرات مرتب ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ بھلے ہی کچھ نہ لائے ہوں لیکن ان کی زبان نے مختلف ریاستوں کی مقامی بولیوں پر اثر چھوڑا اور دھیرے دھیرے اردو زبان کا فروغ ہوا۔ شمال ہی نہیں راجستھان میں بھی اردو زبان و ادب کا آغاز ہوا۔ مغلوں کے عہد حکومت میں اردو زبان و ادب کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

تقریباً نصف صدی سے قبل جے پور راجستھان میں اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہو جانے کے بعد مختلف مقامات سے اردو کے ادباء و شعراُ راجستھان کی دیسی ریاستوں میں ملازمت کی غرض سے آنے لگے۔ ۱۸۵۷ء آتے آتے راجستھان کی بعض ریاستوں مثلاً جے پور، ٹونک، اجمیر، الور، دھولپور، بھرتپور وغیرہ میں اردو زبان و ادب کی ترویج و ارتقاء کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ادب شناس حکمراں اپنی ریاست کے ادبی ذوق کو بڑھاوا دینے کے لئے دوسری ریاستوں اور مقامات سے ادیبوں اور شاعروں کو اپنے یہاں بلاتے، ان کی عزت افزائی کرتے، مختلف عہدے پر فائز کرتے، انعام و اکرام اور وضیفہ دیتے۔

راجستھان کی مندرجہ بالا ریاستوں کے علاوہ یہاں کا ہاڑوتی کا علاقہ بھی اردو زبان و ادب کے فروغ میں اپنا اہم حصہ ادا کر رہا تھا۔ پورے ہندوستان کی طرح ہاڑوتی کے لوگ بھی اس سانجھی وِراثت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اردو زبان و ادب کے فروغ سے جڑے ہوئے ادیب و شاعر کسی ایک مذہب یا نظریہ کے ماننے والے نہیں تھے بلکہ ہندو مسلم سبھی اردو کے فروغ میں برابر کے ساتھی تھے۔ [۱]

ہاڑوتی میں بوندی کے حکمراں خاندان کے فرد مادھو سنگھ کو اس کی حسنِ خدمت کے صلہ میں شہنشاہ شاہ جہاں نے کچھ علاقہ ریاست بوندی کا اور کچھ شاہی علاقہ ۱۶۳۲ء میں عطا کر کے ریاست کوٹہ قائم کرائی۔ [۲]

---

۱ مضمون ''ہاڑوتی میں اردو زبان و ادب'' مضمون نگار ڈاکٹر فاروق بخشی مطبوعہ اخبار دینک بھاسکر ۷؍مئی ۱۹۹۹ء ص ۱۴

۲ وقائع راجستھان جلد دوم، مطبوعہ ہمدم پریس دہلی ۱۹۲۷ء ص ۱۵۷ تا ۱۶۳

ریاست کوٹہ میں اردو زبان وادب کا فروغ بہت تیزی سے ہوا لیکن کافی عرصے تک ریاست کوٹہ میں سرکاری کام کاج ہاڑوتی زبان میں ہوتا رہا۔ کوٹہ ریاست میں اردو کا فروغ اس وقت تیز ہوا جب مہاراجہ کوٹہ نے انگریز سرکار سے ریاست کے کام کاج کے لئے قابل آدمی بھیجنے کو کہا اور انہوں نے نواب فیض علی کو کوٹہ بھیجا جو جے پور میں اپنی محنت اور اچھے بندوبست کے لئے مشہور تھے۔ [1] نواب فیض علی کوٹہ میں مدارالمہام کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے اردو کو سرکاری زبان بنادیا اور انہوں نے مختلف محکموں کے دستورالعمل اردو میں مرتب کئے [2]

فیض علی نے ریاست کوٹہ میں اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ کوٹہ ریاست کے مشہور ومعروف شعرائیں ثابت لکھنوی کا نام اہم ہے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور بے انتہا عالم وادیب تھے۔ ثابت لکھنوی کا ہی کمال تھا کہ انہوں نے کوٹہ میں ہزاروں لوگوں کو اردو زبان وادب کی طرف متوجہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں اہم نام قیس کوٹوی اور مفتوں کوٹوی کا ہے۔ [3]

ثابت لکھنوی کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

لازم ہے کرم اس پہ ستم جس پہ روا ہو
پلکوں سے اٹھا اسکو، جو نظروں سے گرا ہو

۱۶۳۲ء سے ۱۸۱۷ء تک والیانِ ریاست کوٹہ مغلیہ سلطنت سے وابستہ رہے لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال کو دیکھتے ہوئے ۱۸۱۷ء میں مہاراجہ امید سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کر مغلوں سے اپنے تعلقات ختم کردئے۔ ۱۸۱۷ء میں ریاست کوٹہ کے حکمراں اور انگریزوں کے درمیان دو سیاسی معاہدے ہوئے [4] غالباً پہلا معاہدہ مغلوں سے قطع تعلق ہونے کا تھا اور دوسرا معاہدہ کوٹہ ریاست کے مدارالمہام راجرانا ظالم سنگھ اول سے متعلق تھا۔ جس کی ایک شرط یہ تھی کہ ریاست کے مدارالمہام ظالم سنگھ جھالا کے اسلاف (اولاد) ہمیشہ اسی عہدے پر فائز رہیں گے۔

۱،۳ مضمون ''ہاڑوتی میں اردو زبان وادب'' از ڈاکٹر فاروق بخشی مطبوعہ اخبار دینیک بھاسکر ۷رمئی ۱۹۹۹ء ص ۱۴

۲ مضمون: کوٹہ میں اردو شاعری کا آغاز مضمون نگار: جناب نعیم الدین رضوی مطبوعہ ہماری زبان یکم اپریل ۱۹۹۶ء ایڈیٹر خلیق انجم ص ۸

۴ رسالہ آفتاب مضمون ''مہاراجرانا مدن سنگھ'' از ایڈیٹر آفتاب جنام محمد حسین رضوی رسا، بابت ماہ جنوری ۱۹۰۹ء ص ۲۲

معاہدے کی دوسری شرط کے مطابق ایسی صورت میں جب کہ کوٹہ کے مہاراجہ اور ظالم سنگھ کے اسلاف میں کوئی اختلاف ہوتو ریاست کوٹہ کا ایک تہائی حصہ الگ کر کے معاوضہ کے طور پر دیا جائے گا۔ ۱۸۳۷ء آتے آتے مہاراجہ کوٹہ مہاراؤ رام سنگھ اور مدارالمہام راجرانا مدن سنگھ کے درمیان عداوت اتنی گہری ہوگئی کہ مہاراؤ رام سنگھ نے دشہرہ کے موقع پر راجرانا مدن سنگھ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنالیا۔لیکن کسی طرح اس سازش کا پتہ راجرانا مدن سنگھ کو ہو گیا۔لہٰذا تب یہ نہایت ضروری ہو گیا کہ دونوں کو معاہدے کے مطابق الگ کر دیا جائے [۱] چنانچہ ۸/اپریل ۱۸۳۸ء میں ریاست کوٹہ کے سترہ یا انیس علاقے (نوٹ: کتنے علاقے پرگنے تھے اس میں اختلاف ہے) الگ کر کے ریاست جھالاواڑ بنائی گئی [۲،۳،۴،۵] اس ریاست میں انگریزوں کی طرف سے چند پرگنے شامل کئے گئے اور راجرانا مدن سنگھ جھالا ریاست جھالاواڑ کے پہلے حکمراں تسلیم کئے گئے۔ ۱۸۳۸ء میں پیش آیا قیام ریاست جھالاواڑ کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ رسالہ آفتاب کے ایڈیٹر سید محمد حسین رضوی رسؔا نے اپنے قسط وار مضامین کے حوالے سے بیان کیا ہے۔اس واقعہ کا وہ حصہ ملاحظہ کریں جس میں اہم دستاویزی سطور درج ہیں:

''گورنمینٹ کو جو دونوں فریق کی کفیل تھی اور جو ان کے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے ہمیشہ الجھن میں رہا کرتی تھی۔اس معاملے کو اسطرح سے سلجھانا ضروری ہوا کہ آئیندہ ان میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔اس کی صرف ایک ہی تدبیر تھی،یعنی مہاراؤ اور راجرانا کا آپس میں تعلق نہ رہے اور وہ ایک دوسرے سے آزاد ہو جائیں۔ یہ امر صرف اسطرح ممکن تھا کہ کوٹہ کی ریاست تقسیم کردی جائے۔اور ایک حصے پر راجرانا کو آزاد حکمراں تسلیم کر کے کوٹہ کی

---

۱ مضمون مہاررراجرانا مدن سنگھ از سید محمد حسین رضوی رسؔا ایڈیٹر رسالہ آفتاب (ریاست جھالاواڑ کے راجراناؤں پر قسط وار مضامین) مطبوعہ رسالہ آفتاب،جلد ۳ جنوری ۱۹۰۹ء ص ۲۱،۲۲

۲ iqLrd ^^jktuk.kk >kyk tkfye flag] ys[kd yfyr 'kekZ izdkf'kr >kykokM+ fodkl eap >kykokM+ (jkt-) 2014 iq"B la[;k 33

۳ رسالہ آفتاب جلد ۳،شمارہ ۱،تا ۱۲ مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۹۰۹ء

۴ The Emperial Gazzateer of India, Volume 14, page No. 116

۵ , dysD'ku vkWQ VªhVht] ,UxstesUVl ,.M lUnl] Hkkx & 3 jktiqrkuk

>kykokM+ jkT; dh i`"V 222 ij] >kykokM+ jkT; dh LFkkiuk ds ckjs esa bl rjg fy[kk gS ^^ LFkkiuk lu 1838 bZ- esa Hkkjr dh vaxazt+h ljdkj }kjk dksVk jkT; dk foHkktu djds dh xbZA**

موروثی وزارت سے استعفاء لے لیا جائے۔ چنانچہ یہ تجویز ہوا کہ ریاست کوٹہ سے بارہ لاکھ کا ملک جو کل کا تقریباً ایک تہائی تھا راجرانا مدن سنگھ کو دیا جائے۔ مہاراؤ رام سنگھ نے اس تجویز کو بہت غنیمت سمجھا کیونکہ مدن سنگھ کو علیحدہ کرنے کے لئے وہ اپنا آدھا ملک دینے کو تیار تھا۔ پس مہاراؤ رام سنگھ اس بات پر رضامند ہوا کہ بارہ لاکھ روپیہ کا ملک راجرانا کو دے کر ۱۸۱۷ء کے عہد نامے کا تتمہ منسوخ ہوجائے۔۔۔ راجرانا نے اس کو پسند کیا اور اپنی رضامندی سے پولیٹکل ایجینٹ کی معرفت گورنمنٹ کو مطلع کردیا۔ جب دونوں فریق رضامند ہوگئے تب ۱۸۳۸ء میں گورنمینٹ نے دونوں فریق سے عہد نامے کئے (جو ضمیمہ تاریخ ہٰذا میں درج ہیں) اور بارہ لاکھ روپیہ کے مندرجہ ذیل انیس علاقے کوٹہ سے جدا کر کے ریاست جھالاواڑ قائم کی اور مدن سنگھ کو مہاراجرانا کا خطاب اور پندرہ ضرب توپ سلامی کی مقرر کر کے اسکو راجہ تسلیم کیا اور وہ تمام حقوق بھی عطا کئے جو راجپوتانہ کی دیگر خودمختار ریاستوں کو حاصل تھے۔ تفصیل علاقہ جات یہ ہے: چیچٹ، سکیت، چومحلّہ، جھالراپاٹن، ریچھوا، بکانی، دیلن پور، کوٹرا بھالتہ، سٹرا، رٹلائی، منوہر تھانہ، پہول بڑود، چاچرنی، کاکرنی، چھپا بڑود، شیر گڑھ کا وہ علاقہ جو دریا پرون کے مشرق میں واقع ہے اور شاہ آباد"۔ [1]

رئیس موصوف مہاراجرانا مدن سنگھ کے ہمراہ آنے والے لوگوں میں مرزا اکبر بیگ صاحب، منیر بیگ صاحب، غلام علی صاحب اور دیگر حضرات شامل تھے۔ مرزا اکبر بیگ صاحب ریاست کوٹہ میں محکمۂ توپ خانہ میں میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ عہدہ ریاست جھالاواڑ قائم ہونے کے بعد بھی بدستور جاری رہا اور آپ کے فرزند ضمیر بیگ ضمیرؔ بھی اس عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ دونوں حضرات فارسی داں اور شاعر تھے [2]

مختلف ادوار و اوقات میں ریاست جھالاواڑ میں گدی نشین ہوئے راجاؤں اور زبان و ادب کے بارے میں ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "اس زمانے تک عام طور پر فارسی زبان دیسی ریاستوں

---

[1] مضمون مہارراجرانا مدن سنگھ از سید محمد حسین رضوی رسؔا ایڈیٹر رسالہ آفتاب (ریاست جھالاواڑ کے راجراناؤں پر قسط وار مضامین)

مطبوعہ رسالہ آفتاب، جلد ۳ جنوری ۱۹۰۹ء ص ۲۱، ۲۲

[2] دیباچہ نیرنگ سخن دیوان اول مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق غیر مطبوعہ ص ۱۰

کے دفتروں میں استعمال کی جاتی تھی۔ لہٰذا جھالاواڑ ریاست میں بھی شروع میں مقامی زبان کے علاوہ فارسی زبان ہی ریاست کے دفتروں میں استعمال کی جانے لگی۔ جھالاواڑ ریاست کے حکمرانوں کا لقب مہاراجرانا رکھا گیا۔ اور مہاراجرانا مدن سنگھ کا دوَرِ حکومت ۱۸۴۵ء تک ہی قائم رہا۔ اس مختصر عرصے میں جھالاواڑ میں فارسی جاننے والے منشی اور مہرّ ب ملازمت کے سلسلے میں آنے لگے اور ریاست کے دفتروں سے وابستہ ہونے لگے۔ چونکہ ریاست جھالاواڑ کا بھی ایک معاہدہ انگریزوں کے ساتھ ہو چکا تھا اس لئے ریاست کا کاروبار اور حکومت کے انتظام میں انگریزوں کے بھی مشورے شامل ہوتے رہے۔ اسی زمانے سے ریاست میں نئے محکمے قائم ہونے لگے اور نئے محکموں میں کام کرنے کے لئے منشی مہرّ ب اور حاکم مامور کئے جانے لگے جو عام طور پر فارسی اور اردو زبان بھی جانتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مہاراجرانا مدن سنگھ کے زمانے میں جھالاواڑ میں اردو شعر و ادب کی سرگرمیاں شروع نہیں ہوئی تھیں۔'' [۱]

مہاراجرانا مدن سنگھ کے بعد مہاراجرانا پرتھوی سنگھ ۱۸۴۵ء میں گدّی نشین ہوئے۔ ان کا دوَرِ حکومت ۱۸۷۵ء تک قائم رہا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انگریزوں کے دفتروں میں اردو زبان بھی استعمال کی جانے لگی تھی۔ اور اس کے زیر اثر راجستھان کی بعض ریاستوں میں سرکاری طور پر اردو زبان کا استعمال ہونے لگا۔ ریاست جے پور میں تو ۱۸۲۲ء کے بعد سے ہی دفاتر میں اردو زبان رائج ہو چکی تھی۔ اردو زبان میں ریاست کے قوانین بھی مرتب کئے جانے لگے تھے۔ چنانچہ ریاست جے پور کا اردو زبان میں پہلا قانونی مجموعہ بعنوان ''قانون عدالت دیوانی و فوجداری'' (۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۸ء تک) سنوت ۱۹۰۵ وکرمی مطابق ۱۸۴۸ء میں جے پور کے سرکاری پریس میں چھپا تھا۔ [۲] جے پور کے اردو میں چھپے ہوئے قوانین کے مجموعوں کی ایک فہرست ڈاکٹر عثمانی صاحب کے تحقیقی مقالے میں موجود ہے۔ اس میں جے پور کے علاوہ جودھپور، جھالاواڑ، کوٹہ، بوندی وغیرہ کے اردو میں چھپے ہوئے ریاستوں کے قوانین کے مجموعے بھی شامل ہیں۔ [۳]

۱،۳ '' راجستھان میں اردو شعر و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۸۵ء ص ۳۳۰ سے ۳۳۲

۲ اس کا ایک نسخہ اے۔ پی۔ آر۔ آئی۔ ٹونک۔ کے شاغل کلیکشن میں موجود ہے

ان مجموعوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جھالاواڑ کے قانونی مجموعے ریاست کے تیسرے حکمراں ظالم سنگھ جھالا کے دورِ حکومت میں چھپے تھے جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ جھالاواڑ میں اردو زبان وادب کے ارتقائی حالات پر گفتگو کرتے ہوئے جناب مولوی عبدالسلام بیگ شفیق لکھتے ہیں ''ریاست کوٹہ سے علیحدگی اختیار کرنے پر اس ریاست کے جو اولین یا ان کے بعد جو دو تین رئیس ہوئے ان کے لئے یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ شعروشاعری سے دلچسپی رکھتے تھے یا نہیں۔ مگر یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی یہاں شعروشاعری کا ذوق رکھنے والے نیز اہلِ قلم موجود تھے۔ دفاتر اردو اور فارسی میں ہونے کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اس وقت ریاست کے عہدوں پر فائز تھے اردو فارسی کے قابل لوگ تھے اور وہ حضرات الہٰ آباد، فرخ آباد، لکھنؤ، سندیلہ رام پور اور یوپی کے مختلف مقامات نیز علاقہ بھرتپور کے آئے ہوئے تھے اس لئے ان میں میلان طبع شاعری کی طرف ہونا ممکنات میں سے ہے''۔[1]

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ ریاست جھالاواڑ کے دوسرے حکمراں مہاراج رانا پرتھوی سنگھ کے عہد حکومت (۱۸۴۵ء سے ۱۸۷۵ء) کے دوران جھالاواڑ کے دفاتر میں بھی اردو زبان کا استعمال ہونے لگا تھا۔ اردو کی بڑھتی ہوئی ضرورت کے مدّنظر جھالاواڑ میں ۱۸۶۸ء میں ایک پریس قائم ہو چکا تھا۔[2] اس پریس کو سینٹرل جیل پریس کے نام سے منسوب کیا گیا جو دربار سے وابستہ تھا اور دربار کی ہی کتابیں، رسالے، مضامین، اخبار وغیرہ شائع ہوتے تھے۔ اس جیل پریس جھالاواڑ کے کاتب منشی وزیر احمد دمسازؔ صاحب جھالاوڑی تھے۔[3]

جھالاواڑ میں اردو زبان کے بڑھتے ہوئے رواج اور جیل پریس قائم ہونے کے ساتھ ہی وہاں شعروادب

---

[1] مضمون ''راجستھان میں اردو ادب کے سو سال'' مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیق غیر مطبوعہ ص۲ (شفیق صاحب کی بیاض میں موجود) ۱۳ تا ۱۵ر نومبر ۱۹۶۴ء کو جودھپور میں ہوئے اردو سمپوزیم کے لئے یہ مقالہ لکھا گیا لیکن شفیق صاحب ذاتی Novelty مصروفیات کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

[2] وقائع راجستھان مصنفہ مولوی نجم الغنی (جلد دوم) مطبوعہ ہمدم پریس دہلی ۱۹۲۷ء ص ۱۶۹

[3] اقتباس الاولیاء سرِ ورق مصنفہ محمد حسین کوتوال مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۹۳۵ء (جس کی تصدیق جناب مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیق نے کی)

کی ترویج تیزی سے ہونے لگی۔ خاص طور سے مہاراجرانا پرتھوی سنگھ کے جانشین مہاراجرانا ظالم سنگھ کے دوَر حکومت میں جھالاواڑ میں اردو زبان کا فروغ تیزی سے ہوا۔ یہی وہ دوَر تھا کہ جب ایک طرف ریاست کے دفتروں میں اردو زبان استعمال کی جانے لگی تھی اور اردو میں سرکاری قواعد و قوانین چھپنے لگے تھے چنانچہ اس دوَر کے قوانین کے حسبِ ذیل مجموعے ہمارے پیش نظر ہیں۔ ۱؎

نمبر شمارہ	قانونی مجموعے کا نام	نام مرتب	مطبع
۱)	قواعد کاروائی پولس، جھالاواڑ	ہرگووند سنگھ	مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۸۷۹ء
۲)	قواعد کاروائی عدالت دیوانی	عزیز الرحمٰن	مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۸۷۹ء
۳)	قانون مال ریاست جھالاواڑ	عزیز الرحمٰن	مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۸۷۹ء
۴)	ہدایت نامہ سررشتہ تعلیم جھالاواڑ	ہرگووند سنگھ	مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۸۸۱ء
۵)	دستور العمل پیائش راج جھالاواڑ	ہرگووند سنگھ	مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۸۸۳ء

مہاراجرانا ظالم کے عہد میں قاضی شجاع الدین نے فارسی تصانیف دولت نامہ اور باز نامہ کا اردو ترجمہ کیا۔ باز نامہ دو مقالوں پر مشتمل ہے اور اس کا ترجمہ ۱۸۸۶ء میں کیا گیا۔ دونوں ترجموں کے نسخے A.P.R.I ٹونک میں موجود ہیں۔ ۲؎

یہی وہ دوَر تھا جب جھالاواڑ میں شعر و ادب و سخن کے چرچے بھی شروع ہو چکے تھے اور اردو نثر میں بھی ترتیب و تالیف اور ترجمہ نگاری کی جانب توجہ دی جانے لگی تھی۔ بقول ڈاکٹر عثمانی ''شعر و سخن کا چرچہ بھی اس ماحول میں ناگزیر تھا۔ سید حسن فوقؔ رام پوری تلمیذ داغؔ اور عبدالنبی خان جاویدؔ (رامپور) وغیرہ بسلسلئہ ملازمت یہاں پہنچ گئے تھے جن سے مقامی لوگوں نے استفادہ کیا اور دادِ سخن دینے لگے مثلاً منشی سالگ رام سالکؔ محافظ دفتر

۱؎ ریاست جھالاواڑ کے مشکورہ قوانین کے مجموعوں کے نسخے A.P.R.I ٹونک کے شاغل کلیکشن میں موجود ہیں۔

۲؎ راجستھان میں اردو نثر کی ایک صدی ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک۔ مصنفہ ڈاکٹر قمر جہاں بیگم مطبوعہ ایم۔ آر۔ آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی ۲۰۰۹ء ص ۱۰۰

جھالاواڑ حضرت جاویدؔ کے شاگرد تھے'' ۱؎ جناب فوقؔ رامپوری اور سالگ رام سالکؔ کے کلام سے چند اشعار بطور نمونہ شاعری ملاحظہ فرمائیں۔

میرا اس رشک سے اے آفت جاں دم نکلتا ہے — کہ تیرے دل سے دشمن کا تصور کم نکلتا ہے
ہزاروں درد لاکھوں رنج اس میں آ کے بھرتے ہیں — اگر گھبرا کے میرے دل سے کوئی غم نکلتا ہے

۲؎ (سالکؔ)

تھی نظر مہر کی تو غیروں پر — قہر کی بھی نگہ ادھر نہ ہوئی
دیکھ لی آپ کی مسیحائی — درد سالکؔ کی چارہ گر نہ ہوئی

۳؎ (سالکؔ)

حسن وہ کیا جسے نظر نہ ہوئی — وہ نظر کیا جو کارگر نہ ہوئی
فوقؔ اب میکدے میں آئے ہیں — کہیں حضرت کی جب بسر نہ ہوئی

۴؎ (فوقؔ)

جھالاواڑ میں مہاراجرانا بھوانی سنگھ سے قبل ہی مہاراجرانا دوسرے ظالم سنگھ کے دورِ حکومت میں بھی شعری ذوق وشوق رکھنے والے لوگ اور شعراء وادباء موجود تھے۔ ان میں بیشتر حضرات فارسی داں تھے۔ جن کے نام ہیں: بھیکن خاں، قاضی قطب الدین صاحب (تخلص نامعلوم)، عبدالنبی خاں صاحب تحصیلدار تخلص جاویدؔ، فروز شاہ

۱؎ ''راجستھان میں اردو شعر وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۸۵ء ص ۲۴۲،۲۴۱

۲؎ یادداشت از رسالہ اردو ادب شمارہ ۲، ۷۔۱۹۶ء (''پیام یار بابت ماہ نومبر ۱۸۸۵ء میں جہاں ہندوستان کے دیگر شعراء کلام منتخبہ درج ہے وہاں جھالاواڑ کے مندرجہ ذیل شعراء کا کلام اس طرح درج ہے'')۔ یہ تحریر شفیقؔ صاحب کی لکھی ہوئی ہے اور جھالاواڑ کی ادبی تاریخ کا اہم دستاویز ہے۔

۳؎،۴؎ پیام یار بابت ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء۔ (نوٹ درج بالا تینوں حوالے شفیقؔ صاحب کے مضمون ''راجستھان میں اردو ادب کے سوسال'' کے بعد درج آپ کی قلمی تحریر سے لئے گئے ہیں)۔

عرف سنبھلے میاں (تخلص نامعلوم) ، بھایا رام چند عیشؔ تلمیذ داغؔ دہلوی، منصرم احمد حسین خاں صاحب نثارؔ، ناظم وزیر محمد خاں صاحب ساجدؔ (یہ بھیکن خاں صاحب کے صاحبزادے تھے)، عبداللہ خاں عرف کالے ملا (تخلص نامعلوم)، مشرف علی صاحب فطرتؔ، مولوی روشن علی روشنؔ، حکیم عبدالصمد صاحب شوقؔ تلمیذ فوقؔ، ماسٹر محمد حسین رضوی رسؔا، مرزا ضمیر بیگ ضمیرؔ، میر درد صاحب دردؔ، مظہر حسین صاحب مظہرؔ، عارف علی صاحب پیر، وجیہ الدین خاں صاحب حیفؔ وغیرہ۔[1]

مذکورہ بالا شعراء میں سے چند شعرائے کرام کے مختصر حالات جو شفیقؔ صاحب کو دستیاب ہوئے آپ نے اپنے مضمون ''راجستھان میں اردو ادب کے سو سال'' میں بیان کئے ہیں لہٰذا جھالاواڑ کی ادبی تاریخ میں اس دوٗر کے چند شعراء و ادباء کے حالات بیان کرنا بہت ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

ا. بھایا رام چندر جی صاحب تخلص عیشؔ

آپ حضرت داغؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔ ریاست جھالاواڑ کے بڑے اراکین میں آپ کا شمار تھا۔ جاگیر دار تھے، نہایت سخی انسان تھے۔ صورت و شکل کے وجیہ تھے۔ ان کے فرزندِ رشید جناب بھایا شادی لال جی دیوان تعلیمات ریاست جھالاواڑ تھے۔ عیشؔ صاحب کے مکان پر طرحی مشاعرے بھی ہوتے تھے۔ ان مشاعروں میں اس وقت کے شعراء شرکت کرتے تھے۔ نمونۂ کلام عیشؔ ؎

سخت جاں اگر ہم کبھی جوہر دکھلائیں ناک میں دم تیرا اے خنجر فولاد کریں
کبھی اے جذبۂ دل ایسی بھی دکھلا تاثیر مجھ کو وہ شاد کریں غیر کو ناشاد کریں

۲. ماسٹر محمد حسین رضوی رسؔا

آپ نہایت قابل آدمی تھے۔ باشندگانِ جھالاواڑ میں بی۔اے۔ کرنے والوں میں دوسرے نمبر کے آدمی تھے۔ ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر رہے۔ ہیڈ ماسٹری جس رعب و داب سے کی وہ زبان زدِ عوام ہے۔ شاعر تھے، نثر نگار تھے اور مقرر بھی۔ رسالہ آفتاب کی ادارت سب سے پہلے آپ ہی نے کی اور شبلیؔ اور آزادؔ

---

[1] راجستھان میں اردو ادب کے سو سال مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، غیر مطبوعہ۔

جیسے اہلِ قلم حضرات سے تحسین داد حاصل کی۔ ''ڈرامہ پر ایک دقیق نظر'' بھی ان ہی کی قلم کا شاہکار ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت نہ رسالہ آفتاب نظر آتا ہے نہ ڈرامے پر ایک دقیق نظر۔ آپ کی غزلیں آفتاب میں چھپتی تھیں۔ آپ نے ایک قصیدہ مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی شان میں لکھا ہے۔

۳. مظہر حسین مظہرؔ کا نمونۂ کلام ؎

رنج و غم میرا یہ زمانہ سنے — حیف کی جا ہے دلربا نہ سنے

بھول جائے وہ قصۂ مجنوں — جو مرے عشق کا فسانہ سنے

۴. وجیہ الدین خان صاحب حیفؔ

آپ نے شروع میں عبدالنبی خاں صاحب جاویدؔ سے اصلاح لی بعد میں امیر الشعراء حضرات امیر مینائیؔ سے فیض تلمذ حاصل کیا۔ کہنہ مشق شاعر تھے۔ صاف گو اور سلاست کو پسند کرتے تھے۔ اکثر مشاعروں میں اپنی غزل پر اہل سخن سے کافی داد حاصل کی۔ نظم لکھنے پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ آپ کے حالات ''خمخانۂ جاوید'' میں بھی درج ہیں [۱] درج بالا چاروں شعراء کے حالات مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالا واڑی کے مضمون ''راجستھان میں اردو ادب کے سو سال'' میں درج ہیں۔ راقمہ نے صرف ان کو نقل کیا ہے۔

اسی زمانے میں ریاست جھالا واڑ کی تاریخ اردو زبان میں ''چہار چمن'' کے نام سے منشی بھیکن خاں نے ترتیب کی جو ریاست جھالا واڑ کی فوج کے بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔ کتاب ''چہار چمن'' کے آخری صفحہ ۲۰۹ پر یہ تحریر درج ہے ''دستخط نے ربط مؤلف اجیٹن بھیکن خاں ولد ماری خاں متوطن ندبئ مقام چھاندنی دھنواڑہ ملازم قدیم ریاست جھالا واڑ۔

الحمدللّٰہ والمنتہ کہ جلد اول چارچمن بتاریخ ۲۳، اگست ۱۹۱۳ء ختم شدہ'' [۲]

---

[۱] راجستھان میں اردو ادب کے سو سال مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، غیر مطبوعہ۔

[۲] چہار چمن مصنفہ منشی بھیگن خاں مطبوعہ ۲۳، اگست، ۱۹۱۳ء سینٹرل جیل پریس جھالا واڑ ص ۲۰۹ (اصل کتاب جوہر یش چند لائبری جھالا واڑ میں موجو ہے، شکستہ است)

کتاب چہار چمن میں جن چار راجاؤں کے حالات وواردات کا بیان ہے ان کے نام ہیں:

۱) راجرانا ظالم سنگھ بہادر اول (مدارالمہام، کوٹہ ریاست)

۲) راجرانا مادھو سنگھ بہادر (مدارالمہام، کوٹہ ریاست)

۳) مہاراجرانا مدن سنگھ بہادر (اولین حکمراں ریاست جھالاواڑ)

۴) مہاراجرانا پرتھوی سنگھ بہادر ۱؎

مہاراجرانا ظالم سنگھ (دوم) کا دوٗر حکومت ۱۸۹۰ء تک قائم رہا۔اس کے بعد ریاست میں غیر تسلّی بخش حالات پیدا ہوگئے۔انگریز سرکار نے مہاراجہ موصوف کو ریاست سے بے دخل کر دیا۔جسکی وجہ سے ریاست میں انقلاب برپا ہوگیا۔انگریزی سرکار نے ریاست میں اپنی پلٹنیں بلوالیں۔ادھر ریاست کی افواج بھی اپنے فرماں رواں کے حکم کے انتظار میں تھیں لیکن مہاراجرانا ظالم سنگھ نے ریاست کے لئے عوام کے نقصان کو منظور نہیں کیا۔آپ نے عوام کو امن برقرار رکھنے کو کہا اور خود بنارس چلے گئے۔ریاست جھالاواڑ کا دو تہائی حصہ واپس کوٹہ میں ملا دیا گیا اور جو ایک تہائی حصہ ہولکر ریاست کا دیا ہوا باقی تھا اس پر انگریزی سرکار حکومت کرنے لگی۔کیونکہ مہاراجرانا ظالم سنگھ (دوم) کے کوئی جانشین نہ تھا لیکن آپ کے بھائی کی اولاد یعنی راجرانا بھوانی سنگھ ہی آپ کے جانشین تھے اور اس بچے ہوئے حصے کے حق دار تھے لیکن انگریزی حکومت یہ بات ماننے کو تیار نہ تھی۔سوئے اتفاق مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے نانا مہاراجرانا بلبھدر سنگھ ماؤنٹ آبو میں انگریزی سرکار میں عہدے دار تھے۔لہٰذا آپ نے برٹش سرکار کو خط لکھے۔آپ کی کاوشوں اور مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی قابلیت سے ریاست جھالاواڑ دوبارا قائم ہوئی اور ۶ رفروری ۱۸۹۹ء کو مہاراجرانا بھوانی سنگھ مسند نشین ہوئے ۲؎ ان حالات کی نشاندہی خود شفیق صاحب بھی کرتے ہیں لکھتے ہیں ''مہاراجرانا دوسرے ظالم سنگھ جی کے دوٗر حکومت میں ریاست پر ایک انقلاب آیا۔

۱؎ دیپاچہ چہار چمن۔مصنفہ بھیکن خاں مطبوعہ جیل پریس جھالاواڑ ۱۹۰۱۳ء ص ۱

⍓•☯&♈ ♏♑&er&♦er&📫&& ☺♒ ☟&□&♦♒ ♐●♋

●♏&er&•♑☸ 🗎 ♐●❒☜♍er 🗁✆⌨🗏 ♌☪ ♎♦ ❖□●er

رئیس بنارس بھیجدئے گئے۔ بڑا حصہ کوٹہ میں ملادیا گیا۔عرصہ تک حالات غیر مطمعن رہے۔ فضا کو سازگار ہونے کا موقع تب ملا جب مسند ریاست پر مہاراجرانا بھوانی سنگھ جی آنجہانی متمکن ہوئے۔ابتدائی دوَر کچھ حالات کو سازگار بنانے میں صرف ہوا۔ یہ رئیس بڑے علم دوست اور پڑھے لکھے لوگوں کے قدرداں تھے۔'' ۱؎

لہذا ریاست جھالاواڑ کی ادبی تاریخ مہاراجرانا ظالم سنگھ کے جانشین مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے دوَرحکومت (۱۸۹۹ سے ۱۹۲۹) کے دوران واضح طور پر سامنے آتی ہے۔مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے عہدِحکومت میں شعر وادب کو جوفروغ حاصل ہوا اس کا ذکر ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اپنی تصنیف ''راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' میں کیا ہے۔

مہاراجرانا بھوانی سنگھ نہایت علم دوست وادب نواز اور بے تعصب تھے۔ وہ اہلِ کمال واصحابِ فن کی بڑی قدر کرتے تھے۔اس لئے ان کے دربار میں حسب ذیل شعرأ جمع ہوگئے تھے۔

۱) آغا شاعرؔ قزلباش تلمیذ داغؔ (دہلی)

۲) عبدالنبی خان جاویدؔ (رامپور)

۳) امام الشعرأ حافظ عالگیر خاں کیفؔ ٹونکی

۴) مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی تلمیذ محسنؔ کاکوروی (لکھنؤ)

مہاراجہ موصوف کو دیوان ریاست بھی آپ جیسے ہی علم دوست، لائق وقابل مل گئے تھے ان کا نام پنڈت پرمانند چترویدی تھا۔ یہ قائم گنج کے رہنے والے تھے اور بی۔اے۔ تھے۔اس زمانے میں علمی مجلس اور شعروشاعری کی محفلیں گرم ہوئیں۔ باہر سے قابل لوگ آنے شروع ہوئے اسی زمانے میں مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی بسلسلۂ ملازمت جھالاواڑ تشریف لائے۔ ۲؎ دیوان پرمانند جی نے آپ کو یکم جنوری ۱۸۹۹ء میں محکمۂ عالیہ دربار میں محافظ دفتر کے عہدے پر مقرر کیا۔۳؎ جناب نیرنگؔ کے علمی جوہر اور شعری قابلیت نے لوگوں کو اپنا گرویدہ کیا اور ان کے بہت سے شاگرد ہوگئے۔

۱؎ ، ۲؎ مضمون ''راجستھان میں اردو ادب کے سو سال'' مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص ۷، ۸

۳؎ دیوان نیرنگؔ مصنفہ مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی مطبوعہ نیّر پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء ص ۱۳

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے عہد میں مقامی اور باہر سے آنے والے شعراء خصوصاً ماسٹر محمد حسین صاحب رساؔ، میر درد صاحب دردؔ، مظہر حسین صاحب مظہرؔ، عارف علی صاحب عارفؔ، وجیہ الدین خان صاحب حیفؔ، مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی، مرزا ایوب بیگ صاحب صابرؔ، مولوی عبدالطیف صاحب یکتاؔ، منشی شمبھودیال دانشؔ، منشی باسدیو پرشاد وفاؔ، جسے باکمال شعراء ہوئے۔ جھالاواڑ کے ادبی ماحول کے متعلق شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں'' مندرجہ بالا شعراء ملکر مشاعروں کی نشست کرتے تھے۔ کبھی بھایا رامچند رجی عیشؔ کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا۔ کبھی پرانے تھیٹر نام کی عمارت میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ اسی دور میں حافظ محمد عالمگیر خاں صاحب کیفؔ ٹونک سے تشریف لائے اور مرزا ایوب بیگ صاحب کے مہمان رہے اور غیر سرکاری طور پر ہونے والے مشاعروں میں بھی شریک ہونے لگے۔ ان مشاعروں کے حالات مہاراجرانا بھوانی سنگھ جی کو معلوم ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں مہاراجرانا بھوانی سنگھ جی کے ایما سے ایک پندرہ روزہ مشاعرے کی بنیاد پڑی۔ حضرت نیرنگؔ کو بھی ان سرکاری مشاعروں میں شرکت کے لئے مجبور کیا گیا۔ تقریب سالگرہ کے موقع پر جو مشاعرہ ہوتا تھا اس میں خود مہاراج بہادر بھوانی سنگھ جی نفس بنفیس شرکت فرماتے تھے اور داد و تحسین سے شعراء کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے''۔[۱]

لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ جھالاواڑ کے ادبی ماحول کے فروغ و ارتقاء میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر ہوئے ان مشاعروں، محافلوں اور تقاریب وغیرہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ سالگرہ کے جشن ہوں یا ہولی دیوالی کی تقاریب، جشنِ آزادی ہو یا جشن جمہوریہ ہر موقع پر شعراء و ادباء نے اپنی قلم سے خوب خوب کام لیا۔ یہ مواقع اور تقاریب اردو زبان و ادب کے فروغ کا سبب بنے۔ والیٔ ریاست کی سالگرہ کے موقع پر منعقد ہوئے مشاعرے جھالاواڑ میں سخن وروں اور سخن فہموں کے لئے روحانی اور وجدانی کیفیت کا سبب تھا۔ ''آسمان تک غلغلہ پہنچا مبارکباد کا'' سالگرہ کا یہ وہ پہلا مشاعرہ تھا جسے رئیس الوقت مہاراج رانا بھوانی سنگھ نے بہت سراہا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ قائم ہوگیا۔[۲]

---

[۱] راجستھان میں اردو ادب کے سو سال مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص ۹،۱۰

[۲] راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ رسالہ اردو ادب شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء، ص ۹۶

سالگرہ کے موقع پر عزیزؔ جھالاواری کی رباعی ملاحظہ کیجئے ؎

ہر دل ہے جو آج مائلِ سالگرہ یارب عشرت ہو حاصلِ سالگرہ
ہے دل سے دعا عزیزؔ کی بارِ خدا ہر سال یوں ہی ہو محفلِ سالگرہ

راجپوتانہ کی ریاستوں میں ہولی کا جشن بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔جشن ہولی کے سلسلے میں منشی عزیز الرحمٰن عزیزؔ جھالاواڑی کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

گلے ملتے ہیں سب بچھڑے ہوئے دلدار ہولی میں
مگر تو بے سبب کرتا ہے کیوں تکرار ہولی میں
غضب ہے ثلوّن او ہٹ عیار ہولی میں
کبھی اقرار ہولی میں کبھی انکار ہولی میں

جناب نیرنگؔ کاکوروی جھالاواڑ میں ہونے والی تمام تقریبات اور مشاعروں کے روح رواں تھے۔آپ ذاتی طور سے بھی جھالاواڑ میں اردو شاعری کے فروغ و ترویج کے لئے کوشاں رہے۔آپ نے نئے شعراء کے لئے ماحول کو سازگار بنانے اور ان کی مشق بڑھانے کی غرض سے اپنے دولت خانے پر وقتیہ مشاعروں کا انعقاد کیا۔روزانہ شب کو نشست ہوتی جس میں تلامذۂ نیرنگؔ شرکت کرتے۔موصوف اپنے تلامذہ کو مصرعہ طرح دیتے،گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں جتنے اشعار تلامذہ سے کہے جاتے وہ کہتے اور موصوف کو پیش کرتے۔اس طرح اُسی نشست میں موصوف ان کے اشعار پر اصلاح فرماتے۔اس وقتیہ مشاعرے کا اصل مقصد نومشق شعراء کی مشق بڑھانا اور ادبی ماحول کو فروغ دینا تھا [1]

جھالاواڑ میں زبان اردو کے علاوہ فارسی کو بھی یکساں اہمیت حاصل تھی۔مہاراجرانا ظالم سنگھ دوم اور مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے عہد حکومت میں جو حضرات اور شعراء یہاں آئے ان میں سے بیشتر فارسی داں تھے۔مرزا ضمیر بیگ ضمیرؔ،حافظ محمد عالمگیر خاں کیفؔ ٹونکی مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی وغیرہ فارسی کے عالم و فاضل تھے اور

---

[1] طریق اصلاح حضرت نیرنگؔ مرحوم مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص ۵

فارسی میں بھی خط وکتابت کرتے تھے۔حضرت نیرنگؔ مرحوم نے اپنے تلامذہ کو اردو شعر وسخن کے ساتھ فارسی میں تعلیم وتربیت دی۔سید یوسف علی یوسفؔ، مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ، مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، منشی عبداللہ خاں صاحب جوشؔ، مصطفےٰ حسین صاحب رضوی، عبدالخالق صاحب ساجدؔ، محمد یٰس خاں شررؔ، منشی احمد بخش صاحب احمدؔ وغیرہ نے خاص طور سے حضرت نیرنگؔ مرحوم سے فارسی میں تعلیم پائی۔[1]

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کو ہر زبان وفن سے گہری دلچسپی تھی لہٰذا اس بے تعصب اور فراخ دل فرمانِ رواں کی وجہ سے جھالاواڑ میں ہر علم وفن کو پھلنے پھولنے کا برابر موقع ملا۔مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی شاعری سے دلچسپی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے خود مولوی نیرنگؔ کاکوروی کی ایک ایک غزل سنی اور اپنی نگرانی میں چھپوانے کا حکم دیا۔مولوی عبد الوحید نیرنگؔ کاکوروی نے اپنے دیوان کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ ’’مہاراجہ موصوف کے دربار میں روزانہ صبح دس بجے تک مختلف علوم اور ادب کے علماء حاضر رہتے تھے۔جن میں زبان اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو امتیاز حاصل تھا۔دور دور سے فضلا اور اہلِ فن کو ریاست میں بلا کر دربار میں جگہ دی جاتی تھی۔[2]

رئیس جھالاواڑ مہاراج، شری بھوانی سنگھ کو بھی مغربی اور مشرقی گیارہ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔آپ ہر علم و فن کے پورے قدردان تھے۔آپ ہر فنکار سے ان کے فن کے متعلق دلچسپ بات چیت کرتے تھے۔[3] بقول جناب مفتوںؔ کوٹوی ’’ریاست جھالاواڑ میں اردو کے فروغ وارتقاء بلکہ اس کے عروج وارتقاء کا دوَر مہاراجرانا بھوانی سنگھ بہادر کا عہد بڑا قابل قدر اور لائق فخر رہا ہے۔آپ اردو زبان خصوصاً اردو شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ان کے دربار میں انگریزی زبان کے فاضل، ہندی اور سنسکرت کے وِدوان، عربی فارسی کے عالم اور زبان اردو کے ادیب وشاعر روزانہ صبح سے دس بجے تک حاضر رہتے تھے اور راجا بھوج، ہارون الرشید اور مامون الرشید کی

---

[1] مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے مضامین اور تحریروں میں جابجا فارسی داں حضرات کا تذکرہ ملتا ہے جسکی تائید مظفر حسین صاحب مظفرؔ اور مولانا عبدالوحید خیاطؔ نے بھی کی ہے۔

[2] دیباچہ دیوان نیرنگؔ مصنفہ مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی مطبوعہ نیرؔ پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء

[3] مقالہ ’’یادگارِ شفیقؔ‘‘ از مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص ۴

مجالس علمیہ کی طرح ہر علم وفن پر دلچسپ مباحثے ہوتے تھے۔ ہز ہائی نس خود ہر علم وفن میں خاص دلچسپی سے کام لے کر باموقع داد دیتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔اس سلسلے میں اردو اور اردو شاعری کو درجۂ امتیاز حاصل تھا''۔[1]

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی قدردانی اور عزت افزائی کا تذکرہ شعرائے جھالاواڑ نے اپنے کلام میں بھی کیا ہے چند اشعار دیکھئے ؎

قدردانی سے مہاراج کی بے شک نیرنگؔ ہے شب وروز ہمیں لطف سخن غربت میں

راجہ بھوانی سنگھ نے کی قدر کیفؔ کی اچھا ہوا غریب کی بگڑی سنبھل گئی

مفتونؔ کوٹوی نے اپنے مضمون ''راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ'' میں بحوالہ ''جائزہ زبان اردو'' کی رو سے ریاست جھالاواڑ کی حسب ذیل کتب کا طباعت پذیر ہونا بتلایا ہے:

١. چہار چمن از بھیکن خاں مرحوم سابق بخشی فوج (نثر میں ریاست جھالاواڑ کی تاریخ)

٢. ڈرامہ پر ایک دقیق نظر از سید محمد حسین رضوی رساؔ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ١٩٠٤ء

٣. اسلامی لغت حصہ اول از سید حامد حسین رضوی علیگ مطبوعہ نگار مشین پریس لکھنو ١٩٢٨ء

٤. اسلامی لغت دوم از سید حامد حسین رضوی علیگ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ١٩٣١ء

٥. اسلامی لغت سوم از سید حامد حسین رضوی علیگ مطبوعہ پریس پھلواری شریف پٹنہ

٦. دیوان نیرنگؔ از مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی مطبوعہ نیّر پریس لکھنؤ ١٩٢٩ء

جھالاواڑ میں اس زمانے میں غیر مسلم شعراء بھی داد سخن دینے لگے تھے جن میں شمبھو دیال دانشؔ کے علاوہ منشی سالگ رام سالکؔ و شمبھر ناتھ سکسینہ نشترؔ، گنیش لال برہمنؔ اور بھایا رام چندر عیشؔ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ان حضرات کی موجودگی کے باعث جھالاواڑ شعر وسخن کی سرگرمیوں کا ایک مرکز بن گیا تھا اور ریاست کے حکمراں مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی سرپرستی کے باعث جھالاواڑ میں شعر وسخن کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

---

[1] راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ مضمون نگار مفتونؔ کوٹوی مطبوعہ رسالہ اردو ادب، شمارہ ٢، انجمن ترقی اردو علی گڑھ ١٩٦٦ء، ص ٩٣، ٩٤ (یہ مضمون مفتونؔ صاحب کی مرتبہ کتاب ''پیکر خیال'' ١٩٧٢ء کی نثری وشعری نگارشات میں بھی موجود ہے)

مہاراجہ موصوف علم وادب کے سرپرست ہونے کے علاوہ خود ایک ذی علم و ذی فہم سخن شناس شخصیت کے مالک تھے اور اپنی ریاست کے شعراء وادباء کو اپنے قابل قدر مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے دربار کے شعراء کو مشورہ دیا کہ وہ گل وبلبل کی رسمیہ شاعری کو چھوڑ کر مولانا حالیؔ کے انداز میں قومی، اصلاحی اور اخلاقی نظمیں لکھیں۔ منشی شمبھودیال دانشؔ اور منشی باسدیو پرشاد وفاؔ (جو مہاراجہ موصوف کے مصاحب خاص میں سے تھے) نے رئیس کے مزاج کو پہچان کر غزل کے کوچہ سے قدم باہر رکھا اور نظمیں اور مثنویاں کہنا شروع کیں۔ منشی باسدیو پرشاد وفاؔ نے بہت کم عمر پائی۔ آپ کی مختلف نظمیں شائع ہوئی لیکن اب نایاب ہیں۔ منشی شمبھودیال دانشؔ کے کلام میں اصلاحی اور اخلاقی رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ یہ نہایت لطیفہ گو بذلہ سنج آدمی تھے۔ نظم اور مثنوی پر قدرت رکھتے تھے۔ حضرت داغؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپ نے حضرت نیرنگؔ سے بھی مشورۂ سخن کیا ہے۔[1] ۱۹۲۶ء میں مہاراجرانا بھوانی سنگھ نے اپنی سال گرہ کے موقع پر دانشؔ کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا۔ راجستھان میں غالباً یہ ایک واحد مثال ہے کہ کسی غیر مسلم رئیس نے کسی شاعر کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا ہو۔

اسی زمانے میں ''شاعری کی کایا پلٹ'' کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ سہ ماہی تھا اس کی نگرانی کے لئے ''انجمن سخن شعراء'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی تھی۔ انجمن کے اراکین اس رسالے میں اشاعت کے لئے شعراء کے کلام کا انتخاب کرتے تھے۔ رسالہ ''شاعری کی کایا پلٹ'' میں ۳۲ صفحات ہوتے تھے۔ اور یہ رسالہ جیل پریس جھالاواڑ میں چھپتا تھا۔ جیل پریس کا دفتر مہاراجہ کے محل میں تھا۔ اس رسالے میں علمی ادبی ،اخلاقی اور اصلاحی نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ رسالہ ''شاعری کی کایا پلٹ'' ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک جاری رہا۔[2]

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے زمانے میں ۱۹۰۵ء میں ایک شعری ماہنامہ رسالہ ''آفتاب'' کے نام سے جاری کیا گیا جسکی ادارت شروع میں سید محمد حسین رضوی رساؔ نے کی۔ اور پنڈت پرشوتم لال سوریہ دوج شادؔ اس کے اسسٹینٹ مینیجر تھے۔ ایڈیٹر محمد حسین رضوی رساؔ ایک بلند مرتبہ ادیب وشاعر تھے۔ آپ کے مضامین ومنظومات

---

[1] جھالاواڑ اور شعر وسخن ص ۴، اور راجستھان میں اردو ادب کے سو سال ص ۱۵، ۱۶۔ یہ دونوں مضامین شفیقؔ صاحب کے تحریر کردہ ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں۔

[2] راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات، مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ص ۲۴۳

بلا تاخیر رسالے کے ہر شمارے میں شائع ہوتے تھے۔ خصوصاً ریاست جھالاواڑ کی سیاسی تاریخ پر مبنی آپ کا ایک قسطوار مضمون رؤسائے وقت کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ دانشؔ اور نیرنگؔ صاحب کا کلام بھی رسالہ آفتاب میں خصوصیت کے ساتھ شامل ہوتا تھا۔[۱] ۱۹۲۰ء میں اس کے ایڈیٹر آغا شاعر قزلباش، تلمیذ، داغؔ دہلوی مقرر ہوئے۔ رسالہ آفتاب میں ایک مستقل مضمون ''بزم داغؔ کے چشم دید نقوت'' کے نام سے ہر مہینے چھپتا تھا۔ اس رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حالیؔ نے لکھا ہے کہ:

''رسالہ آفتاب کے دو نمبر پہنچے۔ ان کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی اور پڑھکر بے انتہا مسرت ہوئی کہ ہمارے رئیسوں کا اس طرف متوجہ ہونا اور اس لیاقت سے علمی مضامین لکھنا ہندوستان کے پہلے دن آنے کی دلیل ہے۔ بابو امبالال صاحب کا مضمون تعلیم پر اور آپکا مضمون تعصب پر بہت عمدہ ہے۔[۲]

مہاراجرانا موصوف نے ۱۹۱۴ء میں ''جنگ یورپ'' کے نام سے تقریروں کا ایک سلسلہ جاری کیا۔ اس میں پہلی جنگ عظیم سے متعلق دلچسپ اور معلومات افضا مقالات اور مضامین پیش کئے جاتے تھے۔ اور ہر مہینے کے مضامین کا مجموعہ رسالہ جنگ یورپ میں شائع کیا جاتا تھا۔ یہ رسالہ جیل پریس جھالاواڑ میں چھپتا تھا اور اس کے ایڈیٹر شمبھو دیال دانشؔ تھے۔ اس رسالے میں مضامین کے علاوہ اصلاحی، اخلاقی نظمیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ مضامین اور مقالات لکھنے والوں میں بلاتفریق ہندو مسلم سب شامل ہوتے تھے۔ ان میں مہاراجہ کے علاوہ ریاست کے دیوان بھایا شادیؔ لال، مہاراجہ کے سیکریٹری مسٹر چٹر جی، ریاست کے ریونیو منسٹر بابو چھیدی لال ماتھور، سول جج منشی شمبھو دیال دانشؔ، انجینئر جگ موہن لال اور ہیڈ ماسٹر اندرسین جیسے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اس رسالے کے بیس شمارے شائع ہوئے۔ اس کا آخری مضمون ''سب میرن'' کے نام سے ۱۹۱۷ء میں چھپا تھا جسے مہاراجہ بھوانی سنگھ نے تحریر کیا تھا۔[۳]

---

[۱] رسالہ آفتاب جلد ۳، شمارہ ۱ سے ۱۲، ۱۹۰۹ء جیل پریس جھالاواڑ۔

[۲] جائزہ زبان اردو مرتبہ: مولوی عبدالحق، ناشر انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۰ء ص ۹۳

[۳] راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات، مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ص ۲۴۳

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی ادب دوستی اور علم پروری کی وجہ سے جھالا واڑ کے محل میں ایک لائبریری بھی قائم کی گئی جس میں جھالا واڑ کے ادیبوں کے علاوہ دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی تصانیف وتالیفات بھی جمع کی گئیں۔اس کے علاوہ جھالا واڑ کی لائبریری کے بہت سے مخطوطات اور مطبوعات جھالا واڑ کلیکشن کے نام سے A.P.R.I. ٹونک میں محفوظ ہیں۔اور اہلِ تحقیق کو دعوتِ تحقیق دیتے ہیں۔

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کو ڈرامے کا بھی شوق تھا انہوں نے ''شیکسپیر ڈرامیٹک سوسائٹی'' کے نام سے ایک ڈرامہ سوسائٹی بھی بنائی تھی۔نیز محل میں کبھی کبھی اسٹیج بنوا کر ڈرامے بھی اسٹیج کروائے جاتے تھے ۱۹۰۴ء میں مرزا نظیر بیگ نظیر اکبرآبادی جھالا واڑ پہنچ چکے تھے۔جو اردو کے کلاسیکی ناٹک لکھا کرتے تھے۔وہ خود ایکٹر تھے اور ناٹک نگار بھی۔انہوں نے ''طلسم پتلی'' کے نام سے جھالا واڑ میں ایک ناٹک لکھا تھا جو جھالا واڑ ہی میں چھپا تھا اور اسٹیج بھی ہوا تھا۔وہ جھالا واڑ کے محل میں عارضی اسٹیج بنا کر ناٹک پیش کیا کرتے تھے۔[۱] ۱۹۲۱ء میں مہاراجہ موصوف نے گڑھ پیلیس کے پچھلے حصے میں ''بھوانی ناٹیہ شالہ'' بنوائی جو پارسی اوپیرہ ڈزائن کی ہندوستان میں واحد مثال مانی جاتی ہے۔اس کی نظامت کی ذمہ داری منشی عزیز الرحمٰن عزیزؔ کو سونپی گئی۔اس ناٹیہ شالہ میں ۱۶/جولائی ۱۹۲۱ء کو جو پہلا ڈرامہ پیش کیا گیا وہ مہاکوی کالی داس کا ناٹک ابھگیان شکن تلم تھا اور آخری ناٹک ''دیش کی آواز'' ۱۹۵۰ء میں پیش کیا گیا [۲] کلاسیکی ناٹکوں سے قطع نظر مہاراجا کے ایماں پر شیکسپیر کے ڈراموں کے اردو ترجمے بھی کئے گئے۔مہاراجا کی جانب سے ترجمہ کرنے والوں کو ۵۰۰ روپیہ فی ڈرامہ انعام بھی دیا گیا۔چنانچہ پنڈت پرشوتم لال سوریہ دوج شادؔ نے شیکسپیر کے جن ڈراموں کے اردو ترجمے کئے ان کے نام ہیں: [۳]

1. Mid Summer Night Dream 2. Julius Caeser

3. King Learr 4. Merchant of Venice 5. Macbeth

مذکورہ بالا ڈراموں کا ذکر ڈاکٹر عثمانی نے اپنے تحقیقی مقالے میں کیا ہے اور اسی کے ساتھ پرشوتم لال سوریہ

---

[۱] [۳] راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر حضرات کی خدمات مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ دہلی ۱۹۸۵ء ص ۲۴۴

دوج شادؔ کی تصانیف وتراجم کے نام یہ ہیں: اقبال ٹھک، چھ عورتیں، دو گھڑی کی دل لگی، تاریخ میکسکو، سامدرک Practical Hydrolics، میری پرائس، لیلہ ڈزلہ، بالک بھلاؤنی، رائے گووردھن لال۔

پنڈت پرشوتم لال سوریہ دوج شادؔ کے حالات اوران کی تصانیف اورتراجم کودیکھ کر یہ اندازہ لگانہ مشکل نہیں کہ جھالاواڑ میں دیگرشعراء وادبا کے علاوہ شادؔ جیسا ادیب بھی موجود تھا۔ان حضرات کی موجودگی کے باعث جھالاواڑ میں اردو کی گنگا جمنی تہذیب کو بڑا فروغ حاصل ہوااور یہ بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس بےتعصب والی ریاست کی سرپرستی میں ہندو ومسلم ادیبوں اورشاعروں نے جھالاواڑکوشعروادب کا گہوارہ بنادیا تھا۔

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے دورِحکومت میں جھالاواڑ میں اردوادب کے فروغ پر مولانا حالؔی، مولانا ذکاء اللہ چودھری، خوشی محمد خاں ناظؔر ویز رلدّ اخ وغیرہ نے مہاراجہ موصوف کی ادب دوستی، ادب نوازی، اورشعروادب کی سرپرستی کے سلسلے میں اپنے خطوط میں تعریف لکھی ہے۔[1]

اس عہد میں جھالاواڑ میں اردوزبان وادب نہ صرف ترقی وترویج کی راہ پر گامزن تھا۔ بلکہ یہاں کے معاشروں میں تعلیم اورتہذیب وتمدن پر بھی بہت غوروتوجہ کی گئی ہے۔ بقول پروفیسر پریم شنکر شریواستو''اس وقت کے اعدادوشمار بتاتے ہیں کہ لٹریسی پرسینٹیج کے لحاظ سے جھالاواڑکو پورے راجستھان میں برتری حاصل تھی۔ عام طرزِگفتگو، اخلاقی تہذیب وتکلفات اور پاس آداب نشست وبرخاست کی بناء پرلوگ جھالاواڑکو''راجستھان کا لکھنؤ'' کہا کرتے تھے۔عدالت کی زبان اردوتھی۔اسکولوں میں اردومیڈیم کے ذریعہ اختیاری مضامین پڑھنے پڑھانے کی سہولت مہیا تھی'' [2]

مہاراجہ موصوف کواردوزبان سے اس قدر محبت تھی کہ آپ تاحیات اس کے فروغ اورتحفظ کے لئے کوشاں رہے۔ ۱۹۰۶ء سے قبل ریاست جھالاواڑ کی سرکاری زبان اردوتھی لیکن بیرونی پروپیگنڈے سے مجبور ہوکر مہاراجہ موصوف نے ۱۹۰۶ء میں اردورسم الخط کے بجائے دیوناگری رسم الخط کے اجرا کا حکم دے دیااور ساتھ ہی یہ احکام

---

[1] جائزہ زبان اردومرتبہ مولوی عبدالحق، ناشرانجمن ترقی اردودہلی ۱۹۴۰ء ص ۹۰

[2] جرنل جلد ۷، مرتبہ صاحب زادہ شوکت علی خاں مطبوعہ A.P.R.I ٹونک، شمارہ اول بابت سال ۱۹۸۹ء ص ۱۰۹

بھی جاری کردئے کہ رسم الخط سے قطع نظر ہندی اور سنسکرت کے نامانوس اور ادق الفاظ سرکاری مراسلتوں میں نہ لائے جائیں۔[1]

مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے بعد ان کے صاحبزادے اور جانشین مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ ۱۹۲۹ء میں گدی نشین ہوئے۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح علم دوست اور ادب نواز تھے۔ خود صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ مخمورؔ آپ کا تخلص تھا، آپ کا دیوان ''دیوان مخمور'' محل کے ادبی خزینے میں محفوظ ہے۔ اس دیوان کے علاوہ جھالا واڑ محل کے ادبی خزینے میں مہاراجرانا بھوانی سنگھ اور مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کے عہد کے علمی و ادبی سرگرمیوں کے رکارڈ بھی موجود ہیں۔ اس میں ایسے دستاویز بھی ہیں جن کی زبان اور رسم الخط اردو ہے۔ اور ایسا رکارڈ بھی ہے جس کی زبان و رسم الخط دیونا گری ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ریاست جھالا واڑ کا یہ ادبی زخیرہ جو شاہی محل میں محفوظ ہے، اس پر ابھی تک صحیح معنیٰ میں کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کہیں کہیں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ اور دیگر حضرات کے حوالے سے کچھ اشارے ملتے رہے۔ راقمہ نے بھی اس سلسلے میں کچھ کوشش کی ہے جس سے یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ ریاست جھالا واڑ کا ایک بڑا ادبی رکارڈ ریاست کے شاہی محل کے کتب خانے میں آج بھی محفوظ ہے اور شاہی خاندان کے افراد کے تعاون سے ہی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ حضرات عام طور پر جھالا واڑ سے باہر رہتے ہیں لہٰذا ان کی جھالا واڑ میں موجودگی کے بغیر اس رکارڈ پر تحقیقی کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ بہرحال میں کوشاں ہوں کہ کسی صورت سے وہ رکارڈ منظرِ عام پر آئے۔ مجھے یقین ہے کہ آخری زمانے کے رکارڈ میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ سے متعلق مزید معلومات حاصل ہو سکے گی۔

مہاراجرانا راراجیند رسنگھ مخمورؔ کا عہد حکومت ۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۳ء تک قائم رہا۔ ۱۴/سال کے اس عرصے میں انہوں نے اپنے والد کی ادبی روایات کو جاری رکھا اور اپنے والد کے زمانے کے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ انہیں کے زمانے میں ''تذکرہ شعرائے جھالا واڑ'' مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی اگرچہ وہ تذکرہ مکمل نہ ہو سکا لیکن اس کے لئے کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔ اس بارے میں جھالا واڑ کے بزرگوں سے یہ معلوم

---

[1] مضمون ''راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ''، مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ اردو ادب شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء ص ۹۴

ہوا کہ ''تذکرہ شعرائے جھالا واڑ'' کا ایک مسودہ غالباً مہاراجہ کے محل میں محفوظ ہے۔ مہاراجہ موصوف نے نیرنگؔ کاکوروی کا دیوان ''دیوان نیرنگ'' چھپوایا۔ جوان کے والد کے زمانے میں نہیں چھپ سکا تھا۔ یہ دیوان ۱۹۲۹ء میں نیر پریس لکھنو سے طبع ہوا۔ ۱

مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ نے ایک بزمِ ادب ''انجمن راجیند ر'' کے نام سے قائم کی جس کے زیر اہتمام ماہانہ طرحی مشاعرے پابندی کے ساتھ ہوتے تھے اور مشاعرے کے لئے مصرعہ طرح خود مہاراجہ مخمورؔ تجویز کرتے تھے اور مشاعرے میں خود اپنی طرحی غزل بھی پیش کرتے تھے اور پابندی سے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ ۱ آپ کو اس بزم سے اسقدر دلچسپی تھی کہ جب آپ اپنی اہلیہ کے علاج کے لئے ولایت گئے تو وہاں سے بھی طرحی غزلیں بھیجتے رہے۔ آپ شعراء کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ جب کیفؔ ٹونکی علیل ہوکر اپنے وطن لوٹ گئے تو انہیں علاج کے لئے آپ خود جھالا واڑ لے کر آئے ۲

جائزہ زبان اردو کے سفیر سید ظہور ہاشمی والیٔ ریاست جھالا واڑ مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کی شخصیت اور اردو زبان وادب کے فروغ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ بقول مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ ''نومبر ۱۹۳۸ء میں ریاست حیدرآباد دکن کی طرف سے سید ظہور ہاشمی سفیر ''جائزہ زبان اردو'' سینٹرل انڈیا اور راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں دورہ کرتے ہوئے جھالا واڑ میں آئے تھے۔ ان کا مقصد یہ دیکھنا تھا کہ ریاستوں میں زبان اردو ترقی کر رہی رہے یا سینٹرل میں۔ اسی سلسلے میں ایک غیر طرحی مشاعرہ ہوا۔ مشاعرہ کے بعد اپنی شکریہ کی اسپیچ میں انہوں نے کہا کہ مجھکو شری جی حضور یعنی مہاراج راجیند رسنگھ مخمورؔ کی غزل سنکر نہایت تعجب ہوا اور میں بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ یہاں کی زبان یعنی جھالا واڑ کی زبان خلافِ نہاس دیگر ریاستوں کے سینٹرل انڈیا کے مقابلے میں نہایت ادبی ہے۔ مجھکو حیرت ہوتی ہے کہ یہاں کے شعراء نے اسقدر تھوڑے عرصہ میں ریاست بیدار یعنی جھالا واڑ کی زبان کو مجلہ کر کے

---

۱ ، ۳ راجستھان میں اردو زبان و ادب کے غیر مسلم حضرات کی خدمات، مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی، ۱۹۸۵ء ص ۲۴۵

۲ مقالہ یادگار شفیقؔ از مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیقؔ غیر مطبوعہ (یہ مقالہ جشن شفیقؔ ۱۹/اپریل ۱۹۸۱ء کے موقع پر پڑھا گیا)

کہاں سے کہاں پہنچادیا'' ۱

مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کے زمانے میں نیرنگؔ کاکوروی اور کیفؔ ٹونکی جیسے اساتذۂ سخن جھالاواڑ میں موجود تھے۔ جن کے شاگردوں کے باعث جھالاواڑ میں شعروسخن کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں۔ اور خود مہاراجہ کی دلچسپی کے باعث راجستھان کی تشکیل سے پہلے تک جھالاواڑ شعروسخن کا ایک مرکز بنا رہا۔ مہاراجرانا راجیند سنگھ مخمورؔ کے انتقال (۱۹۴۳ء) کے بعد راجستھان کی دوسری ریاستوں کی طرح جھالاواڑ کے سیاسی حالات بھی تیزی سے بدلنے لگے۔ اردو مخالفت کی آندھی جھالاواڑ تک پہنچ گئی اور دوسری ریاستوں کی طرح جھالاواڑ میں بھی اردو کی حیثیت باقی نہ رہی۔

مہاراجرانہ راجیند سنگھ مخمورؔ جیسے ادب نواز حکمراں کے بیٹے اور مہاراجرانا بھوانی سنگھ جیسے ادب پرور والیٔ ریاست کے پوتے مہاراجرانا ہریش چندر نے اگر چہ اپنے والد مہاراجرانہ راجیند سنگھ مخمورؔ کا دیوان مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ سے مرتب کروالیا تھا مگر اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ اور ۳۰؍مارچ ۱۹۴۹ء کو راجستھان کی تشکیل کے بعد جھالاواڑ میں بھی اردو زبان کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوگیا۔ راجستھان میں جھالاواڑ کے شامل ہونے کے بعد جھالاواڑ کی ریاستی حکومت ختم ہوگئی اور وہاں کے حکمراں کا پریوی پرس مقرر ہوگیا۔ ریاستی ذمہ داریوں سے مہاراجہ کو آزادی تو مل گئی لیکن ماحول کی مجبوری اور سیاسی مصلحت کی بناء پر مہاراج رانا ہریش چندر اپنے بزرگوں کی شعری وادبی روایات کی پاسداری نہیں کرسکے۔ آپ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۹ء تک بااختیار رئیس رہے مگر ان کے محل کی ادبی سرگرمیاں باقی نہ رہ سکیں۔ ریاستی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی ریاست کی جیل پریس بھی ختم کردی گئی۔

سرکاری طور پر مشاعروں کا رواج ختم ہوگیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذاتی طور پر مشاعروں کا سلسلہ یہاں قائم رہا۔ بہاریہ مشاعروں کے علاوہ شعراء نعتیہ مشاعرے بھی اپنے طور پر کیا کرتے تھے۔ مذہبی تقریبات میں ایسے

۱ مضمون ''مخمورؔ'' مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی غیر مطبوعہ ص ۳، (شفیقؔ صاحب کی کالی ڈائری میں جس پر ۱۹۶۷ء درج ہے میں موجود ہے)

مشاعرے یہاں کے معززین کے یہاں اکثر منعقد ہوتے تھے جناب مفتونؔ کوٹوی نے ۲۷؍جون ۱۹۴۶ء کو منشی عزیز الرحمٰن عزیزؔ جھالاواڑی کے دولت خانے پر منعقد ہوئے نعتیہ مشاعرے کی روداد بعنوان ''جھالاواڑ کا ایک نعتیہ مشاعرہ'' تحریر کی ہے۔ جو رسالہ رہنمائے تعلیم دہلی سے اکتوبر ۱۹۷۳ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اس مشاعرے کے لئے مصرعہ طرح تھا ''اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج'' یہ مشاعرہ بہت ہی کامیاب ہوا تھا۔ اس کے متعلق مفتونؔ صاحب لکھتے ہیں ''میں آج سے پچیس سال قبل کے ایک نعتیہ مشاعرہ کا ذکر آج کی صحبت میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اس وقت کے شعراء سے ملاقات وتعارف کا سلسلہ ہاتھ آ سکے۔ نعتیہ مشاعروں کا چلن یہاں آج تک قائم ہے۔ میں نے زیادہ تر نعتیں جھالاواڑ قیام کے دوران ہی لکھیں''۔ ۱

۱۹۶۴ء میں راجرانا ہریش چندر کے انتقال کے بعد کوئی نام کا بھی رئیس نہ رہا اور جھالاواڑ کا بڑا علمی وادبی سرمایہ محل کے محفوظ کمروں میں مقفل ہو کر رہ گیا۔ البتہ جھالاواڑ کی شعر وادبی روایات کو چند بزرگ شعراء کے علاوہ ان کے شاگردوں نے خاص طور پر مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ نے قائم رکھا۔ جو ان کی حیات تک جاری رہا۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں نیرنگؔ کاکوروی کے شاگردوں نے اپنے استاد کے نام پر ''بزم نیرنگ'' قائم کی۔ جس کے تحت جھالاواڑ میں مشاعروں کی تقریبات بدستور جاری رہیں۔ آزادی کے بعد ہونے والے ان مشاعروں کی نوعیت بیشتر نعتیہ تھی۔ یہاں کی چند معتبر ومعزز شخصیات مثلاً منشی عزیز الرحمٰن عزیزؔ جھالاواڑی، جلیل خان جلیلؔ، مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی کے دولت خانوں پر مشاعروں کا اہتمام بدستور ہوتا رہا۔ یہ مشاعرے ماہانہ یا ہفتہ وار ہوا کرتے تھے ۔ ۲

ان مشاعروں کی صدارت اور سرپرستی کا ذمہ مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ کے سر تھا۔ آزادی کے بعد سے ۱۹۸۰ء تک جو مشاعرے ہوئے وہ سب مقامی سطح کے تھے لیکن حقیقت میں جھالاواڑی کی

---

۱ جھالاوڑ کا ایک نعتیہ مشاعرہ مضمون نگار مفتونؔ کوٹوی مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی اکتوبر ۱۹۷۳ء ص ۲۴،۲۵ (یہ مضمون مفتونؔ صاحب کی نثری نگارشات کا مجموعہ 'عروج خیال' میں موجود ہے۔

۲ مولانا عبدالوحید خیاطؔ اور مظفر حسین مظفرؔ صاحب سے دریافت ہوا)

ادبی سرگرمیوں میں ان کا اہم حصہ ہے۔ مفتوںؔ کوٹوی مرحوم نے جھالا واڑ میں ۱۹۷۱ء میں ہوئے ایک مشاعرے کی رودادبعنوان ''بزم نیرنگؔ جھالا واڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگؔ'' تحریر کی ہے۔ یہ اگست ۱۹۷۴ء میں رسالہ رہنمائے تعلیم دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ مشاعرہ طرحی بھی تھا اور غیر طرحی بھی۔ ۸/اپریل ۱۹۷۱ء کو ہوئے اس مشاعرے کی صدارت مولوی سید حبیب اللہ شاہ حبیبؔ اکبرآبادی نے کی۔ مشاعرے میں جن شعراء نے کلام پیش کیا ان کے مختصر حالات مع نمونۂ کلام (چند اشعار) مضمون میں درج ہیں۔[۱] اس کے بعد جھالا واڑ میں تین کل ہند مشاعرے ہوئے۔ پہلا کل ہند مشاعرہ 'بزم نیرنگ' کے تحت ۱۹/اپریل ۱۹۸۱ء میں ہوا اور موقع تھا مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی کتاب ''انتخاب کلام شفیقؔ'' کی رسم اجراء کا۔ حالاں کہ اس کا اجراء جے پور میں پروفیسر جگناتھ آزاد اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کی موجودگی میں ۸/جنوری ۱۹۸۱ء کو ہو چکا تھا لیکن تلامذۂ شفیق نے بڑے پیمانے پر جھالا واڑ میں بھی اسکا اجراء اور کل ہند مشاعرہ منعقد کیا۔[۲] اس خوشی و مسرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ''انتخاب کلام شفیقؔ'' راجستھان اردو اکادمی کی جانب سے شائع ہونے والی پہلی کتاب تھی۔ اس کل ہند مشاعرہ کا دعوت نامہ راقمہ کے پیش نظر ہے۔ مشاعرے میں ملک کے مشہور و معروف شعراء و ادباء نے شرکت کی اور اپنے مقالات و مضامین اور کلام کے ذریعہ شفیقؔ صاحب کی شخصیت اور شعری و ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔

شفیقؔ صاحب کے انتقال (۲/فروری ۱۹۸۷ء) کے بعد آپ کی یاد میں قومی یکجہتی کے تحت بزم نیرنگ کے زیر اہتمام ۲۵/اپریل ۱۹۸۷ء کو آل انڈیا مشاعرہ اور کوی سمیلن کا پروگرام ''یادگارِ شفیقؔ'' کے نام سے منعقد ہوا جس میں ملک کے معروف شعراء ہوشؔ نعمانی، بسملؔ نقشبندی، امینؔ نشاطی، عشرتؔ دھولپوری وغیرہ نے شرکت کی۔ اسی طرح شفیقؔ صاحب کی پہلی برسی کے موقع پر ۲/فروری ۱۹۸۸ء کو جھالا واڑ نگر پالک ہال میں کل ہند مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جس کا اہتمام ''بزم ادب'' جھالا واڑ نے کیا۔ اس موقع پر متعدد شعراء نے شمولیت کی۔ جن میں اہم نام ہیں: پدم شری جناب بیکلؔ اتساہی، ہوشؔ نعمانی، آفتابؔ لکھنوی، خدادا مونسؔ، امتیازؔ جے پوری وغیرہ۔ درج بالا

---

۱ مضمون ''بزم نیرنگؔ جھالا واڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ'' قسط اول مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی اگست ۱۹۷۴ء ص ۱۳، ۱۴

۲ اخبار دینک نوجیوتی ۹/جنوری ۱۹۸۱ء کوٹہ (راجستھان)

دونوں مشاعروں کے دعوت نامے راقمہ کے پیش نظر ہیں۔ مولوی عبد السلام بیگ شفیق کے انتقال کے بعد ۱۹۸۷ء میں بزم شفیق قائم کی گئی۔ بزم نیرنگ اور بزم شفیق کے تحت ہوئے مشاعروں اور ادبی نشستوں نے تشکیل راجستھان کے بعد جھالاواڑ میں شعر وادب کو تقویت پہنچائی۔

جھالاواڑ میں مشاعروں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے لیکن ان کی نوعیت نعتیہ اور منقبتی ہے۔ اشاعت کا سلسلہ بھی یہاں قائم ہے۔ مولوی عبد السلام بیگ شفیق کے کلام کا انتخاب ''انتخاب کلام شفیق'' ۱۹۸۰ء میں راجستھان اردو اکادمی نے اپنی پہلی اشاعت کے طور پر شائع کیا۔ اس کے بعد ۲۰۰۲ء میں ''ہاڑوتی کے اردو شاعر'' المعروف گلہائے رنگارنگ مرتبہ راحت گولیاری شائع ہوئی جو خطۂ ہاڑوتی کے تمام نمائندہ شعراء کے مختصر تعارف اور کلام پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں ہے۔ محترمہ کمل شبنم کپور کے کلام کا مجموعہ ''بند دروازوں پر دستک'' ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ گلہائے عقیدت'' مصنفہ الحاج عبدالرحمٰن خلیق جو دیوناگری رسم الخط میں ہے شائع ہو چکی ہے۔ جس میں نعت، منقبت اور سلام ہیں۔ نعت و منقبت پر مشتمل امین الدین امین عباسی کی شعری تخلیق سحابِ کرم ۲۰۱۱ء میں طبع ہوئی اور مظفر حسین مظفر صاحب کی ''گلدستۂ نعت و منقبت'' اشاعتی مرحلے سے گزر رہی ہے۔

درج بالا کتب کے علاوہ جھالاواڑ کے اردو شعر وادب پر برائے سند ایم۔فل۔ کے لئے تحقیقی مقالے تحریر کئے جا چکے ہیں۔ جھالاواڑ کی نعت گوئی پر محمد عمران نے ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء میں ادے پور یونیورسٹی کو اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ ۲۰۰۹ء میں راقمہ نے بھی ایم۔فل۔ کے لئے تحقیقی مقالہ ''راجستھان کا نامور نظم گو شاعر ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانش'' تحریر کیا ہے اور کوٹہ یونیورسٹی کوٹہ سے سند حاصل کی۔ اسی سال ناز پروین نے بھی ''کمل شبنم: حیات اور شعری خدمات'' برائے ایم فل مقالہ تحریر کیا۔ تحقیق و تدوین کے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے راقمہ نے جھالاواڑ کی مایۂ ناز ادبی شخصیت شفیق جھالاواڑی کو اپنے پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالے کے لئے منتخب کیا ہے۔

جھالاواڑ کے شعر وادب پر مقامی حضرات کی تصنیفات کے بعد دیگر حضرات کی کتب اور مضامین پر ایک

نظر ڈالنی ضروری ہے جنھوں نے جھالاواڑ کے شعری وادبی ماحول کا تذکرہ اپنی تصانیف میں کیا اور اسے حیاتِ جاودانی عطا کی۔ آزادئ ملک کے بعد کے شعراء کا حال اور مختصر کلام کا تذکرہ پروفیسر پریم شنکر شریواستو نے اپنی تالیف ''راجستھان کے موجودہ اردو شاعر'' میں کیا جسے ۱۹۶۶ء میں راجستھان ساہتیہ اکادمی نے ہندی رسم الخط میں شائع کیا۔ اس کتاب میں جھالاواڑ کے جن شعراء کو شامل کیا گیا ہے ان کے اسم گرامی ہیں: مرزا رفیق بیگ تسلیم، مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، منشی ظہور الدین ظہورؔ، عبدالخالق صاحب ساجدؔ، محمد مسیح اللہ بیگ مسیحؔ، منشی عزیز الرحمٰن قریشی عزیزؔ وغیرہ۔ جھالاواڑ کے شعراء کو پہلی بار اس کتاب میں نمایاں حیثیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور مصنف کی کارکردگی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ رقم طراز ہیں

''راجستھان کے موجودہ اردو شاعر کی تالیف میں آپ نے جس حسن ترتیب کا ثبوت دیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ گویا آپ نے موجودہ شعراء راجستھان کو وہ آب حیات پلا دیا جس سے سکندر بھی محروم رہا۔ آپ کی کوشش وکاوش سے ایسا نیک کام ہو گیا کہ زمانہ کی ہزاروں کروٹیں اس کو مٹا نہیں سکتیں۔ جتنا علم ترقی کرتا جائے گا آپ کی تالیف کی قدر و قیمت بڑھتی جائیگی۔۔۔۔۔شعرائے جھالاواڑ کو آپ کے کلک گہر پاش نے جس طرح صفحۂ قرطاس پر پیش کیا اس سے آپ کی وطن دوستی (آپ کے بزرگوں کی جنم بھومی پر بسنے والے شعراء سے آپ کیا ذاتی خصوصیت رکھتے ہیں) کا پتہ چلتا ہے''۔۔[1]

اس کے بعد ''دامانِ باغباں'' مرتبہ شری پریم سنگھ کمار پریمؔ کا مشور دیال حزیںؔ، عارفؔ نقشبندی میں محکمۂ تعلیم کے ملازم شعراء کے حالات اور نمونۂ کلام درج ہیں۔ اس کتاب میں جھالاواڑ سے مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے حالات اور کلام کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۸ء میں کونین پرنٹنگ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔

تشکیل راجستھان سے قبل ریاست جھالاواڑ کی ادبی خدمات کا تذکرہ جناب ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے اپنے تحقیقی مقالے ''راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' میں کیا ہے جو ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ حالانکہ یہ کتاب غیر مسلم شعراء کے حالات اور کلام تک ہی محدود ہے۔ تاہم جھالاواڑ کی

---

[1] خط از مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بنام پروفیسر پریم شنکر شریواستو، تاریخ تحریر ۳؍ستمبر ۱۹۶۶ء ص ۲

ادبی تاریخ کو متعین کرنے میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ ''تخلیقات'' مرتبہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی جو روداد سیمنار مع مقالات ''راجستھان کے برگزیدہ ادیب و شاعر'' (منعقدہ ۲۸، ۲۹ مارچ ۱۹۸۷ء زیر اہتمام راجستھان اردو اکادمی جے پور) پر مشتمل ہے۔ اور جس میں پروفیسر پریم شنکر شریواستو صاحب کا مقالہ ''ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانشؔ'' موجود ہے۔ اس مقالے میں دانشؔ جھالاواڑی کی ادبی شخصیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی عبدالحئی صاحب کی تصنیف ''راجستھان کے غزل گو شعراء ایک تعارف'' میں جھالاواڑ سے صرف جناب راحتؔ گوالیاری کو ہی شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر قمر جہاں کی تصنیف ''راجستھان میں اردو نثر کی ایک صدی ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک'' میں جھالاواڑ کی ادبی تاریخ اور نثر نگاروں کا تذکرہ موجود ہے۔

مذکورہ بالا تصنیفات و تالیفات کے علاوہ جھالاواڑ کی شعری و ادبی روایت پر مضامین بھی تحریر کئے جاتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ارشد سراج صاحب لیکچرر شعبۂ اردو ایس۔ کے۔ گورنمینٹ کالج سیکر نے بھی کافی کام کیا ہے۔ ان کے مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جھالاواڑ کی ادبی تاریخ اور شعراء کو جس ادیب نے خصوصیت کے ساتھ اپنے مضامین کی زینت بنایا وہ اہم شخصیت حضرت غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی کی ہے۔ آپ کے تحریر کردہ مضامین کی تعداد ۱۴ ہے۔ یہ تعداد اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام مضامین ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۵ء کے درمیان ملک کے نامور رسائل مثلاً رہنمائے تعلیم دہلی، شان ہند دہلی، فروغ اردو لکھنو، اردو ادب، نیا دور لکھنو، لطافت جھنجھنو وغیرہ سے شائع ہوئے۔ مفتوںؔ صاحب ملازمت کے سلسلے میں ٹرانسفر ہو کر جھالاواڑ آئے تھے اور تقریباً مقامی شمار کئے جاتے تھے۔ آپ نے جھالاواڑ کے ادب پر جو گرانقدر احسانات کئے ہیں اس کے تذکرے میں قلم عاجز ہے۔ مفتوںؔ صاحب کے تحریر کردہ مضامین کے عنوان یہ ہیں: بزم نیرنگؔ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یومِ نیرنگ، کلام شفیقؔ جھالاواڑی ایک تاثر، جھالاواڑ کا ایک نعتیہ مشاعرہ، راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ، مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی، ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی (افسوس جناب عزیزؔ جھالاواڑی) رسالہ آفتاب جھالاواڑ، رسالہ جنگ یورپ جھالاواڑ، شاعری کی کایا پلٹ، راجیندر سنگھ والیٔ جھالاواڑ کی اردو شاعری، راجرانا راجیندر سنگھ مخمورؔ والیٔ ریاست

جھالاواڑ، راجہ بھوانی سنگھ کی اردو خدمات، جواہر بے بہا، غزلیات دانش وغیرہ۔

مفتوںؔ صاحب کے ان گرانقدر مضامین کے علاوہ مقامی حضرات نے بھی جھالاواڑ کے ادبی ماحول پر مضامین تحریر کئے ہیں۔ ان میں جناب راحتؔ گوالیاری کے مضامین ''جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر'' اور ''جھالاواڑ کا ادبی ماحول'' محترمہ کمل شبنمؔ کپور کا ''جھالاواڑ کے اردو ساہتیہ کار'' وغیرہ اہم ہیں۔ یہ تمام مضامین جھالاواڑ کی ادبی تاریخ میں کنہیں گہر پاروں سے کم نہیں۔ یہ مضامین راقمہ کو اپنے تحقیقی مقالے کے لئے مواد کی فراہمی کا اہم ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا تصانیف و تالیفات اور مضامین و مقالات کے ذریعہ جھالاواڑ کی شعری و ادبی فضا پر اتنا کچھ لکھا جانے کے باوجود مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی مرحوم جو کہ جھالاواڑ کے اہم اور ہر دل عزیز شاعر ہیں، جنہوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، پر اب تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ محض دو تین کتابوں کے چند اقتباسات یا مضامین کے چند صفحات شفیقؔ صاحب کی مایۂ ناز شخصیت اور شعری و ادبی خدمات کا احاطہ کرنے کے لئے کافی نہیں اس کے لئے تو کم از کم ایک ضخیم کتاب ہی درکار ہوگی لہٰذا آپ کی بے لوث ادبی خدمات کو منظرِ عام پر لانے کی غرض سے راقمہ نے اپنے تحقیقی مقالے کے لئے ’مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی کی حیات اور شعری و ادبی خدمات'' کا انتخاب کیا ہے۔

باب دوم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ

کی سوانح حیات اور شخصیت

باب دوم
مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ
کی سوانح حیات اور شخصیت

۱. شفیقؔ صاحب کا نسبی اور ادبی پس منظر

۲. ولادت

۳. تعلیم وتربیت

۴. ذریعۂ معاش اور دیگر امتحانات

۵. شوقِ شاعری اور مشورۂ سخن

۶. مشاعروں میں شرکت اور ادبی ذمہ داریاں

۷. شفیق صاحب کی شخصیت

۸. مشاہیرِ ادب کی آراء

باب دوم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی سوانح حیات اور شخصیت

یوں تو دنیا میں انگنت لوگ پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں مگر کچھ ہی ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جن کے کسی نہ کسی اچھے کام کی وجہ سے ان کا نام دنیا میں قائم رہتا ہے اور لوگ اچھے خیالات کے ساتھ ان کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ بقول شیخ سعدیؔ ؎

بس نامور بزیر زمین دفن کردہ اند
کز ہتیش بر دئے زمیں یک نشاں نماند

زندہ است نام نیک نوشیرواں بعدل
گرچہ بے گزشت کہ نوشیرواں نہ ماند

نوشیرواں کا نام تو عدل وانصاف کی وجہ سے زندہ ہے لیکن بہت سے ایسے انسان ہوئے ہیں جنہوں نے زندگی کے میدان میں ایسے ایسے کارنامے انجام دئے جو یادگار بن گئے اور ایسے خوش قسمت کم ہوتے ہیں جن کا نام اس طرح قائم رہتا ہے بقول مرزا غالبؔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

اردوادب کی سرزمین پر ایسے ہی لالہ وگل میں ایک نام مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا ہمارے سامنے آتا ہے جو راجستھان کے ایک ضلع جھالاواڑ میں پیدا ہوئے تھے اور جنہوں نے اردو کے میدان سخن میں اپنی شاعری کے گل بوٹے کھلائے تھے۔

جھالاواڑ راجستھان کی ایک قدیم ریاست کی راجدھانی تھا۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا مگر اس دوَر میں جب دہلی اور لکھنؤ جیسے بڑے بڑے ادبی اسکولوں کی گونج تھی۔ راجستھان کے چھوٹے چھوٹے ادبی مرکزوں میں جے پور، ٹونک، الور، جودھپور، اجمیر وغیرہ کے علاوہ جھالاواڑ جیسا ایک اہم شعری وادبی مرکز بھی تھا۔ جہاں

ریاست کے حکمراں نے اپنے دربار کے ایک شاعر کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا تھا۔ اس زمانے میں جب اس خطاب کو عطا کرنے والے بادشاہانِ وقت اور والیانِ حکومت نظر نہیں آتے تھے جھالاواڑ کے رئیس نے اپنے شاعر کو نہ صرف اس خطاب سے نوازا تھا بلکہ شعوری طور پر اپنی ریاست کی راجدھانی جھالاواڑ کو شعر و ادب کا ایک مرکز بنا دیا تھا۔ جہاں نہ صرف اردو شاعری بلکہ اردو نثر پر بھی اس زمانے میں توجہ کی جانے لگی تھی یہاں کی ادبی فضا اور تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر جناب پریم شنکر شریواستو صاحب نے میں جھالاواڑ کو ''راجستھان کا لکھنؤ'' لکھا ہے۔ [1]

مہاراجرانا بھوانی سنگھ اور مہاراجرانا راجیند ر سنگھ مخمورؔ کی ادب نوازی اور علم دوستی اور نیرنگؔ کاکوروی تلمیذ محسنؔ کاکوروی، آغا شاعر قزلباش تلمیذ داغؔ دہلوی، ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانشؔ اور کیفؔ ٹونکی کی بدولت جھالاواڑ علم و داب کا گہوارا بنا ہوا تھا لیکن راجرانا راجیند ر سنگھ مخمورؔ اور نیرنگؔ کاکوروی کے انتقال کے بعد جب راجستھان بنا (۳۰ مارچ ۱۹۴۹) تو ادبی ہلچل نہ کے برابر رہ گئی تھی۔ تشکیلِ راجستھان کے بعد جھالاواڑ میں جن شعراء نے اردو شعر و ادب کی خدمت کی اور اس کے فروغ و ترویج میں نمایاں حصہ لیا ان میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کی شخصیت اور ادبی خدمات کی امٹ چھاپ پوری ۲۰ ویں صدی پر نمایاں ہے۔ آپ نے نہ صرف جھالاواڑ کے ادبی ماحول کو سازگار بنایا بلکہ ہم عصر شعراء کو اردو زبان و ادب کی ترقی کی طرف متوجہ کیا اور شاعروں کی نئی پود (تلامذہ شفیقؔ) کو کاروانِ ادب میں شامل کیا۔ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی شخصیت اور ادبی خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی کے یہ الفاظ کسی سند سے کم نہیں۔ لکھتے ہیں ''مولانا شفیقؔ کی واحد شخصیت جھالاواڑ میں اردو کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے پر لانے کی کوشش کرتی ہوئی نظر آتی تھی ۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ جھالاواڑ کی اس دور کی ادبی تاریخ میں مولانا شفیقؔ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ موصوف نے جہاں درس و تدریس کے ذریعہ اردو کی تعلیم پر توجہ فرمائی وہاں اپنے احباب اور شاگردوں میں ذوقِ شعر و ادب کو ابھارا اور جھالاواڑ میں اردو کو قائم رکھا'' [2]

اس باب میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی حیات اور شخصیت کے ضروری اور اہم نکات کی تفصیلات کا

---

[1] جرنل جلد ۷، مرتبہ صاحب زادہ شوکت علی خاں مطبوعہ APRI ٹونک، شمارہ اول بابت سال ۱۹۸۹ء ص ۱۰۹

[2] جشن شفیقؔ ۱۹/اپریل ۱۹۸۱، کے موقع پر عثمانی صاحب نے مقالہ تحریر کیا اور اس مقالے سے چند سطور یہاں درج کئے گئے۔

تذکرہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ آپ کے نسبی اور ادبی پس منظر سے روشناس ہوں تاکہ شفیقؔ صاحب کی شخصیت اور ادبی حیثیت بخوبی واضح ہو سکے۔ یہاں ایک بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ میرے تحقیقی مقالہ کی SYNOPSIS میں شفیقؔ صاحب کے نام سے پہلے لفظ مولانا استعمال کیا گیا ہے مگر مواد کی تلاش و تحقیق کے دوران راقمہ کو محسوس ہوا کہ لفظ ''مولانا'' کے بجائے ''مولوی'' استعمال کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ جھالاواڑ میں آپ کو ''مولوی صاحب'' کے لقب سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔آپ کی زندگی کے حالات دیکھنے والے شعراء ادباء اور بہت سے دانشور حضرات آج بھی حیات ہیں۔ان میں سے بعض شعراء کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔راقمہ نے ان حضرات کے انٹرویو لے کر شفیقؔ محترم سے متعلق انکی ذاتی معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے اس باب میں موصوف کی شخصیت کی ایک واضح تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

شفیقؔ صاحب کا نسبی اور ادبی پس منظر:

شفیقؔ صاحب کے اسلاف کا آبائی وطن قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ، اتر پردیش تھا۔آپ صاحبِ زمین و جائداد تھے اور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔فنِ سپہ گری اور بالخصوص توپ اندازی میں مہارت تامہ رکھنے کی وجہ سے شاہی توپ خانے میں بابر بادشاہ کے زمانے سے فوجی عہدہ دار رہے۔دیوانِ اوّل ''نیرنگ سخن'' کے دیباچہ میں شفیقؔ صاحب اپنے جد بزرگوار اور ان کے عہد کے بارے میں لکھتے ہیں ''میرے اسلاف قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔پھپھوند کے متعلق بزرگوں سے سنا ہے کہ اس قصبہ میں اہل علم و فضل رہتے تھے۔یوپی، کے قصبات میں رہنے والے عموماً زمیندار ہوتے تھے۔اچھے خاندانوں میں علم مروجہ کو حاصل کرنا مایۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا۔چنانچہ میرے بزرگوار عربی فارسی میں کامل دستگاہ رکھنے والے تھے۔صاحبِ زمین و جائداد تھے۔چونکہ نسبتاً مغل تھے وہ فن سپہ گری کے بھی ماہر تھے۔میں نے اپنے والد ماجد مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ مرحوم کی زبانی سنا تھا کہ فنون سپہ گری اور بالخصوص فنِ توپ اندازی میں مہارت تامہ رکھنے کی وجہ سے شاہی فوج کے شعبۂ توپخانہ میں بابر بادشاہ کے زمانے سے فوجی عہدوں پر فائز رہے۔قصبہ پھپھوند میں زمین و باغات تھے اور مکان تھا بسلسلۂ ملازمت باہر رہنا پڑا۔اب وہ جائداد و باغات اور مکان سب ویران و برباد ہو گئے۔[1]''

[1] دیباچہ دیوان اول ''نیرنگ سخن''، مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۷،۸

سلطنت مغلیہ کے خاتمے کے بعد آپ کے جد بزرگوار کو مختلف ریاستوں کی ملازمت کرنی پڑی۔ شفیقؔ صاحب نے دیوان اول میں اپنے خاندان کا تذکرہ اپنے پردادا مرحوم جناب اکبر بیگ صاحب سے شروع کیا ہے۔، جناب اکبر بیگ صاحب نے انتزاع سلطنت مغلیہ کو دیکھ کر راجپوتانہ کا رخ کیا اور ریاست کوٹہ میں محکمۂ توپ خانہ میں میجر کے عہدے پر فائز ہوئے [۱] اس وقت کوٹہ میں بعہدہ مدارالمہام راجرانا ظالم سنگھ دوم تھے۔ جس وقت راجرانا مدن سنگھ نے ریاست کا بٹوارا چاہا اور اپنا حصہ لیکر ۱۸۳۸ء میں علیحدہ ریاست جھالا واڑ قائم کی۔ شفیقؔ صاحب کے پردادا مرزا اکبر بیگ مرحوم مع اپنے صاحبزادہ منیر بیگ اور بھائی غلام علی رئیس موصوف کے ہمراہ ہو گئے۔ [۲]

ریاست جھالا واڑ میں آباد ہونے کے ساتھ ہی شفیقؔ صاحب کے بزرگوار کا عہدۂ ملازمت بدستور قائم رہا۔ اس کے بعد وہ دوَر آیا کہ جب ہندوستانیوں نے انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بغاوت کردی۔ ۱۸۵۷ء کے اس غدر نے پورے ملک پر اثر ڈالا۔ ریاست جھالا واڑ بھی اس سے بچ نہ سکی۔ اس کے متعلق شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں کہ ''غدر برپا ہونے پر باغی فوج نے ریاست پر بھی حملہ کر دیا اور حملے کی مدافعت میں اکبر بیگ صاحب اور ان کے صاحب زادہ منیر بیگ صاحب میدان جنگ (جو آج بھی پریڈ گراؤنڈ کے نام سے مشہور ہے) میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔ غدر کے بعد رئیس پرتھوی سنگھ کو خیال آیا کہ میجر اکبر بیگ کے خاندان کا کوئی باقی بچا ہے چنانچہ غلام علی صاحب (اکبر بیگ صاحب کے بھائی) نے عرض کیا کہ ان کی بیوی اور ایک لڑکا جس کا نام ضمیر بیگ بعمر دس سال پھپھوند اپنے وطن میں ہیں۔ رئیس موصوف نے وسائل نقل و حمل بہ ہمراہ غلام علی صاحب بھیج کر پس ماندگان کو طلب کیا۔ [۳] شفیقؔ صاحب کے جد مکرم ضمیر بیگ صاحب کو جو اس وقت دس سال ہی کے تھے ان کے والد کی جگہ میجر مقرر کیا گیا اور جو مراعات خاندانی تھیں وہ بدستور جاری رکھیں جس کا سلسلہ مہاراجرانا ظالم سنگھ اور مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے

---

[۱] عروج خیال (مجموعہ مضامین) مصنفہ مفتوں کوٹوی مضمون ''مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالا واڑی'' غیر مطبوعہ ص-۵۹

[۲]، [۳] دیباچہ نیرنگ سخن، مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۱۰، ۹

ابتدائی دور تک چلتا رہا۔ مرزا ضمیر بیگ کی خردسالی تک غلام علی صاحب بطور اتالیق کام کرتے رہے ۱؎

شفیقؔ صاحب اپنے جد بزرگوار کی وفاداری اور جاں نثاری کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ریاست جھالاواڑ پر اکثر غیر تسلی بخش دوَر آتے رہے۔ مگر میرے دادا مرحوم اپنی وفادارانہ پالسی پر زمانے کے سرد گرم برداشت کرتے ہوئے قائم رہے، بوقت معزولی دربار ظالم سنگھ (دوم) ریاست کا حصہ دوبارہ کوٹہ میں شامل کر دیا گیا۔ بہت سے ممتاز حکام وخواص وعوام اور ملازمین کوٹہ منتقل ہوئے مگر دادا صاحب بدستور ریاست جھالاواڑ ہی سے منسلک رہے'' ۲؎

شفیقؔ صاحب کے خاندان کے تمام افراد عربی اور فارسی کے عالم وفاضل تھے۔ شعروشاعری کا ذوق وشوق بھی فطری تھا۔ آپ کے پردادا مرحوم مرزا اکبر بیگ صاحب فارسی داں اور شاعر تھے۔ بقول شفیقؔ صاحب ''میرے بچپن میں مجھے ایک دو خط فارسی کے لکھے ہوئے ملے تھے اور ایک نظم اردو میں ان کی لکھی ہوئی جو ایک بوسیدہ سے پرچے پر تھی۔ میرے والد صاحب مرحوم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہ تمہارے پردادا کے اشعار ہیں۔ افسوس کہ وہ نظم اس وقت مجھے نہیں ملی ورنہ میں اس کے چند اشعار یہاں ضرور پیش کرتا''۔ ۳؎

اکبر بیگ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے مرزا ضمیر بیگ ضمیرؔ ایک پاک باز، دین دار اور شعروشاعری کا ذوق رکھنے والے تھے۔ افسوس کہ ان کا کلام بھی باوجود تلاش کے شفیقؔ صاحب کو نہیں مل سکا ۴؎

میجر ضمیر بیگ صاحب مرحوم کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے لڑکے کا نام مرزا محمد صدیق بیگ تھا جن کا بعارضہ اوائل شباب میں انتقال ہو گیا۔ ضمیر بیگ صاحب کے دوسرے لڑکے شفیقؔ صاحب کے والد مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ تھے۔ جنکی تعلیم وتربیت والد بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی۔ مروجہ تعلیم کے حصول کے بعد فنون

۱، ۲؎ دیباچہ نیرنگ سخن، مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۹، ص-۱۰

۴؎ انتخاب کلام شفیقؔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۸۰، ص-۷

۳؎ ۱۹۶۴ء میں جودھپور میں منعقد ہوئے ''راجستھان اردو سمپوزیم اور کل ہند مشاعرہ'' کے لئے بعنوان ''راجستھان میں اردو ادب کے سو سال'' موضوع پر مقالے تحریر کروائے گئے تھے۔ شفیقؔ صاحب ذاتی مصروفیت کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکے، لیکن آپ نے مقالہ تحریر کیا تھا جو کہ غیر مطبوعہ ہے۔

سپہ گری میں ماہر ہوئے۔ باوجود اہل ہونے کے آپ کے والد نے کسی دوسرے محکمہ میں ملازم نہیں ہونے دیا۔ محض اس خیال سے کہ توپ خانہ کی میجری آپ کے خاندان کا پشتینی ورثہ ہے جو آپ کے بعد آپ کے لڑکے کو ملے گا۔ جوان بیٹے (محمد صدیق) کی بے وقت موت سے ضمیر بیگ صاحب کی طبیعت انتہائی افسردہ ہوچکی تھی۔ آپ کے خاندان میں صرف مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ ہی ضمیر بیگ صاحب کے نورِ نظر، راحت قلب و جگر رہ گئے تھے۔ اس لئے موصوف سے محبت بہت ہی زیادہ کرتے تھے۔ لہذا کہیں اور ملازمت کے لئے بھیجنے کو راضی نہ ہوئے۔ [1]

شفیقؔ صاحب کے دادا مرزا ضمیر بیگ صاحب کی وفات کے بعد آپ کے والد مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ کو پشتینی عہدے سے محروم رکھا گیا۔ اس حق تلفی کا تسلیمؔ صاحب پر بہت اثر ہوا۔ قیامِ جھالاواڑ کی وجہ سے آپ کے خاندان کی زمین و جائداد جو پھپھوند ضلع اٹاوہ میں تھی، برباد ہوچکی تھی۔ لہذا چند مجبوریوں کی وجہ سے جو عہدۂ توپخانہ دیا گیا اس پر ہی صبر کرنا پڑا۔ مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۴۶ء تک اپنے فرائض ملازمت انجام دے کر پینشن یاب ہوئے اور ۵؍نومبر ۱۹۶۳ء کی شب کو اچانک دردِ قلب کے عارضہ میں جان، جان آفریں کے حوالے کر گئے۔ [2]

شفیقؔ صاحب کے والد مرزا رفیق بیگ صاحب اپنے اسلاف کے شایان شان تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار انسان تھے۔ انتہائی صابر و قانع نیز تسلیم و رضا کے قابل تقلید پیکر تھے۔ فنون سپہ گری میں ماہر تھے۔ مروجہ تعلیم سے بہرہ مند تھے۔ علم ریاضی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا فطری ذوق و شوق تھا۔ آپ کا مکمل دیوان صاف کیا ہوا آپکے خاندان کے پاس محفوظ ہے۔ تسلیمؔ صاحب کو شعر و شاعری میں ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔" [3]

شفیقؔ صاحب نے ایک نثری مضمون "جناب والد ماجد صاحب قبلہ مرزا رفیق بیگ صاحب تسلیمؔ مرحوم" کے نام سے لکھا ہے جسکا قلمی نسخہ راقمہ کے پاس موجود ہے۔ اس مضمون میں شفیقؔ صاحب نے اپنے والد کی مختصر سوانح حیات تحریر کی ہے۔ اس مضمون کے چند سطور تسلیمؔ صاحب کی شعرگوئی سے متعلق یہاں درج کرنا ضروری

---

[1]، [2] دیباچہ نیرنگ سخن، مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۱۱، ۱۲

[3] انتخاب کلام شفیقؔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس، دہلی-۱۹۸۰ء ص- ۸

سمجھتی ہوں۔لکھا ہے ''تسلیم صاحب کو شعروشاعری سے فطری لگاؤ تھا۔چنانچہ آپ حضرت نیرنگؔ کاکوروی (تلمیذ محسنؔ کاکوروی) کے شاگرد ہوئے۔حضرت استاد آپ کی شعر گوئی اور طباعی سے ہمیشہ خوش رہے۔غزل، نظم، مثنوی، رباعی، قطعہ، قصیدہ کہنے پر قدرت حاصل تھی۔ان سب اصناف میں غزل زیادہ مرغوب طبع اور پسندیدہ رہی۔مضامین غزل میں تصوف، اخلاقیات، حیات وموت کے مضامین زیادہ ہیں۔غزل میں فرسودہ مضامین سے احتراز تھا۔سلاست وروانی اشعار میں جلوہ گر ہے۔حضرت تسلیمؔ اپنی خصوصیات شعری سے ہمیشہ مشاعروں میں کامیاب رہے۔آپ کا اندازِ فکر آورد سے بے نیاز آمد کا بہترین شاہکار ہے۔غزل کا ہر شعر اس دعوے کا ثبوت ہے۔آپ نے اپنے دیوان کو ردیف وار اپنی حیات میں ہی ''دیوان تسلیمؔ'' کے نام سے مکمل کرلیا تھا''۔[1]
دیوان تسلیمؔ کے مسودے کو شفیقؔ محترم نے بہ غرض طباعت ۱۹۷۵ء میں دوبارہ اسی ترتیب سے نقل کرلیا تھا۔[2]
لیکن اب تک اس کی اشاعت نہ ہوسکی۔

نمونۂ کلام تسلیمؔ ؎

ہے ادنیٰ سا کرشمہ تیری شان کبریائی کا
بتوں کو وہ دیا رتبہ کہ دعویٰ ہے خدائی کا

بہت کچھ سن رہا ہوں خلد کی تعریف رضواں سے
مگر جنت سے بہتر ہے کہیں کوچہ محمدؐ کا

وہ ساتھ آئے جنازہ کے تو مطلب صرف اتنا تھا
کہ مٹی میں ملا کرلیں عوض اپنی کدورت کا

جو نقش اس کا میرے تصوّر میں کھنچ گیا
ہرگز مصوروں سے اڑایا نہ جائے گا

---

[1]، [2] نثری مضمون ''جناب والد ماجد صاحب قبلہ مرزا رفیق بیگ صاحب تسلیمؔ مرحوم'' مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ۔غیر مطبوعہ تاریخ تحریر ۱۴/جنوری ۱۹۷۵ء اس مضمون کا اصل نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔

وہ جانتے ہیں ہم کو مٹانا مٹائیں خوب

ہم مٹکے جانتے ہیں ابھرتے ہیں کس طرح

انسان بے وفا سے بہتر ہے ایک کتّا

جس کی وفا کے قصے مشہور ہو رہے ہیں

نوٹ: یہ شعر مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کو اس قدر پسند آیا کہ انہوں نے راجیند ر اجلاس کے موقع پر اسے اپنے محل میں چسپا کروالیا۔

سِل تو پتھر کی رکھی بعد فنا چھاتی پر

سب سے کہتے ہیں کہ ہم سنگِ نشاں رکھتے ہیں

بزرگوں سے سنا آنکھوں سے بھی ہم نے دیکھا ہے

خوشامد اس کی ہوتی ہے کہ جس کے پاس دولت ہو

بندے کی کیا مجال جو کچھ تجھ سے ضد کرے

بندہ نواز جان کے بندے مچل گئے

تسلیمؔ دل میں جلوۂ حق کی تلاش کر

اس آئینہ کو دیکھ اسی کا جمال ہے [1]

شفیقؔ صاحب کے خاندانی اور ادبی حالات سے واضح ہوتا ہے کہ شفیقؔ صاحب کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا گھر کا ماحول امانت، دیانت، صداقت، شرافت، شجاعت، قناعت، عبادت و ریاضت پر نثار تھا۔ لہذا شفیقؔ صاحب کی شخصیت اور شاعری کا جو رنگ ہے وہ اسی ماحول اور تربیت کا آئینہ دار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خاندان کی شعری و ادبی روایت کی اہم کڑی شفیقؔ صاحب ہی تھے۔ لیکن شفیقؔ صاحب کے بعد اس ادبی روِش شاعری کو آگے بڑھانے والی ایک چھوٹی لیکن نا قابلِ فراموش کڑی شفیقؔ صاحب کی صاحبزادی کبیر انسۂ بیگم

[1] درج بالہ تمام اشعار بطور نمونۂ کلام تسلیمؔ، شفیقؔ صاحب کے دیوان اول ''نیرنگ سخن'' کے دیباچہ میں موجود ہیں۔

نے اپنے والد کی شعری روایت وسلسلے کو جاری رکھا ہے۔کبیرانسۂ بیگم کا نعتیہ کلام پر مشتمل ایک کتابچہ ''حدیقۂ میلادؔ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔آپ نے اپنے دادا مرحوم تسلیمؔ جھالاواڑی پر ایک نثری مضمون ''دادا کی کہانی پوتی کی زبانی'' لکھا ہے یہ مطبوعہ ہے۔ ۱؎

ولادت:

(سنِ پیدائش ۱۰؍اپریل ۱۹۱۰ء ۔سنِ وفات: ۲؍فروری ۱۹۸۷ء)

آپ کا نام مولوی عبدالسلام بیگ اور شفیقؔ تخلص تھا۔آپ جھالاواڑ میں مولوی صاحب کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔آپ کی پیدائش ۱۰؍اپریل ۱۹۱۰ء کو بمقام جھالاواڑ نلا محلّہ،مسجد مستان شاہ کے پاس ہوئی۔۲؎ اب اس جگہ کا نام شفیقؔ کالونی رکھ دیا گیا ہے۔آپ کے والد کا نام مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ تھا۔آپ کی والدہ جناب شفاعت خان صاحب کی دختر نیک اختر تھیں۔ ۳؎

شفیقؔ صاحب تین بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔آپ کی بہن کا نام طیبہ تھا اور بھائی کا نام عبدالحمید بیگ تھا۔۴؎ آپ کی والدہ کا سایۂ الفت آپ سب پر بہت کم رہا۔آپ سب بہت چھوٹے تھے کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ماں کی بے وقت موت سے آپ سب کی ذمہ داری آپ کے والد پر آ گئی آپ کے والد نے آپ سب کی پرورش بڑی محبت وشفقت سے کی۔ ۵؎

شفیقؔ صاحب کے جد بزرگوار نے آپ کے دو نام تجویز کئے تھے عبدالسلام بیگ اور شفیق بیگ،آپ کے دادا مرزا ضمیر بیگ ضمیرؔ نے آپ کا نام عبدالسلام بیگ رکھا۔بقول شفیقؔ صاحب ''جد بزرگوار نے میرے دو نام تجویز کئے تھے۔عبدالسلام بیگ اور شفیق بیگ ۔میرے دادا نے میرا نام عبدالسلام ہی رکھا اور شفیق میں نے اپنا تخلص کر لیا۔عبدالسلام کے نام سے میں شروع سے ہی پکارا جانے لگا'' ۶؎

۱؎ شفیقؔ صاحب کی صاحبزادی کبیرالنساء بیگم سے بذریعہ موبائیل دریافت ہوا۔مورخہ-۱۴؍ستمبر ۲۰۱۴ء

۲؎، ۶؎ انتخاب کلام شفیقؔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۸۰، ص-۸،

۳؎ اسکی تصدیق شفیقؔ صاحب کے صاحبزادے جناب مرتضی بیگ صاحب سے بذریعہ موبائل کی گئی۔

۴؎ دیباچہ نیرنگ سخن دیوان اول مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۱۷ ۔ ۵؎ راحت گوالیاری تلمیذ شفیقؔ سے دریافت ہوا۔

آپ کے والد نے آپ کو کبھی عبدالسلام یا شفیق کہہ کر نہیں پکارا۔ وہ آپ کو ہمیشہ ''بھوٗرؤ'' کہا کرتے تھے کیوں کہ آپ بہت خوبصورت اور گورے بھوٗرے تھے۔ آپ کے والد جب تک حیات رہے آپ کو اسی نام سے پکارتے رہے۔ دوسرے کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ کو بھورو کہے۔ ۱؎ آپ کے والد بڑے رعب دار اور غصہ کے تیز تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مولوی شفیقؔ صاحب کے برادر نسبی مولوی اسحٰق صاحب کو کسی نے گالی دے دی۔ رفیق صاحب کو معلوم ہو گیا۔ بہت غصے سے انہوں نے شفیقؔ صاحب سے کہا ''ارے بھورے'' تلوار نکال، مار کر آ سالے کو ایسے کیسے گالی دے دی'' ۲؎ شفیقؔ صاحب اپنے والد کو ابا کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ بڑے ہی نیک اور فرماں بردار بیٹے تھے۔ آپ نے اپنے والد کی اطاعت و خدمت بھی خوب کی تھی۔ ۳؎

تعلیم و تربیت:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کو پانچ چھ سال کی عمر ہونے پر افتخار الشعراء جھالا واڑ ریاست مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی تلمیذ حسان الہند محسنؔ کاکوروی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ موصوف کے مکتب میں رسم بسم اللہ ہوئی اور ابتدا سے انتہا تک عربی فارسی کی مروجہ تعلیم یہیں حاصل کی۔ ۴؎ حصولِ تعلیم کے ساتھ ہی اصلاحِ سخن بھی شفیقؔ صاحب نے نیرنگؔ کاکوروی سے حاصل کیا۔ بقول شفیق صاحب : ''خوش قسمتی سے ایسے استادِ سخن کے فیضِ علم سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ بغدادی قاعدے سے لے کر اخیر تک تعلیم حضرت نیرنگؔ کے مکتب میں حاصل کی۔ جو پڑھا وہ حضرت نیرنگؔ سے پڑھا۔ شعر و سخن میں جو سیکھا اسی استاد سے سیکھا۔'' ۵؎

۱۹۲۵ء میں شفیقؔ صاحب کو اردو، فارسی کی تعلیم ترک کرنی پڑی۔ کیونکہ سرکاری وفاتر میں دیوناگری رائج تھی لہٰذا آپ کے لئے ہندی سیکھنا ضروری ہو گیا۔ آپ نے اپنے والد کے دوست منشی عبدالعزیز صاحب عزیزؔ کارکن خزانہ صدر کے پاس دیوناگری لکھنا سیکھا۔ دو چار ماہ میں ہی آپ کو ہندی کی مشق ہو گئی۔ اس کے بعد عدالت

۱؎ ، ۳؎ راحتؔ گوالیاری تلمیذ شفیقؔ سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۹/ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

۲؎ مولانا وحید تلمیذ شفیقؔ سے دوران انٹرویو دریافت ہوا مورخہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

۴؎ ، ۵؎ دیباچہ نیرنگ سخن۔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، غیر مطبوعہ، ص- ۱۷، ۲۷

دیوانی میں بایمائے ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانشؔ، اہلکاری کا کام سیکھنے کے لئے آپ کو قاضی احمد رضا خاں صاحب بیدلؔ کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱؎ اس طرح شفیقؔ صاحب نے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مروجہ تعلیم کے حصول کے ساتھ ہندی لکھنا پڑھنا سیکھا اور اہلکاری کا کام بھی سیکھا۔

ذریعۂ معاش اور دیگر امتحانات:

اب تک سپہ گری کا جو خاندانی پیشہ چلا آ رہا تھا اس کے برخلاف شفیقؔ صاحب نے درس و تدریس کی خدمات کو ذریعۂ معاش بنایا۔ اور ۲۱ر نومبر ۱۹۲۹ء کو امیر الدولہ انگلش مڈل اسکول جھالرا پاٹن سٹی میں پرشین ٹیچر کی پوسٹ پر شفیقؔ صاحب کا تقرر ہوا۔ ۲؎ مدرّسی مل جانے کے بعد شفیقؔ صاحب نے فرائض منصبی بخوبی انجام دئے۔ اسی دوران ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی جانب سے آپ سے ضروری اسناد طلب کی گئیں۔ اسی غرض سے شفیقؔ صاحب نے فارسی میں اعلیٰ قابلیت کے امتحان دئے اور امتیازی حیثیت سے پاس کئے۔ آپ نے ۱۹۳۵ء میں الہٰ آباد سے فارسی میں منشی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۶ء میں کامل فارسی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۷ء میں اعلیٰ قابلیت اردو کا امتحان پاس کیا۔ ۳؎

شفیقؔ صاحب نے ''انتخاب کلام شفیقؔ'' میں دوران ملازمت کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''۱۹۳۷ء میں میں مہاراج ہائی اسکول جھالاواڑ میں نویں دسویں جماعت کو اردو فارسی پڑھانے کے لئے پاٹن سے تبدیل کر لیا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں مستقل طور پر ہیڈ مولوی کی جگہ مل گئی۔ ۱۹۴۶ء میں ہائی اسکول انٹر کالج ہو گیا۔ ۱۹۵۸ء میں ڈگری کالج ہو جانے پر ہائی اسکول علیحدہ بنا دیا گیا۔ میں بھی ہائی اسکول اسٹاف کے ساتھ کالج سے نئے ہائی اسکول میں آ گیا۔ یہ ہائی اسکول ہائر سیکنڈری اسکول میں رائج ہو گیا اور اسی سے ۱۹۶۷ء میں تقریباً ۳۷ سال سروس کے بعد رٹائرڈ ہو گیا'' ۴؎

۱؎،۲؎ دیباچہ ''نیرنگ سخن''، مصنفہ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۲۸

۳؎، ۴؎ انتخاب کلام شفیقؔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ص-۸

شوقِ شاعری اور مشورۂ سخن:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کو شعری ذوق وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والد محترم مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ خود اچھے شاعر تھے اور ان کے دوست واحباب سب شاعر تھے۔ گھر میں شعر و شاعری کا چرچا عام تھا۔ مکتبِ نیرنگؔ جہاں آپ نے اردو فارسی کی تعلیم پائی، جھالاواڑ میں شعر و شاعری کا سرچشمہ تھا۔ وہاں بھی شعر و شاعری کی باتیں سننے کو ملتی تھیں۔ لہٰذا شفیقؔ صاحب کا شوقِ شاعری ترقی کرتا گیا۔ آپنے مشورۂ سخن بھی حضرت نیرنگؔ سے لینا شروع کیا [1]

شوقِ شاعری کے سلسلے میں شفیقؔ صاحب کہتے ہیں ''استاد مرحوم کی ڈیوڑھی پر صبح سے شام تک جو حضرات تشریف لاتے تھے ان سے گفتگو ادیبانہ اور شاعرانہ ہوتی تھی۔ کبھی الفاظ کی بحث سننے کو ملتی تھی، کسی وقت الفاظ کی تذکیر وتانیث، کسی وقت لکھنؤ و دہلی کی زباں اور بیان پر گفتگو کانوں میں پڑتی تھی۔ موصوف کو صحت الفاظ کا بہت خیال رہتا تھا۔ اصلاح کے وقت اصلاحی نکات سننے کو ملتے تھے۔ یہ تمام باتیں میرے دماغ ودل پر اثر انداز ہوئیں''۔ [2]

آپ کو کتب بینی کا شوق بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے مطالعہ وسیع ہوتا گیا۔ استاد کا کلام نیر استادالاستاد حضرت محسنؔ کاکوروی کا کلام آپ کے مطالعہ میں زیادہ رہا۔ آپ علامہ اقبالؔ سے بہت متاثر تھے، آپ کو مرزا غالبؔ کا فارسی کلام بنسبت اردو کے زیادہ مرغوب رہا۔ دیباچہ ''نیرنگؔ سخن'' میں شفیقؔ صاحب خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں ''اساتذہ کے دواوین زیرِ مطالعہ رہے علامہ اقبالؔ سے زیادہ متاثر رہا۔ غالبؔ کے فارسی کلام کو ان کے اردو کلام کے مقابلہ میں زیادہ وزنی تصور کیا۔ روانی الفاظ میں قاآنیؔ کا کلام زیادہ مرغوب رہا۔ اور نزاکت تخیل میں عرفیؔ کے قصائد دلکش ودلربا رہے'' [3]

شفیقؔ صاحب نے جو کچھ پڑھا وہ حضرت نیرنگؔ سے پڑھا اور شعر و سخن میں جو سیکھا انہیں استاد سے سیکھا۔ اسے آپ اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے ہیں۔ بقول شفیقؔ صاحب ''نیرنگؔ مرحوم کی ذات سے جھالاواڑ

---

[1] متفرق اوراق پر شفیقؔ صاحب کی قلمی تحریریں۔

[2] ، [3] دیباچہ ''نیرنگؔ سخن'' مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی غیر مطبوعہ ص-۲۷،۲۸

کے گلزارِ سخن میں وہ بہار آئی اور وہ گل کھلا گئی کہ جن کی مہک نے قدردانانِ سخن سے داد حاصل کی''۔[1]

شفیقؔ صاحب نے اپنے دواوین میں کئی مقامات پر حضرت نیرنگؔ کی شاگردی پر افتخار کیا ہے اور ان کے خاندانی مرتبے اور شاعری سے بھی حسنِ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ چند اشعار دیکھئے ؎

یہ بھی شفیقؔ حضرت نیرنگؔ کا فیض ہے — تسلیم کر رہے ہیں جو اہلِ ادب مجھے

تیرے رنگِ بیاں میں طبع شفیقؔ — فیض نیرنگؔ کے کلام کا ہے

محسن کا فیض ہے میرے دیوان کا شفیقؔ — ہے لفظ لفظ صورت لعل خوش آب سرخ

نیرنگؔ کا سحر تھا بیاں میں — ساحرؔ ہوا تشنہ کام تسنیمؔ

سلک گوہر ہے غزل نیرنگؔ کی اصلاح سے — یہ شفیقؔ استاد عالم میں سخنور ایک ہے

یہاں آپ کے استاد حضرت نیرنگؔ کا اجمالی تعارف مع نمونۂ کلام درج کرنا ضروری سمجھتی ہوں:

آپ کا نام عبدالوحید اور تخلص نیرنگؔ تھا۔ آپ قصبہ کاکوروی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ اس نسبت سے نیرنگؔ کاکوروی تخلص لکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عبدالمجید سحرؔ اور دادا کا نام غلام مینا اور تخلص ساحرؔ تھا جو کہ غالبؔ کے ہم عصر تھے، گویا حضرت نیرنگؔ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ حسان الہند حضرت محسنؔ کاکوروی آپ کے بڑے ماموں تھے اور استادِ سخن بھی۔ بسلسلۂ ملازمت آپ کو لکھنؤ، گوالیار، جے پور وغیرہ مقام پر قیام کرنا پڑا۔[2] دیوانِ ریاست جھالاواڑ پنڈت پر مانند چترویدی کے ایما پر آپ جھالاواڑ تشریف لائے اور ۱۱ر جنوری ۱۸۹۹ء کو محکمۂ عالیہ دربار میں محافظ دفتر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ [3]

آپ کی آمد جھالاواڑ کی ادبی فضا کے لئے بہارِ نو ثابت ہوئی۔ آپ کی شاگردی کو باعث فخر تصور کیا گیا۔ مہاراجرانا راجیندر سنگھ مخمورؔ نے آپ کو استادِ سخن بنایا اور ملک الشعراء کے خطاب کے ساتھ تعظیمی سرداری کا اعزاز عطا کیا۔ پاؤں میں پہننے کے لئے ۱۳ر تولہ سونے کا کڑا بھی دیا جو اس وقت ریاست کا بہت بڑا اعزاز مانا جاتا تھا۔[4] حضرت نیرنگؔ کی آمد سے جھالاواڑ میں مشاعروں میں باقاعدگی پیدا ہوئی۔ شعر وشاعری کا چرچا عام ہوا۔ سرکاری

---

[1]، [2]، [4] دیباچہ نیرنگ سخن مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۲۷، ۱۷، ۱۸

[3] جھالاواڑ راجیہ کا اتحاس مرتبہ ڈاکٹر ایس۔ آر۔ خان، غیر مطبوعہ ص-۲۱۵

مشاعروں کے علاوہ غیر سرکاری مشاعرے بھی کثیر تعداد میں ہونے لگے۔ موصوف نے تلامذہ کی مشق بڑھانے کے لئے اپنے دولت کدہ پر وقتیہ مشاعرہ شروع کیا۔ حضرت نیرنگؔ کو اودھ پنچ کی نامہ نگاری کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے مزاحیہ مضامین تنقیدی اور سیاسی رنگ میں ''گھن چکّر لعل'' کے نام سے اودھ پنچ میں شائع ہوتے تھے۔ جناب شفیقؔ لکھتے ہیں ہ ''میرے نام سے بھی عید، ہولی، بڑا دن، سال نو پر مضامین و منظومات اودھ پنچ میں شائع ہوتی تھیں۔ جس میں میرا تخلص مالوی ہوتا تھا۔'' شفیقؔ صاحب نے اپنے دیوان اول ''نیرنگ سخنؔ'' کے دیباچہ میں حضرت نیرنگ کے تلامذہ کی فہرست مرتب کی ہے جن کی کل تعداد ۵۴ ہے۔ نیرنگؔ کا کوروی کا دیوان ''دیوان نیرنگؔ'' مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ نے طبع کروایا تھا [1] دیوان نیرنگ سے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیں تا کہ شفیقؔ صاحب کے رنگِ سخن پر حضرت نیرنگؔ کے تاثرات شعری بآسانی واضح ہوسکیں۔

چمکے فروغ حمد سے حسن رقم میرا سجدے میں سر جھکائے ادب سے قلم میرا

اے دل رہ تسلیم میں ثابت قدمی کر مایوس نہ ہو دیکھ تو کرتا ہے خدا کیا

کعبہ میں ٹھکانہ نہ میری دیر میں پرسش یہ خانہ خرابی ہے فقط دل کی بدولت

اس رات کو کہتا ہے شب قدر کا دل بھی ہے نور قدم زیبِ کنار شبِ معراج

انوار کواکب کہ کفِ چرخ بریں سے ہیں درہم و دینار نثار شبِ معراج

پھول جائیں ساری کلیاں دامنِ صیاد میں بلبلوں کچھ تو اثر پیدا کرو فریاد میں

رکی رکی ہے طبیعت پھر پھری ہے نظر اور آپ کہتے ہیں دل میں غبار کچھ بھی نہیں

آج کی رات ٹھہر جاؤ سویرے جانا دو گھڑی دن نہ چڑھے چار گھڑی رات رہے

خمیر آدم کا تھا خاک جناں سے کہاں آئی ہے یہ مٹی کہاں سے

دیکھو وہ آپ چلے آئے نہ۔ آخر نیرنگؔ کچھ بھی ہو درد محبت میں اثر ہوتا ہے

---

[1] ،[2] دیباچہ نیرنگ سخن مصنفہ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص- ۱۷، ۱۸، ۲۳، ۱۹

مشاعروں میں شرکت اور ادبی ذمہ داریاں:

والیٔ ریاست مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے عہد حکومت میں ریاست جھالاواڑ میں ۱۹۰۵ء میں پندرہ روزہ مشاعروں کی بنیاد پڑی۔ مہاراجرانا موصوف سخن فہم اور ادب نواز تھے۔ لہٰذا اسی دلدادۂ علوم راجہ کی سرپرستی میں ۱۹۱۸ء میں ''انجمن سخن'' قائم کی گئی جسکے تحت ماہانہ مشاعرے ہوتے تھے [۱] اس وقت شفیق صاحب کا بچپن تھا۔ بقول شفیق صاحب ''یہاں درباری مشاعرے ہوتے تھے۔ بھوانی سنگھ مہاراج کے زمانے میں میرا بچپن تھا۔ ۳-۴ مشاعروں میں استاد کے دئے ہوئے اشعار پڑھنے کا موقع ملا'' [۲] آپ نے بڑی ایمانداری سے درج ذیل اشعار میں بھی اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ آپ نے شاعری کی ابتدا میں اپنے استاد کے دئے ہوئے اشعار مشاعروں میں پڑھے ہیں۔ اشعار دیکھئے ؎

میرے بچپن میں، میں نے بھی سنائی ہیں غزلیں مجھے ہے یاد میری بھی ہوا کرتی تھیں تعریفیں
غزل میری نہیں ہوتی تھی میں تو صرف پڑھتا تھا غزل استاد دیتے تھے میں اس کو یاد کرتا تھا

شاعری کی ابتداء کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ ''۱۹۳۰ء میں شاعری خود کرنے لگا اور استاد نیرنگ سے اصلاح کرواتا رہا۔ مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمور کو خود بھی شوقِ شاعری تھا انکی دی ہوئی طرح پر مشاعرے ہوتے تھے میرے شعروں پر بھی مجھے داد ملتی تھی۔ پھر کیا تھا رئیس کی داد تو کہنا ہی کیا ایسا لگتا تھا کہ بادشاہت مل گئی۔ اس طرح نئے مشاعروں میں میرا شوق خوب بڑھتا گیا'' [۳]

مہاجرانا راجیند رسنگھ کے عہد میں ''انجمن سخن'' کا نام بدل کر ''انجمن راجیند ر'' کر دیا گیا۔ اس انجمن کے تحت ہوئے مشاعروں میں شفیق صاحب نے بحیثیت شاعر شمولیت کی اور سیکریٹری ''انجمن راجیند ر'' بابو مصطفیٰ حسین رضوی آپ کو اپنی قابل قدر داد سے نوازتے تھے۔ [۴] بعد رحلت بابو مصطفےٰ حسین رضوی ۱۹۴۱ء میں شفیق صاحب کو ''انجمن راجیند ر'' کا سیکریٹری بنایا گیا۔ شفیق صاحب اپنی شاعرانہ ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''۱۹۴۱ء میں رضوی صاحب کے مرحوم ہوجانے پر مجھے ''انجمن راجیند ر'' کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ اس سے اور بھی شاعرانہ ذمہ داری اپنے اوپر محسوس کرنے لگا۔ [۵] تقریباً ۱۹۷۱ء میں ''بزمِ نیرنگ'' قائم کی گئی جس کے صدر اعلیٰ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق تھے۔

---

[۱] بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ مضمون نگار مفتوں کوٹوی (قسط اول) مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی اگست ۱۹۷۴ء ص-۱۳

[۲،۳] شفیق صاحب کے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۷۳ء تک کا منتخب کلام کا ہندی رسم الخط میں ٹائپ کیا ہوا مسودہ، جس میں آپ نے اپنا ''تعارف'' لکھا ہے۔

[۴] ایک ورق پر شفیق صاحب کا قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔ [۵] دیباچہ نیرنگ سخن مصنفہ شفیق ص-۲۹

آپ کی سرپرستی میں ''بزم نیرگ'' کے تحت کئی مشاعرے ہوئے اور بلاشبہ سب کامیاب ہوئے۔[1]

شفیقؔ صاحب مقامی مشاعروں میں ہی شرکت کرتے تھے۔ چونکہ آپ یکسوئی پسند تھے لٰہذا آپ بیرونی مشاعروں میں بہت کم یا یوں کہیں ایک - دو مشاعروں میں ہی شمولیت کی۔ ٹونک کے آخری نواب جناب اسمٰعیل علی خاں شفیقؔ صاحب کی شخصیت اور ادبی خدمات سے بے حد متاثر تھے اور آپ سے ملنے کی خواہش رکھتے تھے۔ لٰہذا شفیقؔ صاحب نواب ٹونک کی دعوت پر ٹونک تشریف لے گئے۔ وہاں جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں راحتؔ صاحب فرماتے ہیں کہ ''ملاقات کے دورانِ نواب ٹونک نے اسی شام مشاعرہ منعقد کرنے کی بات کہی وہ بھی طرحی جبکہ طرحی مشاعرہ میں مصرعہ طرح آٹھ، دس دن پہلے دیا جاتا ہے۔ دراصل یہ سب کارستانی نواب ٹونک کے گرخوں کی تھی وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ شفیقؔ صاحب کتنے پانی میں ہیں۔ بہرحال شام کو مشاعرہ ہوا۔ ٹونک کے شعراء نے جو غزلیں کہیں وہ چار - پانچ اشعار کی تھیں۔ لیکن جب شفیقؔ صاحب کی باری آئی تو آپ نے اٹھارہ اشعار کی غزل سنائی کہ ٹونک کے تمام شعراء آپ کو مان گئے۔ یہ آپ کی کہنہ مشقی اور قادرالکلامی کا ثبوت تھا۔[2] مشاعرے میں شفیقؔ صاحب کی پیش کردہ غزل دیوان ''تسلیم ادب'' میں مع تاریخ ومقام درج ہے۔ مصرعہ طرح اور غزل کا مطلع ملاحظہ کیجئے۔ مصرعہ طرح ؎ خطا کسی کی ہو الزام اپنے سر لینا

میری طرف سے بھی دل اپنا صاف کر لینا

یہ کام پہلے کرو پھر ہی بن سنور لینا

عام طور پر آپ مشاعروں میں بہت کم شرکت فرماتے تھے۔ لیکن جھالاواڑ میں ہونے والے تمام مشاعرے (متعدد نعتیہ) آپ ہی کی سرپرستی میں ہوا کرتے تھے۔ کیوں کہ یہاں جتنے بھی باشعور لوگ تھے وہ سب آپ سے وابستہ تھے، آپ کے شاگردوں اور احباب میں سے تھے لٰہذا آپ کو شمولیت کرنی ہی پڑتی تھی۔ آپ کے بغیر مشاعرہ ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت عموماً صدارت اور سرپرستی کی ذمہ داری آپ ہی کے سر تھی۔ آپ مشاعروں میں تہتیہ انداز میں پڑھتے تھے اور بہت عارفانہ کلام کہنے کے عادی تھے۔[3]

---

[1] بزم نیرنگؔ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ مضمون نگار مفتوں کوٹوی (قسط اول) مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی اگست ۱۹۴۷ء ص-۱۳

[2]، [3] جناب راحتؔ گوالیاری سے دورانِ انٹریو دریافت ہوا۔ مورخہ: ۱۹ ستمبر ۲۰۱۱ء رکارڈیڈ

مولوی عبدالسلام بیگ شفیق کی شخصیت:

تصویر کشی :

''انتخاب کلام شفیق'' میں شفیق صاحب کی تصویر موجود ہے۔ شفیق صاحب کے فرزند مرتضیٰ بیگ صاحب کو دیکھ کر شفیق صاحب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کیوں کہ آپ کی فرزند کی قد و قامت، شکل و صورت بالکل آپ جیسی ہے۔ بظاہر جن جن لوگوں نے بھی آپ کو دیکھا ہے ان کے مطابق عہد شباب میں آپ بہت ہی خوشرو اور خوشرنگ قوی جوان تھے۔ بقول راحت گوالیاری ''لمبا سا قد، صاف رنگ اور چہرے پر مقناطیسی اثر تھا جس سے لوگ بے اختیار کھنچے چلے آتے تھے۔ شرعی داڑھی نے شخصیت میں چار چاند لگا دئے تھے'' ؂۱

شفیق صاحب نے ۷۷ سالہ عمر پائی لیکن زندگی میں کبھی چشمہ نہیں لگایا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو وہ بینائی عطا کی تھی کہ بزرگی میں بھی تصنیف و تالیف اور مطالعۂ کتب بآسانی کیا کرتے تھے۔ چونکہ آپ معلم تھے لہٰذا چلنے پھرنے کا انداز بھی بڑا رُوب دار تھا۔ ؂۲

لباس:

شفیق صاحب بڑے ہی خوش لباس تھے۔ آپ ہمیشہ سفید رنگ کا کرتا و پاجامہ (چھوٹی موری کا) اور اس پر کالے رنگ کا بند گلے کا کوٹ پہنا کرتے تھے۔ آپ جب بھی باہر جاتے کوٹ ضرور پہنتے تھے ؂۳

شفیق صاحب کے پہناوے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عبدالوحید خیاط تلمیذ شفیق نے بتایا کہ ''شفیق صاحب علی گڑھی پاجامہ قمیض اور بند گلے کا کوٹ پہنا کرتے تھے۔ آپ نے شیروانی کبھی نہیں پہنی حالانکہ اس زمانے میں شیروانی پہننے کا بہت چلن تھا لیکن آپ نے ہمیشہ بند گلے کا کوٹ ہی پہنا۔ گول ٹوپی لگایا کرتے تھے جسے رامپوری ٹوپی کہتے ہیں'' ؂۴

؂۱ راحت گوالیاری سے درفیات (بات چیت رکارڈ نہیں ہو پائی)، ؂۲ مظفر حسین مظفر سے دریافت مورخہ ۱۰؍جنوری ۲۰۱۲، رکارڈیڈ،

؂۳ جناب مرتضیٰ بیگ صاحب (فرزند شفیق) اور راحت گوالیاری (تلمیذ شفیق) سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

؂۴ مولانا وحید تلمیذ شفیق سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲؍دسمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

اندازِ گفتگو:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا طریقۂ گفتگو مہذب اور ادبی تھا۔ آپ بہت کم بولنے کے عادی تھے۔ بولنے کا انداز بہت ہی نپا تلا اور مؤثر تھا۔ گفتگو کا انداز اتنا شیریں تھا کہ کوئی آپ سے ایک بار بات کر لے تو آپ کا مداح ہو جاتا۔ ؎۱

بقول مفتوںؔ کوٹوی صاحب:

''مرنجاں مرنج اور کم آمیز انسان ہیں اپنے کام سے کام رکھتے ہیں'' ؎۲

انداز گفتگو کے سلسلے میں شفیقؔ صاحب کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

پھر نہ ہو گی کسی کی دلشکنی

اپنی گفتار پر نظر رکھئے

شفیقؔ صاحب کی ایک خاص عادت تھی کہ آپ بات چیت کرتے وقت ''خواہ مخواہ'' لفظ کا استعمال بہت زیادہ کیا کرتے تھے، جیسے یہ آپ کا تکیہ کلام ہو۔ ''ہاں نہیں تو خواہ مخواہ'' ''یار خوہ مخواہ''۔ مطلب یہ کہ ہر بات میں ''خواہ مخواہ'' کہا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ سے باتیں کرنا اور آپ کی باتیں سننا لوگ پسند کرتے تھے۔ ؎۳

ازدواجی زندگی:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا نکاح جھالاواڑ میں ہی جناب سید یوسف علی یوسفؔ کی صاحب زادی خدیجہ خاتون سے ہوا تھا۔ آپ کے خسر آپ کے والد مرحوم کے دوست تھے اور عہد بھوانی سنگھ کے مشہور و معروف شعراء میں آپکا شمار ہوتا تھا۔ جھالاواڑ میں افسر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ؎۴

؎۱ جناب راحت گوالیاری سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹/ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

؎۲ مضمون ''کلام شفیقؔ جھالاواڑی ایک تاثر مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ شانِ ہند دہلی، جون ۱۹۷۲ء، ص-۲۵

؎۳ مولانا وحید صاحب سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

؎۴ مرتضیٰ بیگ صاحب (فرزند شفیقؔ) سے دورانِ ملاقات دریافت ہوا مورخہ ۱۳/جون ۲۰۱۰،

شفیقؔ صاحب کی زوجہ بہت ہی نیک اور دیندار خاتون تھیں۔ آپ کے پس ماندگان میں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا شامل ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی کا نام حسینہ بیگم تھا، ان سے چھوٹے مرتضےٰ بیگ صاحب ہیں جو ادے پور میں فزکس کے لیکچر رتھے۔ اب پینشن یاب ہو کر وہیں اپنے خاندان کے ساتھ آباد ہیں۔ مرتضےٰ بیگ صاحب سے چھوٹی دولڑکیاں اور ہیں جنکا نام کبیرانسہؔ بیگم اور انیسہ بیگم ہے۔ آب سب بھائی بہن شفیقؔ صاحب کو ''بھائی جان'' کہہ کر پکارتے تھے [1]

آپ کی والدہ کی طرح آپ کی زوجہ کا ساتھ بھی آپ کو بہت کم عرصہ مِلا اور وہ انتقال کر گئیں۔ آپ کی زوجہ کے انتقال کے بعد آپ کے والد اور قریبی رشتہ داروں نے بچوں کی پرورش کی خاطر آپ کا دوسرا نکاح کروانا چاہا لیکن آپ نے صاف منع کر دیا۔ شفیقؔ صاحب نے اپنی پوری زندگی بچوں کی تربیت اور اردو زبان و ادب کی خدمت میں صرف کی۔ [2]

کوئی ہمدم ہے نہ ہے میرا شفیقؔ
صرف میری شاعری ہے اور میں

آدابِ زندگی:

شفیقؔ صاحب اسلامی تہذیب وتمدن کے دلدادہ تھے۔ چونکہ آپ کا خاندان لکھنؤ کے نزدیک اِٹاوہ کا رہنے والا تھا لہٰذا آپ کے خاندان کا طرزِ معاشرت، آدابِ زندگی اور گھر کا ماحول سب کچھ لکھنوی معاشرت اور تہذیب پر عمل پیرا تھا [3] شفیقؔ صاحب رسوم وروایات کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کے بعد آپ کے پوتے بھی خاندانی روایت کو قائم رکھیں۔ اپنی اس خواہش کا اظہار آپ نے ایک شعر میں اپنے پوتوں خورشید اور قمر کو مخاطب کر کے کیا ہے ؎

رکھیں وہ شفیقؔ اپنی روایات کو قائم
پہنچا دے کوئی بات یہ خورشید وقمر تک

---

[1] راحتؔ گوالیاری (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت ہوا مورہ ۱۹/نومبر ۲۰۱۱ نوٹ: مظفر صاحب نے بھی تصدیق کی۔

[2]، [3] راحتؔ گوالیاری (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت ہوا، مورخہ ۱۱/ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

شفیقؔ صاحب کے شاگرد مولانا وحید خیاطؔ جنکا آپ کے گھر اکثر آنا جانا تھا اور آپ کے بہت قریبی تھے آپ کے گھر کے ماحول اور پردہ داری کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ ''ہم شفیقؔ صاحب کے یہاں اصلاحِ سخن کے لئے جاتے تھے یا پھر رات کو سب آپ کی ڈیوڑی پر جمع ہوتے تھے لیکن ہم نے کبھی کسی خاتون یا بچیوں کی آواز یا دستک نہیں سنی۔ مولوی صاحب کی غیر حاضری میں بھی کبھی کسی کام سے جانا پڑتا یا کوئی اطلاع دینی ہوتی تو کنڈی بجا کر اپنی بات کہہ دیتے۔ کسی خاتون کا سامنے آنا تو دور کی بات ہے کوئی یہ پوچھنے والا نہیں تھا کہ کون ہو؟ کیا کام ہے؟ مطلب یہ کہ آپ کے یہاں نامحرم کا پردہ تو تھا ہی ساتھ ہی آواز کا پردہ بھی تھا۔ آپ کے یہاں میّتیں بھی اٹھیں لیکن کبھی کسی کے رونے کی آواز نہیں سنی''۔ ۱؎ مولانا وحیدؔ مزید بتاتے ہیں کہ ''ایک دفع'' ایسا ہوا کہ کوٹھی کے پاس جو باغ ہے وہاں مولوی صاحب کو چکّر آ گئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو شفا خانے بھرتی کروایا۔ ہم سب بھی وہاں پہنچے۔ مزاج پرسی کرنے کے بعد جب میں واپس لوٹنے لگا تو مولوی صاحب نے مجھے گھر پر اطلاع دینے کو کہا، میں شفیقؔ صاحب کے گھر گیا، دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن کوئی باہر نہیں آیا نہ کچھ پوچھا۔ میں خود ہی مولوی صاحب کی خبر دے کر اپنے گھر آ گیا۔ مولوی صاحب تو صبر و توکل کے پیکر تھے ہی آپ کے گھر کے افراد میں بھی اتنا صبر تھا کہ خبر سننے کے بعد کوئی گھبراہٹ یا بےچینی مجھے وہاں محسوس تک نہ ہوئی'' ۲؎

آپ کے یہاں پردے کا اہتمام بہت تھا۔ اس وقت جھالاواڑ میں مسلم ہو یا غیر مسلم سبھی گھروں کا یہی ماحول اور رواج تھا۔ خواتین لازمی طور سے بُرقع پہنتی تھی۔ تھوڑی دور بھی جانا ہوتا تو تانگا آتا جس پر پہلے پردے لگائے جاتے پھر مستورات اس میں بیٹھ کر جاتیں۔ مرد حضرات بزرگ ہو یا بچے مسلم ہو یا غیر مسلم سر پر ٹوپی اور پگڑی پہنتے تھے، اردو بولنا اور لکھنا جانتے تھے اور شعر و شاعری سے واقفیت رکھتے تھے۔ رئیس الوقت مہاراجرانا بھوانی سنگھ اور مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ اردو زبان و ادب کے دلدادہ تھے کافی عرصے تک آپ دونوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ جھالاواڑ کے اسی ادبی ماحول کی بناء پر جناب پریم شنکر شریواستو نے جھالاواڑ کو ''راجستھان کا لکھنؤ'' قرار دیا ہے۔

۱؎ مولانا عبدالوحید خیاطؔ سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱

۲؎ مولانا عبدالوحید خیاطؔ (تلمیذ شفیق) سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱ نوٹ: اس بات کی تائید مظفرؔ صاحب اور راحت گوالیاری بھی کرتے ہیں۔

دوست واحباب:

شفیقؔ صاحب کا جن لوگوں سے خاص ربط رہا، یہاں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔منجملہ کالج کے اساتذہ اور دیگر احباب میں منشی ظہورالدین،عزیزالرحمٰن صاحب عزیزؔ (کارکن خزانۂ صدر) اور جلیل خان جلیلؔ آپ کے خاص دوست تھے۔بقول مفتوںؔ کوٹوی صاحب:

''جس شخص کی ملاقات ایک بار مولانا سے ہوگئی وہ مداح ہوکر رہ گیا۔'' ۱

کالج کے اساتذہ میں بابولال نگم اور جے سنگھ سے آپ کا خاص ربط تھا۔حافظ حمید صاحب (ڈگ والے) کا شفیقؔ صاحب سے اچھا خلاملا تھا۔آپ جب جھالاواڑ تشریف لاتے شفیقؔ صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔ ۲

شفیقؔ صاحب کے دوست واحباب کے بارے میں مولانا عبدالوحید خیاطؔ تلمیذ شفیقؔ نے بتایا کہ ''منشی ظہورالدین ظہورؔ اور جلیل خان جلیلؔ عرف جلوشکاری شفیقؔ صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ظہورؔ صاحب کا مکان اور شفیقؔ صاحب کا مکان آمنے سامنے تھا۔دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔ایک دوسرے کے بناء کوئی کام نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ دونوں کو کہیں بھی جانا ہوتا ساتھ ساتھ جایا کرتے تھے۔ہاٹ بازار ہو یا دعوت،عرس کی تقریب ہو یا مشاعرہ ومحفل،قرآن خوانی ہو میلا دشریف دونوں کو ہر جگہ ساتھ ساتھ دیکھا جاسکتا تھا۔دونوں میں وہ خلوص اور محبت تھی جو حقیقی بھائیوں میں ہوتی ہے۔شفیقؔ صاحب کی جلّو شکاری سے بھی خوب بنتی تھی۔جب بھی طبیعت بیزار ہوتی تو شفیقؔ صاحب جلّو شکاری کے ساتھ سیر وتفریح اور شکار کے لئے چلے جاتے تھے'' ۳

شاعر کے جو خاص دلی جذبات ہوتے ہیں وہ اشعار کے ذریعہ عیاں ہوتے ہیں۔شفیقؔ صاحب نے اپنے دوست واحباب کے ساتھ جو وقت گزارا اسے آپ ایک شعر میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

مر کر بھی یاد آئے گا وہ وقت اے شفیقؔ
جو وقت دوستوں میں کٹا دل لگی کے ساتھ

---

۱ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی جنوری ۱۹۷۲ء ص-۳۹

۲ عبدالرّؤف خاں رؤفؔ تلمیذ شفیقؔ سے دوران انٹرویو دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۳،رکارڈیڈ

۳ مولانا وحید صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱،رکارڈیڈ

معمولاتِ زندگی:

دنیا میں ہر شخص کا زندگی بسر کرنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے سب کا اپنا اپنا شغل ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی زندگی انہیں معمولات کے مطابق بسر کرتا ہے شفیقؔ صاحب کے معمولات زندگی ایک عام انسان کی طرح تھے۔ چونکہ آپ ایک مہذب، متقی اور پرہیزگار انسان تھے لہٰذا دن کی شروعات اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت سے ہوتی تھی۔ نماز کی ادائیگی اور قرآن شریف کی تلاوت آپ کی زندگی کا لازمی حصہ تھی۔ [1]

بقول رؤف خان رؤفؔ تلمیذ شفیقؔ

''مولوی صاحب نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں کی، مولوی صاحب خدا پرست اور ولی صفت انسان تھے۔ اور مجھ سے ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ بیٹا خدا کا خوف ہمیشہ دل میں رکھنا خدا کا خوف رکھنے والا کہیں بھی ناکام نہیں رہے گا''۔ [2]

آپ کے روزانہ کے مشاغل میں کوئی خاص پابندیٔ اوقات نہیں تھے۔ مدرسی پیشہ تھی لہٰذا اسکول سے فارغ ہونے کے بعد زیادہ تر تصنیف و تالیف، اصلاح اور کتب بینی کا شغل رہتا تھا۔ شب کو ایک آدھ گھنٹہ اپنے دوست واحباب اور تلامذہ کے ساتھ مل کر شہر میں ہونے والے حوادث خاص طور سے ادبی و شعری باتوں کی چرچہ ہوتی تھی۔ ادبی ذمہ داریوں کے ساتھ آپ گھریلو ذمہ داریاں بھی بخوبی انجام دیتے تھے مثلاً بازار یا ہاٹ میں جا کر سامان یا سبزی ترکاری لانا وغیرہ۔ [3]

بقول راحتؔ گوالیاری ''عموماً اسکول کی صبح کی شِفٹ ہوتی تھی۔ آپ ایک بجے تک گھر واپس آجایا کرتے تھے، کھانا کھاتے اور اس کے بعد اپنی ڈیوڑی میں آکر بیٹھ جاتے اور جو تمام خریطے اصلاح کے لئے ان کی خدمت میں پیش ہوتے تھے آپ ان میں اصلاح کرتے تھے۔ اپنی اس خدمت کے بدلے آپ نے کبھی کسی سے

---

[1] راحتؔ گوالیاریؔ (تلمیذ شفیق) سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹؍ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

[2] جناب رؤف خان رؤفؔ (تلمیذ شفیق) سے دوران انٹریو دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۴؍جنوری ۲۰۱۳، رکارڈیڈ۔

[3] مولانا وحید صاحب سے دوران انٹریو دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲؍دسمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

کچھ نہیں لیا بلکہ خود مدد فرماتے تھے۔آپ اردو ادب کے بے لوث خدمت گزار تھے۔ ۱؎

روزانہ کے معمولات سے جب طبیعت گھبرا جاتی تو آپ اپنے دوست جلو شکاری کے ساتھ سیر وتفریح یا شکار کو چلے جاتے تھے اور جب طبیعت ہموار ہوتی تو شعر وشاعری کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ ۲؎

شفیقؔ صاحب کی زندگی اپنے معمولات کے مطابق بڑے ہی سکون سے گزری۔آپ کی وجہ سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہونچی ۔لیکن زندگی کے آخری دنوں میں شفیقؔ صاحب کو اپنے پڑوسیوں کی وجہ سے ذہنی کشمکش سے گزرنا پڑا۔ایک دفع آپ کے پڑوسی نے آپکے گھر کی قدیمی موری بند کردی جس کی وجہ سے آپ کو عدالت کے چکر لگانے پڑے۔اس چھوٹی سے لگنے والی بات سے آپ اس قدر پریشان ہوگئے کہ جو بھی ملتا اسے پوری بات بتاتے اور بہت پریشان اور غمزدہ نظر آتے۔ ۳؎

شفیقؔ صاحب نے اس پریشانی کا ذکر ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب کو لکھے ایک خط میں بھی کیا ہے۔جس پر تاریخ تحریر ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء درج ہے۔ لکھاہے ''زندگی میں کبھی عدالتوں اور وکیلوں سے جس کا کام پڑا نہیں اسے ایک شخص کی وجہ سے روزانہ عدالت کے چکر لگانا پڑ رہا ہے۔کیوں کہ اس نے میری قدیمی موری بند کر دی۔آ کر (ادے پور سے) اسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔لیکن آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ ''

فروری ۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے کہ آپ کے پڑوسی منشی جی نے اپنا مکان فروخت کیا لیکن خریدار جناب عبد الحکیم نے شفیقؔ صاحب کے مکان کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل سمجھ لیا، حالانکہ یہ غلط فہمی بعد میں دور ہوگئی ۴؎ لیکن ان مفاد پرست پڑوسیوں کی وجہ سے شفیقؔ صاحب کو بہت پریشانی اٹھانی پڑی۔ایک نیک نفس اور پرہیزگار شخص کے لئے یہ تکالیف کسی آزمائش سے کم نہیں تھیں۔

شفیقؔ صاحب اصول ومعمول کے مطابق زندگی بسر کرنے کے عادی تھے لہٰذا آپ جھالاواڑ سے باہر بہت

۱؎ راحتؔ گوالیاری (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت ہوا مورخہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۱، ۲؎ مظفر صاحب (تلمیذ شفیقؔ) سے دریادت ہوا مورخہ ۱۰ر جنوری ۲۰۱۲ ، ۳؎ راحت صاحب (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت مورخہ ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

۴؎ ۱۹۷۷ء کی LIC ڈائری میں شفیقؔ صاحب کی قلم سے یہ واقعہ درج ہے۔

کم جایا کرتے تھے۔ ہاں کبھی کبھی بچوں کی یاد آتی تو ادے پور چلے جاتے۔ لیکن کچھ دنوں میں ہی واپس آجایا کرتے تھے۔ بیرونی مشاعروں میں شرکت بہت کم کرتے تھے۔ ایک بار راحتؔ گوالیاری کے بہت زیادہ اصرار کرنے پر ان کے ساتھ ان کی چھوٹی بہن کی شادی میں شریک ہونے کے لئے ممبئی گئے تھے۔ آپ ممبئی شہر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ۔اس کے علاوہ شفیقؔ صاحب نواب ٹونک کی دعوت پر ٹونک تشریف لے گئے تھے۔ [۱]

شوق کی چیزیں:

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ہر شخص کو اپنی طبیعت کی پسند کے موافق کسی نہ کسی خاص چیز یا چند چیزوں یا باتوں کا شوق ہوتا ہے۔ شفیقؔ صاحب کو بھی ابتداء سے چند چیزوں کا خاص شوق رہا۔ آپ کھانے میں چند چیزوں کے بہت شائق تھے آپ کی ایک بیاض میں کھانا بنانے کے طریقے خاص طور سے گوشت سے بننے والے طعام اور متفرق اچار کی ریسپی دستیاب ہوئی ہیں جو آپ نے کتاب ''ایوانِ نعمتِ شاہجہانی'' سے نقل کی ہیں۔

شفیقؔ صاحب بیسن چکی اور پکوڑی کے بھی بہت شائق تھے۔ چندا مہاراج کی پلیہ (نلہ محلّہ) پر چندا مہاراج حلوائی کی دکان تھی۔ یہ دکان بیسن چکی اور پکوڑی کے لئے جانی جاتی تھی۔ دکان کے پاس ہی مسجد منڈے شاہؒ ہے۔ مولوی صاحب فجر کی نماز پڑھنے کے بعد دکان پر ہی بیٹھتے۔ وہ حلوائی بیسن چکی کا تھال مولوی صاحب کے سامنے لاکر رکھ دیتا۔ مولوی صاحب خود بیسن چکی کاٹتے اور جتنی چاہیئے ہوتی نکال کر دے دیتے کہ لے یہ تول دے۔ اکثر مولوی صاحب کو بیسن چکی اور پکوڑی کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ [۲]

مولوی صاحب کو پتنگ بازی کا بھی شوق تھا۔ یہ شوق آپ کو ہوا آپ کے استاد محترم نیرنگؔ کاکوری کی وجہ سے۔ پتنگ بازی کے علاوہ شفیقؔ صاحب کو شکار کا بھی معمولی شوق تھا۔ جب بھی طبیعت ملول ہوتی یا سیر و تفریح کا دل کرتا تو آپ جلو شکاری (جلیل خاں جلیلؔ) اور منشی ظہور الدین کے ساتھ شکار کے لئے چلے جاتے تھے۔ شکار ہمیشہ پرندوں کا کیا کرتے تھے۔ تیتر، بٹیر، مرغابی، وغیرہ آپ کے پسندیدہ شکار تھے۔ شکار کے لئے زیادہ تر دُرگ پورا تالاب پر جایا کرتے تھے۔ [۳] دیگر چیزوں کے علاوہ آپ کو محفل سماع کا بہت شوق تھا۔ عرس کی تقریبات میں

---

[۱] ملاقات کے دوران راحتؔ صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹ ستمبر ۲۰۱۱

[۲]، [۳] مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیقؔ سے دریافت ہوا۔ انٹرویو ریکارڈ مورخہ ۱۰ جنوری ۲۰۱۲

قوالی سننے ضرور جایا کرتے تھے۔ یہ ایک فطری شوق ہے جو ہر سخن فہم انسان میں ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کو خواجہ حمید الدین چشتیؒ گاگرونی سے خاص نسبت اور عقیدت تھی۔ عرس میں، محفل سماع میں آپ کو اکثر دیکھا گیا ۱؎

ان سب چیزوں سے بڑھ کر شفیقؔ صاحب کو جس چیز کا شوق تھا وہ ہے کتب بینی۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اساتذہ کے دواوین زیر مطالعہ رہتے تھے۔ آپ کو علامہ اقبالؔ کا اردو اور فارسی کلام، غالبؔ کا فارسی کلام، قاآنی اور عرفی کا کلام زیادہ پسند تھا۔ عہدۂ مدرسی مل جانے کے بعد کتب بینی کے شوق میں مزید اضافہ ہوا، بقول شفیقؔ صاحب ''مدرسی مل جانے سے نیز اپنے فرائض منصبی کو بحسن الوجوہ انجام دینے کے شوق میں کتب بینی کا پھر شوق ہوا اور مشکل اور دقیق کتابوں کا مطالعہ پھر شروع کیا۔'' ۲؎ شفیقؔ صاحب کے یہاں اردو فارسی کے شعراء کے دواوین کے علاوہ مزہبیات کی کتابیں بھی کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ سیمابؔ اکبرآبادی کے دواوین مولوی صاحب کے پاس موجود تھے۔ شاعری کی طرح نثری تحریر بھی آپ کی بہت عمدہ ہوا کرتی تھی۔ ۳؎ آپ یادداشت لکھنے کے عادی تھے۔ آپ کی بیاضات میں آمد و خرچ کا حساب بھی درج ہے۔ مولوی صاحب کو کتب بینی کا اس قدر شوق تھا کہ آپ کے سرہانے دواوین رکھے رہتے تھے۔ ایک شعر میں خود اس بات کا حوالہ دیتے ہیں کہ ؎

رکھتا سرِ بالیں ہوں میں وہ محسنؔ و نیرنگؔ کے
مطبوعہ دیوان سخن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

عادات وخصائل:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بہترین آداب واطوار کے حامل تھے۔ آپ کی نیک خصلتوں کا کیا کہنا، آپ نہایت پاک باز، متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ آپ کے تلامذہ واحباب واقارب کی زبانی آپ کی شخصیت کے جو

۱؎ جناب قاضی سید فاروق علی گاگرونی سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۰؍جنوری ۲۰۱۲ ریکارڈیڈ

۲؎ دیباچہ دیوان اول ''نیرنگ سخن'' مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق غیر مطبوعہ ص-۲۹،۳۴

۳؎ مولانا عبدالوحید خیاطؔ تلمیذ شفیقؔ سے دورانِ انٹریو دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲؍دسمبر

نقوش ابھر کر سامنے آئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں :

انکساری:

اہلِ کمال کی اکثر یہ شناخت کی گئی ہے کہ زمانے کی قدر دانیوں سے خواہ وہ کتنے ہی نامور ومعروف ہوجائیں مگر وہ خود اپنے آپ کو معمولی شخص ہی سمجھتے ہیں۔ باوجود اس خداداد ترقی وناموری کے مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے مزاج میں نہایت عجز وانکساری تھی۔آپ کی انکساری کا صحیح وسچا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے شہرت ونمود پانے کی غرض سے اخبار ورسائل میں چھپنے سے ہمیشہ گریز کیا۔آپ نے ذاتی طور پر کبھی منظر عام پر آنے کی کوشش نہیں کی۔آپکا کلام اگر جرائد ورسائل میں شائع بھی ہوا ہے تو آپکے تلامذہ واحباب کی کوششوں سے۔ ۱ انکساری پر شفیقؔ صاحب کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے ۔

رہا ہے شیوہ ہمیشہ سے انکسار میرا
میں آدمی ہوں بگولہ نہیں غبار نہیں

قناعت وخودداری:

شفیقؔ صاحب میں قناعت اور صبر واستقلال حسبی ونسبی اعتبار سے بہت تھا۔بحثیت معلم کی تنخواہ سے اپنے گھر کے تمام اخراجات پورا فرماتے تھے۔کبھی آپنے تنگدستی کا گلہ وشکوہ نہیں کیا۔بقول شفیقؔ ۔

دولت کی آرزو نہ تمنا ہے مال کی
کافی ہے دے رہا ہے جو میرا خدا مجھے

آپ میں خودداری بھی بے انتہا تھی کبھی کسی سے کچھ طلب نہیں کیا۔اگر کسی نے آپ کے لئے کچھ کرنے کی کوشش بھی کی تو انکار کردیا۔واپس کردیا۔ ۲

آپ کی خودداری سے متعلق راقمہ کے والد قاضی سید فاروق علی گاگرونی آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا وحید صاحب کے دولت خانے پر قرآن خوانی اور دعوت کا اہتمام ہوا۔قرآن خوانی کے فوراً

---

۱ ، ۲ راحتؔ (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹؍ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

بعد دستر خان لگایا گیا چونکہ آپ کو کھانے کی دعوت کا اِذن نہیں تھا اس لئے آپ وہاں سے کھانا کھائے بغیر اٹھکر چلے گئے ۔آپ کے ساتھ جو اپکے ساتھی تھے وہ بھی چلے گئے اس طرح آپنے دوسروں کو نمونہ حیات کا درس دیا۔ [1]

شفیقؔ صاحب کی خودداری کے سلسلے میں مولانا وحیدؔ بیان کرتے ہیں کہ آپ مسجد مستان شاہؒ کے اراکین خاص میں شامل تھے لہٰذا وہاں کا حساب کتاب بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ایک بار آپ کے پاس مسجد کے سلسلے میں وقف بورڈ کی جانب سے خط آیا کہ مسجد کا حساب کتاب بھیجئے ورنہ....ورنہ پڑھتے ہی شفیقؔ صاحب نے فوراً خط لکھا کہ یا تو آکر مسجد سنبھال لینا نہیں تو آئندہ خط میں ''ورنہ'' مت لکھ دینا۔آپ بہت خوددار اور پیکرِ اخلاق مجسمہ تھے۔

روشن خیال اور تعلیم نسواں کے پیرو:

شفیقؔ صاحب کے ذہن میں شروع سے یہ بات تھی کہ مسلم بچیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیئے کیوں کہ جھالاواڑ میں مسلم کمیونٹی کی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم (سیکنڈری وسینیر سیکنڈری) کے لئے اسکول نہیں بھیجا جاتا تھا۔ پردہ داری کے خیال کی وجہ سے لوگوں نے اس طرف توجہ نہیں کی ۔لڑکیوں کو مدرسہ یا مکتب میں بھیجتے یا زیادہ ہوا تو انہیں آٹھویں تک پڑھنے کی اجازت تھی۔ جھالاواڑ گرلز اسکول میں سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری کے درجات میں مسلم کمیونسٹی کی ایک بھی لڑکی نہیں پڑھتی تھی۔

شفیقؔ صاحب ہی جھالاواڑ میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائے جانے کے حق میں کوشش کی۔آپ نے لوگوں سے اس طرف توجہ دینے اور تعلیم نسواں کی اہمیت بتا کر انہیں متفق کیا اور یقین دلوایا کہ بچیوں کی پردہ داری اور انکے تحفظ کا خاص خیال رکھا جائے گا لہٰذا عبدالرؤف خاں (تلمیذ شفیقؔ) کی بہن عزیزہ بیگم جھالاواڑ کی پہلی لڑکی تھی جس نے سیکنڈری میں داخلہ لیا۔وہ باپردہ اسکول جانے لگیں۔اس کے بعد جھالاواڑ میں مسلم لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔اور یہ سب مولوی صاحب کی کوششوں سے ہوا۔ [2] یہ مولوی صاحب کی روشن خیالی اور وسیع النظری ہی کا کمال تھا آپ کا ماننا تھا کہ مسلم معاشرے میں لڑکیوں کو مزید تعلیم دی جانی چاہیئے، ہمارا

---

[1] جناب قاضی سید فاروق علی سے معلوم ہوا۔

[2] عبدالرؤف خان رؤف سے دریافت ہوا مورخہ ۱۴؍اپریل ۲۰۱۳، رکارڈیڈ

معاشرہ اور ہماری لڑکیاں اس قابل ہیں آپ ان سب کوششوں میں کامیاب ہوئے۔

عیب پوشی:

شفیقؔ صاحب کے مزاج کی اہم خوبی یہ تھی کہ آپ کسی کے عیب سامنے نہیں لاتے تھے۔جس طرح اپنی اچھائی اور خدمات وامداد کو چھپاتے تھے اسی طرح لوگوں کے عیب کبھی کسی دوسرے کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے جس کی بات جس تک ہی رہنے دیتے اور نہ یہ ظاہر ہونے دیتے کہ میں تمہاری فلاں بات جانتا ہوں۔ کوئی غلط بات ہوتی تو اکیلے میں اگر وہ مل گیا تو بیٹھا کر بات کرتے تھے۔سرِ عام ہجو کرنا مزاق اڑانا یا عیب بتا کر اسے مایوس وشرمندہ کرنا مولوی صاحب کی فطرت میں نہیں تھا۔ [1]

نظم وضبط:

شفیقؔ صاحب نظم وضبط کے بہت پابند تھے۔آپ سرکاری مدرس تھے لہٰذا آپ کے طلبہ اور تلامذہ نیز پورا شہر آپ کی بڑی عزت واحترام کرتا تھا۔رؤب وداب بھی بہت زیادہ تھا۔جس محفل ومشاعرے میں آپ شرکت کرتے وہاں نظم وضبط خود بخود قائم ہو جاتا۔بہت ادب واحترام سے محافل کا آغاز ہوتا اور اختتام پاتیں۔کسی طرح کا شور وغل یا بدنظمی نہیں ہوتی تھی۔باشعور لوگوں کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔جھالاواڑ میں جتنی بھی نشستیں ہوا کرتی تھیں آپ سرِ محفل ہوا کرتے تھے۔محفل کا اختتام آپ کے کلام سے ہوتا تھا۔ [2]

انصاف پسندی:

راستبازی صاف گوئی سے میری
اہل دنیا مجھ سے گھبرائے بہت — شفیقؔ

مزاج میں انصاف پسندی اور راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔آپ کی حق گوئی اور انصاف پسندی کی وجہ سے لوگ اپنے ذاتی معاملات ومسائل کو سلجھانے کے لئے آپ کی

---

[1] عبدالرؤف خاں رؤف سے دریافت ہوا مورخہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۳،رکارڈیڈ

[2] مولانا وحیدؔ خیاط سے دریافت ہوا،مورخہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱ء ۔

مدد لیتے تھے۔اور آپ کے فیصلے سب کو راس آتے تھے۔مسلم ہوں یا غیر مسلم سبھی آپ کے فیصلے کا احترام کرتے تھے۔ [1]
شفیقؔ صاحب میں یہ صلاحیت تھی کہ آپ اعتماد رکھنے والوں کے ہی فیصلے کیا کرتے تھے۔منگل پورا ٹیک پر دو بھائیوں (متھر الال جی اور ان کا بھائی) کا خاندان رہتا تھا۔دونوں بھائیوں میں مکان کو لے کر ٹکراؤ ہوا تو ان کا فیصلہ مولوی صاحب نے ہی کیا اور دونوں بھائیوں نے آپ کا فیصلہ خوشی خوشی مانا [2]

بہترین حافظہ:

شفیقؔ صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا۔باتیں یاد رکھتے تھے۔آپ ذوقؔ اور غالبؔ کے بہت بڑے مداح تھے۔ان شعراء کے اشعار اس طرح زبان زد تھے کہ موقع بموقع وہ اشعار سنایا کرتے تھے [3]
راحتؔ صاحب نے بدیع الزماں خاورؔ کے مجموعہ کلام ''بیاض'' پر بعنوان ''بیاض ادب کی کسوٹی پر'' ایک تبصرہ لکھا تھا۔جس میں انہوں نے 'بیاض' کے اشعار کی کاٹ کی تھی اور اس کے برخلاف اصل اشعار پیش کر 'بیاض' کی ادبی حیثیت میں گرہن لگا دیا تھا بقول راحتؔ صاحب ''اس میں میں نے جو اشعار پیش کئے ہیں وہ سب شفیقؔ صاحب کے تلاش شدہ تھے اور آپ کی یاد دہانی کی بدولت پیش کئے گئے تھے۔یہ مضمون میں نے مولوی صاحب کی نگرانی میں ہی لکھا تھا۔ [4]

تقویٰ و پرہیز گاری:

شفیقؔ صاحب جب بھی محل ''راجیند رولاس'' میں تشریف لے جاتے تھے تو گلاس سے پانی نہیں پیتے۔آپ بہت احتیاط کرتے تھے۔کبھی کسی محفل و اجلاس میں جاتے وہاں مجسمہ پر پھول مالا پہنانے کی رسم ہوتی تو آپ اپنی مالا کسی دوسرے کو دے دیتے خود کبھی نہیں پہناتے تھے۔ [4]

حساس و رحم دل:

آپ بہت رحم دل اور سخی کردار کے حامل تھے۔مجبور و بے سہارا لوگوں کی امداد کرنا اپنا فرض انسانی سمجھتے تھے۔جو کچھ بھی دیتے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔بقول راحتؔ گوالیاری ''میں نے اکثر دیکھا تھا

---

[1] راحتؔ صاحب سے دریافت ہوا۔مورخہ ۱۱/دسمبر ۲۰۱۱

[2] [3]، [5] مولانا وحید صاحب سے دریافت ۱۱/دسمبر ۲۰۱۱ [4] راحتؔ صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹/دسمبر ۲۰۱۱ء

کہ شفیقؔ صاحب اندر جاتے اور مٹھی بند کر کے لاتے اور سوالی کو دے دیتے۔ آپ ہمیشہ مجبور و بے کس اور لاچار کی مدد کیا کرتے تھے۔ ۱؎

مخلص و محبّ:

آپ خلوص و محبت کے دلدادہ تھے۔ بچوں سے بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ اپنے گھروں کے نونہالوں کو میلے ٹھیلے یا ہاٹ بازار میں گھمانے لے جایا کرتے تھے خاص طور سے عرس میں ڈولر وغیرہ میں بچوں کو بیٹھا کر خوش ہوتے تھے۔ ۲؎ مولوی صاحب بزرگوں کی بہت عزت فرمایا کرتے تھے۔ خلوص و محبت آپ میں بے انتہا دیکھی گئی ایک بار جو بھی آپ سے مل لیتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کی اس صفت کی وجہ سے بڑے بڑے شعراء و ادباء آپ سے ملنے خاص طور سے آپ کے دولت خانے پر تشریف لاتے تھے۔ ۳؎

فیاض صاحب نے اپنے خط میں شفیقؔ صاحب کی شخصیت کی جملہ صفات کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے۔ لکھتے ہیں ''اس ناپائدار دنیا میں ایک چیز کسی نہ کسی طرح پائدار کہی جا سکتی ہے اور وہ ہے شفیقوں کا سلوک۔ آپ نے اس کی مثال قائم کی ہے۔ اس ناچیز کو آپ نے جس خلوص سے نوازا اسکے لئے شکریہ کے الفاظ محض رسمی اور پھیکے پڑیں گے۔۔۔۔ یہاں بھٹناگر صاحب کے ذریعہ جو تعارف آنجناب کا اس ناچیز کو ہوا تھا وہ دماغ میں ایک دم کوند گیا۔ آپ کی شخصیت مجسم میرے سامنے صاف شفاف طریقہ میں ظاہر ہو گئی۔ آپ کی سلیس اور نپی تلی طرز گفتگو، آپ کا اندازِ بیاں، آپ کی علمیت، آپ کی پاکیزہ پوشاک، آپ کا قد و قامت سب یک لخط میں تازہ ہو گئے۔ بڑا عجیب تجربہ ہوا۔ اس کا ثانی میرے خیال میں نہیں آتا۔ آپ اس احقر کو اپنے کرم سے نوازتے رہے۔ یہ محض آپ کا محسن ظن ہے۔ بیشک میرا دل مکمل گواہی دے رہا ہے۔ یہ آپ کی بزرگی اور برتری کا بھی ثبوت ہے'' ۴؎

۱؎، ۳؎ راحتؔ صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹؍دسمبر ۲۰۱۱

۲؎ قاضی سید فاروق علی گاگرونی سے دریافت ہوا۔

۴؎ فیاض صاحب کا لکھا ہوا خط ہمارے پیش نظر ہے جو کشنگڑھ سے بتاریخ ۱۲؍اپریل ۱۹۸۳ء لکھا گیا۔

وفات:

جب تک رہو زمانے میں دل میں خیال ہو
جائیں جہاں سے تو جہاں کو ملال ہو شفیقؔ

زندگی اور موت سے متعلق شفیقؔ صاحب کا نظریہ بہت صاف تھا جو انسان اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک دن جانا ہے۔لیکن جب تک وہ دنیا میں رہے اچھے کام کرے تا کہ دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ یاد کریں۔

۲رفروری ۱۹۸۷ء بروز پیر کا طلوع آفتاب ہندوستان اور خاص کر جھالاواڑ کے ادبی و شعری حلقوں کے لئے آفتاب قیامت ثابت ہوا۔آسمان ادب پر چمکتا ہوا ایک اور ماہتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ یہ ماہتاب ادب ۱۹۲۹ء (ادبی زندگی کا آغاز) سے ۱۹۸۷ء تک اپنی روشنی سے بزم شعرو سخن کو منور کرتا رہا۔اس چشمہائے شعروادب سے لاتعداد تشنہ گان علم وفن سیراب ہوتے رہے۔آپ کی تدفین جھالاواڑ میں ہوئی۔

شفیقؔ صاحب کی وفات کے سلسلے میں راحتؔ گوالیاری فرماتے ہیں کہ ''آپ کو آخری وقت میں اختلاجِ قلب کی شکایت رہنے لگی تھی۔اور اسی کی وجہ سے آپ کا انتقال ہوا آپ کو ۲رفروری ۱۹۸۷ء صبح کے وقت اچانک دل کا دورا پڑا۔آپکو اسپتال لے جایا گیا لیکن اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں آپکا وصال ہو گیا۔دوسرے دن آپکی تدفین ہوئی۔ [۱] آپ کے کتبہ پر مشہور و معروف شاعر خداداد مونسؔ کا لکھا ہو قطعہ تاریخ کندہ ہے ۔لکھا ہے ؎

ہو گئے واصلِ حق جنابِ شفیقؔ
آہ! ویراں ہو گئی شعر کی انجمن
بہر تاریخ مونسؔ نے سچ ہی کہا
بجھ گیا ہائے ہائے چراغِ سخن

۲رفروری ۱۹۸۷ء

جھالاواڑ کا ہر باشندہ چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم آپ کا بہت زیادہ ادب واحترام کرتا تھا۔جھالاواڑ کے

---

[۱] جناب راحت گولیاری (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۱، رکارڈیڈ

مشہور ومعروف کوی اور ساہتیہ کار جناب رگھوراج سنگھ ہاڑا نے آپ کے انتقال کی خبر مولانا وحید کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ’میں کس طرح کہوں کہ وہ نہیں رہے، ان کا انتقال ہو گیا‘‘۔ اتنی دلی محبت تھی کہ آپ کے انتقال کی خبر سنانے میں بھی ہاڑا صاحب کو تکلیف ہو رہی تھی۔ ۱؎

شفیقؔ صاحب کے انتقال سے جھالا واڑ ہی نہیں بلکہ راجستھان کی ادبی دنیا کو گہرا جھٹکا لگا۔ شفیقؔ صاحب کے انتقال کی خبریں صوبے کے نامور اخباروں ’’راجستھان پتریکا ((کوٹہ سنسکرن‘‘) دینک نوجیوتی‘‘ ’’دینک دھرتی کرے پکار‘‘ وغیرہ میں شائع ہوئیں۔ اور جھالا واڑ وکوٹہ سے شائع کردہ روزانہ اور ہفتہ وار جرائد میں خراجِ عقیدت پیش کی گئیں۔ ۲؎

شفیقؔ صاحب کے انتقال پر مقامی شعراء، ادباء نے اپنے اپنے انداز میں اظہار تعزیت کیا۔ مختلف اخبارات ورسائل میں آپ کے بارے میں لکھا گیا۔ خراجِ عقیدت کے طور پر تعزیتی مضامین شایع ہوئے۔ اس موقع پر ہندوستان کے وزیرِ اعظم جناب راجیو گاندھی، کلا سنسکرتی راجیہ منتری شرمتی کرشنہ ساہی، راجستھان کے گورنر بسنت دادا پاٹل، وزیر اعلیٰ ہری دیو جوشی، شرمتی کملا کلا سنسکرتی منتری راجستھان، صدر راجستھان اردو اکادمی، صدر راجستھان ساہتیہ اکادمی، صدر راجستھان بھاشا ساہتیہ اکادمی، صدر کیندریہ ساہتیہ اکادمی دہلی، مشہور دانشور مہاراجہ ڈاکٹر رگھو ویر سنگھ سیتا مؤ وغیرہ کے تعزیتی پیغام ملے۔ سبھی نے شفیقؔ صاحب کے انتقال کو ادبی سانحہ قرار دیا۔ بقول محمد عثمان عارفؔ نقشبندی سابق کیندریہ راجیہ منتری اور شاعر ’’شفیقؔ صاحب ایک چمکتے ہوئے ستارے تھے، راجستھان اردو اکادمی نے ۱۹۸۰ میں ’’انتخاب کلام شفیقؔ‘‘ کے نام سے آپ کی ایک کتاب شائع کرا کر اردو دنیا کو مستفیض کیا ہے۔ ان کے انتقال سے اردو دنیا کو بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ میری آواز انکی خراجِ عقیدت میں ملا لو۔‘‘ ۳؎

۱؎ جناب مولانا وحیدؔ (تلمیذ شفیقؔ) سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲؍دسمبر ۲۰۱۱ء۔

۲؎ جناب رمیش چندر وارد سینیو جک اور کلا سمیکشک، کاویہ کلش (رجسٹرڈ سنستھان راجستھان ساہتیہ اکادمی کے لیٹر پیڈ پر راحتؔ گوالیاری کو خط میں لکھا۔ مورخہ ۱۹؍مارچ ۱۹۸۷ء

۳؎ اخبار دینک دھرتی کرے پکار میں ایڈیٹر نوٹ (ہندی رسم الخط) ایڈیٹر اوم نارائن سکسینہ، کوٹہ مورخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۸۷-۳

جناب راحتؔ گوالیاری اپنے تعزیتی مضمون '' آہ! شفیقؔ محترم کی یادیں رہ گئیں'' میں لکھتے ہیں

'' جھالاواڑ میں اردو ادبی ماحول جناب شفیقؔ صاحب کا مرحونِ منت رہا ہے کیوں کہ یہاں کے جملہ شعراء موصوف سے ہی اصلاح سخن لیتے رہے تھے۔ افسوس کہ یہ شعر وسخن کا بےلوث خادم جس نے اپنے خونِ جگر سے چمن اردو کی آبیاری کی اور گیسوئے اردو کو سنوارا، اپنے تمام احباب اور شاگردوں کو روتا چھوڑ کر ایک پل میں دنیا سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوگیا کہ ؎

اچھے اچھے کو یہ کر لیتی ہے آگے آگے
گلشنِ دہر میں جب بادِ فنا چلتی ہے [1]

مشاہیرِ ادب کی آرا:

اردو ادب کے مفکرین اور علماء اور شعراء نے مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی شخصیت ،علمیت اور ادبی خدمات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ان اصحاب کی آرا ان کے لکھے ہوئے خطوط اور مضامین میں موجود ہیں۔ جن کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے:

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب

'' جھالاواڑ ایک زمانہ میں چھوٹا سا ادبی مرکز رہا ہے مگر پچھلے ۳۰-۳۵ سال کے عرصے میں وہاں مولانا کی واحد شخصیت نے اردو کو زندہ رکھا ہے۔ کم از کم میں عرصہ سے یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ جھالاواڑ کی ادبی روایات کو زندہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں کئی مرتبہ مولانا موصوف سے گفتگو بھی ہوئی۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ حضرات نے یہ بیڑا اٹھایا اور یہ سلسلہ جاری کیا ہے۔ انشاءاللہ اس کے بعد جھالاواڑ میں ادبی تقریبات کا ماحول قائم ہوگا اور اردو کو صرف مشاعروں تک ہی محدود نہیں رکھا جائیگا''۔[2]

[1] مضمون '' آہ! شفیقؔ محترم کی یادیں رہ گئیں'' (ہندی رسم الخط) مطبوعہ دینک دھرتی کرے پکار، کوٹہ مورخہ ۱۴/ مارچ ۱۹۸۷-

[2] خط از ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب بنام جناب راحتؔ گوالیاری، مورخہ ۱۲/ اپریل ۱۹۸۱ء ٹونک

جناب اقبال ساگر :

''اردو کی منزل کی جانب چلنے والے ہمسفروں میں آپ کا نام بھی لکھ دیا جائیگا۔ آپ کی خدمت، آپ کی محنت جو آپ نے اردو زبان کے لئے صرف کی، کبھی رائیگاں نہ جا سکے گی۔۔۔۔۔۔ میں خدا سے دعاء گو ہوں کہ آپ کی عمر دراز کرے اسی طرح آپ کا سایہ اردو ادب پر اور ہم پر قائم رہے۔ ١ؔ

جناب پری شنکر شری واستو :

''شفیقؔ مہاراج ہائی اسکول جھالاواڑ میں فارسی اور اردو کے سینئر ٹیچر ہیں اور اپنے سرل سوبھاؤ اور قابلیت کے لئے مشہور ہیں۔۔۔۔ جھالاواڑ میں شعر و ادب کی محفلیں جو کسی زمانے میں گرم رہا کرتی تھیں اب تو بالکل سرد پڑ چکی ہیں۔ ان محفلوں کی یاد اگر تازہ کرنا چاہیں تو شفیقؔ صاحب سے ملئے، بات کیجئے اور ان کا کلام سنئے۔ ٢ؔ

جناب مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیقؔ :

''مہاراجرانا سرراجندر سنگھ بہادر کی اچانک وفات (١٩٤٣ء) کے بعد علم و ادب قطعی سرد پڑ چکا تھا اور جسم بے جان کی طرح آخری لمحات طے کر رہا تھا اور کسی بھی وقت دم توڑ سکتا تھا۔ چونکہ مہاراج بیکونٹھ واسی کے بعد ہی حضرت نیرنگ بھی جھالاواڑ کے تمام اہلِ سخن، اہلِ قلم کو (١٩٤٧ء) داغ مفارقت دے کر راہیٔ عدم ہوئے۔ دونوں سرپرستوں کی سرپرستی سے محروم ہو جانا یقینی تھا کہ ہر اہلِ سخن تاریکیوں میں بھٹکتے ہوئے علم و ادب کے دائرے سے باہر ہو جاتا، مگر جناب شفیقؔ نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور ہر اہلِ زبان کے مردہ جسموں میں نئی جان ڈال کر مشقِ سخن پر گامزن کیا۔ اور از سرِ نو بزمِ سخن کی بنیاد ڈالی۔ جس کا صدر جناب شفیقؔ کو منتخب کیا گیا۔ آپ آج تک بھی اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے کلام بلاغت نظام کی توصیف میں زبان عاجز ہے۔'' ٣ؔ

١ؔ خط از اقبال ساگر (سابق کلچرل سیکریٹری ہندوستان چنک کلب) ادے پور، مورخہ ١٠/اپریل ١٩٨١ء

٢ؔ راجستھان کے موجودہ اردو شاعر مصنفہ جناب پریم شنکر شری واستو، (ہندی رسم الخط) مطبوعہ راجستھان اردو اکادمی ادے پور ١٩٦٦ء صفحہ- ٤٣٥

٣ؔ مقالہ یادگار شفیقؔ از مظفر حسین مظفرؔ قلمی (غیر مطبوعہ) تاریخ تحریر ١٩/اپریل ١٩٨١ء ص- ٦

شفیق محترم کی شخصیت پر مظفر صاحب کا قطعہ ملاحظہ کیجئے ۔

ان کے دل میں قدر انساں ان کا دل انسان دوست
ان کا مسلک صلح کل ہے نام ہے عبد السلام
دوستوں ہے عمر بھر کا ان کا دستور العمل
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

محترمہ کمل شبنم کپور :

''جھالاواڑ میں اردو ادب کی ایک وسیع روایت رہی ہے۔ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق اس روایت کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ مولوی صاحب خود بھی اس گزرے ہوئے زمانے کی آخری اور معتبر کڑی ہیں۔''[1]

جناب خلیل الرحمٰن خاں (ریٹائرڈ ان ایکٹیو پولس جھالاواڑ) نے ہندی رسم الخط میں ایک دوہا لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں[2] ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جلیل خاں جلیل عرف جلوشکاری کی ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں ۔

بزم سخن میں رنگ پیامِ شفیق ہے
مشہور ہر دیار میں نامِ شفیق ہے
تعریف کیا جلیل ہو مجھ سے شفیق کی
کہتا ہوں بہترین کلامِ شفیق ہے

---

[1] جھالاواڑ کے اردو ساہیتہ کار مضمون نگار کمل شبنم کپور، (ہندی رسم الخط) مطبوعہ اسماریکہ (کالج میگزن جھالاواڑ) مورخہ، ۱۰،۱۱/ اکتوبر ۱۹۸۴ء ص-۲۵

[2] جشن شفیق کے موقع پر خلیل الرحمٰن صاحب نے اس دوہے کے ذریعہ اپنے تاثرات بیان کئے۔

بابِ سوم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی

۱. غزل: تعریف اور فن

۲. غزل: تاریخ

۳. مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تخلیقات وتصانیف

۴. مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی کی خصوصیات

۵. مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی کا تجزیہ مضامین کے حوالے سے

غزل میں مضامینِ عاشقانہ،تصوف وفلسفہ،خمریات،اخلاقی اور اصلاحی پہلو،قومی اور وطنی شعور،عصری آگہی،زندگی اور موت،سوز وگداز،شمع وپروانہ تلمیحات اور متفرق مضامینِ غزل کے اشعار۔

٦. مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی فارسی غزلیں

بابِ سوم
مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی

غزل: تعریف اور فن

غزل اردو شاعری کی سب سے اہم اور مقبول ترین صنف ہے۔ عالمی سطح پر غزل ہی شاعری کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہے یا یوں کہیں کہ جب کبھی شاعری کا نام آتا ہے تو اسے غزل تصور کیا جاتا ہے جب کہ یہ شاعری کی ایک صنف ہے۔ اردو شاعری کی ابتداء سے لے کر آج تک غزل نے ہی دامنِ شاعری کو سب سے زیادہ وسعت بخشی ہے۔ اس کی مقبولیت کے سبب جناب رشید احمد صدیقی نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو قرار دیا ہے۔ [۱] اور ہمارے غزل گو شعراء نے اس آبرو کو ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ یوں تو غزل کی تعریف میں بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے مگر اس کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے ''بازنانِ عشق وگفتن'' یعنی عشق ومحبت کی باتیں کرنا اور اس کے لغوی معنیٰ ہیں عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے حسن وجمال کی تعریف کرنا۔ اصطلاح میں اشعار کے اس مجموعہ کو غزل کہتے ہیں جس میں عاشقانہ مضامین کا بیان ہو۔ حسن وعشق کے مضامین کے علاوہ غزل میں فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، معرفت الٰہی، پندونصائح، حیات وکائنات وغیرہ کا بیان بھی شامل ہے۔ [۲] لیکن غزل کا خاص موضوع حسن وعشق ہی ہے بقول مجنوںؔ گورکھپوری ''اصلی غزل وہ ہے جس میں عشق ومحبت کی فضا چھائی ہو۔'' [۳]

غزل کے فن پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام آسی رشیدی لکھتے ہیں ''غزل اپنی مخصوص لفظیات اور علامتوں کے ذریعہ حسن وعشق، کیفیات وواردات عشق، اخلاق وتصوف، فلسفہ وحکمت، اسرار ورموز، حیات و

---

۱ اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی (مضمون ''جدید غزل'' از رشید احمد صدیقی) مطبوعہ عامر آفسیٹ پرنٹرز دہلی۔ ایڈیشن ۱۹۹۰ء ص ۹

۲ سہ ماہی ادیب مدیر خلیل احمد بیگ (مضمون ''اقسام نظم ونثر'' از شفیع احمد صدیقی) مطبوعہ آفسیٹ کلر پرنٹرز اچل تال علی گڑھ۔ ناشر جامعہ اردو علی گڑھ۔ جلد ۱۸، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۴ء نمبر ۱-۴، ص ۶

۳ اردو شاعری کا فنی ارتقاء مصنفہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری (مضمون ''شعر اور غزل'' از مجنوںؔ گورکھپوری) مطبوعہ عفیف آفسیٹ پرنٹرز دہلی-۶ ۲۰۱۰ء ص ۵۳

کائنات کی عقدہ کشائی اور زمانے کے حالات وکوائف بیان کرنے کا فن ہے۔ جس میں حاوی رجحان حسن وعشق کا ہے۔ غزل کی مخصوص لفظیات سے مراد یہ ہے کہ غزل تمام شعری اصناف میں نازک ترین صنف ہے جو نامانوس ثقیل اور بعید از فہم الفاظ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ غزل کے الفاظ نرم وشیریں، سادہ ودلکش اور موضوع کے اعتبار سے بلند آہنگ بھی ہوسکتے ہیں مگر انداز میں والہانہ پن، بے ساختگی اور آمد کی کیفیت کے ساتھ ساتھ اصل چیز وہ ہے جس کی طرف غالبؔ نے اشارہ کیا تھا ۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادۂ ساغر کہے بغیر'' [1]

اجزائے غزل:

غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں مطلع کہلاتا ہے اور بقیہ اشعار ''فرد'' کہلاتے ہیں۔ اگر ایک مطلع کے بعد دوسرا شعر بھی مطلع کا ہو تو اسے حسن مطلع یا زیب مطلع کہا جاتا ہے۔ [2] غزل کے بقیہ اشعار میں صرف دوسرے مصرعے میں ہی قافیہ اور ردیف ہوتا ہے۔ شعراء نے بغیر ردیف کی غزلیں بھی کہی ہیں لیکن عموماً قافیہ کے بعد ردیف ہوتی ہے۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے جس کی پہچان اس پر لگے بت کے نشان ( ) سے ہوتی ہے۔ اس شعر کو مقطع کہتے ہیں۔[3] غزل میں اشعار کی تعداد تین سے لے کر زیادہ سے زیادہ پچیس تک ہوتی ہے۔[4] غزل میں وزن اور بحر کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ وزن غزل کا اہم اور ضروری جز ہے۔ وزن سے شعر میں موزونیت، شعریت اور موسیقیت پیدا ہوتی ہے اور یہ غزل کی زمین کو بھی طے کرتی ہے۔ جبکہ ردیف اور قافیہ بحر کے تابع ہوتے ہیں۔

---

[1] اردو غزل کا تاریخی ارتقا مصنفہ ڈاکٹر غلام آسی رشیدی مطبوعہ ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۲ ۲۰۰۶ء، ص ۳۲۹، ۳۳۰

[2]، [4] سہ ماہی ادیب مدیر خلیل احمد بیگ (مضمون ''اقسام نظم ونثر'' از شفیع احمد صدیقی) مطبوعہ آفسیٹ کلر پرنٹرز اچل تال علی گڑھ۔ ناشر جامعہ اردو علی گڑھ۔ جلد ۱۸، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۴ء نمبر ۱-۴، ص ۶

[3] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶، ایڈیشن ۱۹۹۵ء ص ۲۸

غزل میں اوزان کے تجربے اور نئی بحروں کی ایجاد ہر دوَر میں ہوتی رہی ہے اور یہی غزل کی تازگی کا سبب بنتی ہے۔[1] غزل کے تمام مصرعے ایک ہی وزن اور بحر میں ہوتے ہیں جب کہ ہر شعر کا مضمون جدا ہوتا ہے لہٰذا غزل کے دو مصرعوں میں ہی شاعر اپنا مضمون مکمل کرتا ہے اور اس کے لئے وہ مجبوراً اختصار اور رمز و کنایہ سے کام لیتا ہے۔ دیگر اصنافِ شاعری کی طرح غزل خارجی نہیں بلکہ داخلی صنفِ سخن ہے۔ کیوں کہ اس میں شاعر وہی بات نظم کرتا ہے جو اس کے دل پر گزرتی ہے۔[2]

غزل کی تاریخ:

غزل کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس کے آغاز و ارتقاء کے سلسلے میں محققین کی رائے ہے کہ غزل عربی قصائد کی تشبیب سے اخذ کی گئی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب قصیدہ عرب حکمرانوں کے ساتھ ایران پہنچا تو یہاں فارسی شعراء نے قصیدے سے تشبیب یا نسیب کو الگ کر کے غزل کے نام سے ایک مستقل صنف سخن ایجاد کی۔ غزل کی ابتداء کا سہرا قدیم فارسی شاعر رودکی کے سر ہے۔ ''اردو غزل کا تاریخی ارتقاء'' کے مصنف ڈاکٹر غلام آسی رشیدی نے مولانا شبلی نعمانی (شعر العجم) کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''فارسی شاعری کا آدم رودکی کو خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے زمانے میں غزل کی صنف مستقلاً وجود میں آ چکی تھی عنصری کہتا ہے کہ:

غزل رودکی وار نیکو بود
غزل ہائے من رودکی وار نیست

رودکی نے نہ صرف یہ کہ قصیدے سے نسیب کو الگ کر کے غزل کا پیکر تیار کیا، اس کے برتنے کا پہلا عملی تجربہ کیا بلکہ غزل میں عشقیہ شاعری کا ایک معیار بھی قائم کر دیا''۔[3]

عربی قصائد کی تشبیب سے جنمی غزل نے فارسی والوں کے یہاں پرورش پائی اور فارسی سے یہ اردو میں منتقل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب اردو عام بول چال کی زبان بن گئی، تقریباً اسی وقت سے فارسی شعراء کی غزلیں

---

[1]، [3] اردو غزل کا تاریخی ارتقاء مصنفہ ڈاکٹر غلام آسی رشیدی مطبوعہ ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹر دہلی ۲ ۲۰۰۶ء، ص ۱۴

[2] تاریخ ادب اردو مرتبہ نور الحسن نقوی مطبوعہ ایم کے۔ آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶، ایڈیشن ۲۰۰۸ء ص ۳۱ تا ۳۳

ہندوستان پہنچنے لگیں تھیں، جن میں ایک مصرعہ اردو کا اور دوسرا فارسی کا ہوتا تھا۔ حضرت امیر خسرؔو کی غزلیں اسی طرح کی ہوتی تھیں۔ ۱؎ انہوں نے فارسی اور اردو کی ملی جلی غزل ''ریختہ'' میں طبع آزمائی کی۔ ۲؎ امیر خسرؔو کو ہی اردو کا پہلا غزل گو شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ شمالی ہند میں امیر خسرؔو کے بعد آپ کے پیر بھائی امیر حسؔن دہلوی کے یہاں ابتدائی غزل کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ غزلیں امیر خسرؔو کے انداز میں ہی کہی گئی ہیں۔ اس کے بعد قریب قریب تین سو سال تک شمالی ہند میں غزل گوئی کے بہت کم نمونے تحقیق کاروں کو دستیاب ہو سکے۔ ۳؎

ہندوستان میں اردو غزل کی ابتدا اگرچہ شمالی ہند میں ہوئی مگر اس کو پھلنے پھولنے کا موقع دکن اور گجرات میں ملا۔ یہاں ۱۵۰۰ء سے ۱۷۰۰ء تک اردو شاعری خصوصاً غزل کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ۴؎ دکن کا پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ ہے جس کے دیوان میں غزلیں موجود ہیں لیکن جن شعراء کے نام بطور غزل گو شاعر اہمیت کے حامل ہیں وہ ہیں: سراؔج اورنگ آبادی اور ولؔی دکنی۔ تقریباً ۱۷۰۰ء میں ولؔی دکنی کے دہلی آنے سے شمالی ہند میں پھر سے غزل گوئی کا دوٗر شروع ہوا۔ ولؔی نے غزل کو فارسی غزل کے مرتبے تک پہنچا دیا۔ ۵؎

شمالی ہند میں جن شعراء نے ولؔی کی غزل گوئی سے اثر قبول کیا ان میں شاہ مبارک آبرؔو، حاتؔم، مرزا مظہر جان جاناں کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۶؎ اس کے بعد میؔر، دردؔ اور سوؔدا کا عہد شروع ہوتا ہے جسے غزل کے سنہرے دوٗر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دوٗر میں غزل نے سب سے زیادہ ترقی کی۔ میؔر نے اپنے سوز و گداز سے اور دردؔ نے تصوف سے غزل کے دامن کو وسعت بخشی۔ سوؔدا نے رنگین اور شگفتہ اندازِ بیان سے غزل میں مٹھاس اور دلکشی پیدا کی۔ اسی دوٗر میں لکھنؤ میں میر اثؔر، یقیؔن، قائؔم، میر سوؔز، مصحفؔی، انشاؔ، جرأتؔ وغیرہ کی غزلیں بھی قابل ذکر ہیں۔ ۷؎

۱؎ اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز دہلی۔ ۶، ۱۹۹۵ء ص ۲۹

۲؎ ،۴؎ اردو غزل کا تاریخی ارتقاء مصنفہ ڈاکٹر غلام آسی رشیدی مطبوعہ۔ ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی ۲، ۲۰۰۶ء ص ۱۴

۳؎ اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل مصنفہ ڈاکٹر ممتاز الحق مطبوعہ شیبا آفسیٹ پرنٹرس لال کنواں دہلی ۶، ۲۰۰۱ء ص ۸۸

۵؎ ،۷؎ مولوی سلیم الدین تسلیم جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا مطبوعہ کوٹہ والا آفسیٹ جے پور ۲۰۰۵ء ص ۱۰۸، ۱۰۹

۶؎ تاریخ ادب اردو مرتبہ نور الحسن نقوی مطبوعہ ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶، ۲۰۰۸ء ص ۳۳

انیسویں صدی کی ابتداء کا زمانہ شاعری کی اصلاح اور زبان کی صفائی کے لحاظ سے اہم ہے۔اس دوَر میں شاعری اور زبان کے لئے قائدے مقرر کئے گئے۔شعراء نے ان قائدوں پر خود بھی سختی سے عمل کیا اور اپنے شاگردوں سے عمل کرواکر فحش مضامین سے دامنِ غزل کو پاک کردیا۔ان شعراء میں شاہ نصیرؔ دہلوی ناسخؔ اور آتشؔ کے نام اہم ہیں۔ ۱؎ اس دوَر میں غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ اور داغؔ کے نام اردو غزل گوئی کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ان شعراء کی غزلیں اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ایک اور جہاں غالبؔ نے فرسودہ خیالات سے غزل کو نجات دلائی اور مضامین میں تنوع پیدا کیا تو دوسری اور مومنؔ نے جذبۂ عشق کے پاکیزہ بیان سے غزل کے دامن پر لگے داغ دھودئے۔ ۲؎ بیسویں صدی عیسویں میں شادؔ عظیم آبادی اور صفیؔ لکھنوی نے غزل کے خارجی بیان اور ادنیٰ جذبات سے قطع نظر کرا سے داخلی رنگ عطا کیا۔حسرتؔ موہانی، عزیزؔ لکھنوی، فانیؔ بدایونی، جگر مرادابادیؔ ،فراقؔ گورکھپوری وغیرہ نے غزل میں سنجیدگی اور پاکیزگی، رومانیت اور حقیقت، لطافت اور نزاکت پیدا کر کے اسے اردو شاعری کی لافانی صنف بنادیا۔ ۳؎

مختلف ادوار میں ہندوستان کے ہر خطے میں اردو غزل گوئی کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔راجستھان میں بھی ۱۹/ویں صدی کی ابتدا سے غزل گو شعراء موجود تھے۔خاص کر ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد شعرائے دہلی اور لکھنؤ نے راجستھان (راجپوتانہ) کی دیسی ریاستوں کا رخ کیا اور یہاں کے نوابوں اور راجاؤں نے ان کی خوب سرپرستی کی۔انہیں انعام واکرام سے نوازا۔لہٰذا ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہد قدیم میں متعدد صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں جن میں اکبر علی بیگ گلؔ، مولانا سلیم الدین تسلیم جے پوری، مرزا مائلؔ، مولانا مبینؔ، مولانا کوثرؔ، منشی چاند بہاری لال صباؔ، منشی شمبھو دیال دانشؔ جھالاواڑی، نیرنگؔ کاکوروی کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔اسی طرح دوَر جدید کے شعراء میں اخترؔ شیرانی، بسملؔ سعیدی، مخمورؔ سعیدی، ش۔ک۔نظامؔ، مفتونؔ کوٹوی کے نام نمایاں ہیں کہ جن کی

۱؎، ۳؎ اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الدین جنیدی مطبوعہ ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی۔۶، ۱۹۹۵ء ص ۳۰، ۳۱

۲؎ تاریخ ادب اردو مرتبہ نورالحسن نقوی مطبوعہ ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶، ۲۰۰۸ء ص ۳۳

غزلوں میں زندگی کے حقائق ،فلسفہ کے نکات ،سیاسی وسماجی مسائل اور وطن پرستی کے جذبات سب کچھ موجود ہیں۔انہیں سب خیالات ومعاملات کا سرچشمہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزل گوئی کو کہا جا سکتا ہے۔

آپ جھالاواڑ کے کہنہ مشق شاعر تھے۔آپ نے چار دیوان بہاریہ اور دو دیوان نعتیہ اپنی زندگی میں ہی طباعت کی غرض سے مرتب کر لئے تھے جن کی ضخامت ایک ہزار غزلوں سے زائد ہے۔غزلیات کے علاوہ مسدسات، رباعیات،قطعات تضامین مخمسات، نظمیں اور چار بیتیں آپ کے شعری سرمایہ میں شامل ہیں۔آپ کے تحریر کردہ نثری مضامین مثلاً تقاریظ،خطوط اور دینی وادبی مضامین آپ کی بے بہا ادبی اور علمی صلاحیت ولیاقت کے ترجمان ہیں۔

شاعر بڑا حساس ہوتا ہے وہ اپنے محسوسات اور مشاہداتِ حیات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالتا ہے تو شاعری وجود میں آتی ہے۔شفیقؔ صاحب عظمت شاعری اور وقارِ فن کے اس رمز سے واقف ہیں کہ شعر گوئی کوئی ہنسی مذاق نہیں۔آپ کے مطابق شاعری کوئی بچوں کا کھیل نہیں اور نہ ہی یہ ہر کسی کے بس کی بات ہے۔شعر دیکھئے ؎

بازیچۂ ادب ہے شفیقؔ سخن سرا
یہ شاعری ہے شاعری لہو ولعب نہیں

شعر وشاعری کے تعلق سے شفیقؔ صاحب نے بڑے ہی مفکرانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں۔ ’’شوق شاعری قدرت کا عطیہ ہے۔آورد وآمد کا دل شیفتہ ودلدادہ ہے۔بات میں بات نہو تو وہ بات ہی کیا اسی طرح شعر میں اگر شعریت نہ ہو،حسن وکشش نہ ہو،سوز وگداز نہ ہو،قلوب پر اثر انداز نہ ہو،عوام وخواص سے داد طلب نہ ہو تو اس شعر سے نثر کا ایک ٹکڑا اچھا۔آمد آمد ہی ہے لیکن آورد ایک ہوشیار خیاط سے کم نہیں۔کپڑا بیش قیمت ہو مگر قطع وبرید مناسب اور درست نہیں تو کپڑے کی قدر گھٹ جاتی ہے۔نہ پہننے والا اس بے ڈول لباس کو پہنکر خوش ہوتا ہے، نہ دیکھنے والے اس کو پسند کرتے ہیں۔میں نے کوشش کی ہے کہ آمد وآورد کا توازن قائم رہے اور عروس شعر کا لباس بھی دیدہ زیب ہو‘‘ ۔[1] آپ کے انہیں خیالات وتفکرات کی آئینہ دار آپ کی شاعری ہے۔

---

[1] دیباچہ نیرنگ سخن (دیوان اول) مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی غیر مطبوعہ تاریخ تحریر ۵/جولائی ۱۹۶۸ء ص ۵

شفیقؔ صاحب کی تخلیقات وتصانیف:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی کے ادبی گہرپاروں میں کل چھ دواوین اور ایک فارسی مجموعہ ''کلام فارسی'' شامل ہیں جن میں سے چار دیوان بہاریہ اور دو دیوان نعتیہ ہمارے پیش نظر ہیں۔ جنہیں آپ اپنی زندگی میں ہی اشاعت کی غرض سے مرتب کر چکے تھے لیکن افسوس کہ آپ کا یہ گرانقدر سرمایۂ ادب آج تک اشاعت سے محروم ہے۔ البتہ راجستھان اردو اکادمی نے ۱۹۸۰ء میں شفیقؔ صاحب کے چار دواوین (تین مکمل اور چوتھا نامکمل) کا انتخاب ''انتخاب کلام شفیقؔ'' کے نام سے شائع کر باشندگان جھالاواڑ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور اسے اکادمی کی جانب سے شائع شدہ کتب میں اولیت کا شرف عطا ہوا۔ شفیقؔ صاحب نے والیٔ ریاست جھالاواڑ مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کا دیوان ''دیوان مخمورؔ'' بھی مرتب کیا ہے۔ ذیل میں شفیقؔ محترم کی تخلیقات وتصانیف کا مختصراً تذکرہ پیش ہے:

(۱) دیوان نیرنگ سخن:

''نیرنگ سخن'' المعروف حدیقۂ شفیقؔ حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کردہ شفیقؔ صاحب کا پہلا ضخیم دیوان (بہاریہ) ہے۔ جس پر تاریخ تحریر ۵/جولائی ۱۹۶۸ء درج ہے۔ اس میں ابتدائے شاعری ۱۹۲۹ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک کا کلام شامل ہے۔ دیوان میں ۲۴۵/غزلوں کے علاوہ ۷/مسدسات، ۱۳/تضمینات، ۲/مخمسات، ۱۰/قطعات، ۲۱/رباعیات اور ایک قطع تاریخ برحلت نیرنگؔ کاکوروی موجود ہے۔ غزلوں کی ترتیب بلحاظ حرور تہجی ردیف وار کی گئی ہے۔ جن شعراء کے کلام پر تضمینی خمسے لکھے ہیں۔ ان کے نام ہیں: علامہ اقبالؔ، مرزا غالبؔ، حافظؔ شیرازی، حضرت صائبؔ، علامہ سیمابؔ اکبرآبادی، عزیزؔ لکھنؤی، آرزوؔ لکھنوی، مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ (والیٔ ریاست جھالاواڑ) تسلیمؔ جھالاواڑی (والد موصوف) نیرنگؔ کاکوروی (استاد موصوف)۔

شفیقؔ صاحب نے اس دیوان کو اپنے استاد سخن ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی کے نام منسوب کیا ہے۔ دیوان کی ابتدا بڑے ہی طویل دیباچہ سے ہوئی ہے۔ جس کی ضخامت ۳۱/صفحات پر مشتمل ہے۔

دیباچہ میں شفیقؔ صاحب نے اپنے خاندان کے حالات بیان کرنے کے بعد اپنے استاد ملک الشعراء مولوی عبد الوحید نیرنگؔ کاکوروی کی مختصر سوانح حیات اور نمونۂ کلام درج کیا ہے۔ ساتھ ہی تلامذۂ نیرنگؔ کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ آپ کے والد ماجد مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ کا کلام بطور نمونہ درج ہے۔ موصوف نے اپنے سوانحی حالات اور شعری زندگی کے بارے میں کافی مواد فراہم کروایا ہے یہ دیباچہ تحقیق کاروں کو دعوتِ تحقیق دیتا ہے۔ دیباچہ کے بعد مفتونؔ کوٹوی کا تحریر کردہ مضمون ''کلام شفیقؔ جھالاواڑی ایک تاثر'' کو دیوان میں شامل کیا ہے۔ اور آخر میں ''عرض مدعا'' ہے جو کہ منشی ظہور الدین ظہورؔ جھالاواڑی کا تحریر کردہ ہے۔ دیوان کی ابتداء حمد و نعت سے ہوئی ہے۔ دوَرِ اول کی شاعری پر مشتمل اس ضخیم دیوان میں عاشقانہ کلام کے علاوہ متصوفانہ اور فلسفیانہ خیالات کا عمل دخل زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ غزلوں میں اخلاقیات کا رنگ پیش کیا ہے۔

(۲) تسلیم ادب :

شفیقؔ صاحب کا یہ دوسرا بہاریہ دیوان ہے۔ موصوف نے اپنی کاوشِ فکر کو اپنے والد بزرگوار مرزا رفیق بیگ تسلیمؔ جھالاواڑی کے نام بصد عقیدت و خلوص مورخہ ۲۳/جنوری ۱۹۷۰ء کو معنون کیا۔ تسلیم ادب شفیقؔ صاحب کی ۱۹۶۷ء سے ۱۹۶۹ء کی کاوشاتِ فکر کا مجموعہ ہے۔ دیوان کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار کی گئی ہے۔ البتہ جن ردیفوں کی غزلیں دیوان میں شامل ہونے سے رہ گئیں تھیں انہیں آپ نے ۱۲/جنوری ۱۹۷۰ء سے ۲۲/جنوری ۱۹۷۰ء تک مکمل کرلیں جس کا اعتراف شفیقؔ صاحب نے خود دیوان تسلیم ادب میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

''۱۲/جنوری ۱۹۷۰ء (۱۲ بجے شب) اس وقت یہ خیال آیا کہ جو ردیفیں اس دیوان میں رہ گئیں ہیں وہ پوری کرلی جائیں تو دوسرا دیوان تیار ہوجائے گا۔ چنانچہ یہ پہلی غزل (ردیف پ) اسی خیال کے تحت لکھی''۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں ''۱۲/جنوری سے ۲۲/جنوری تک جو ردیفیں رہ گئیں تھیں وہ پوری ہوئیں''۔

بقول مفتونؔ کوٹوی ''دیوان غزلیات تسلیم ادب میں چند حروف تہجی کی ردیفیں شامل نہیں تھیں مثلاً پ۔ ج۔ ذ۔ ڈ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ وغیرہ لیکن ۱۰-۱۵/روز میں ہی اپنی پرگوئی کے تحت پورا کرکے

دیوان کو مکمل کردیا۔'' ۱؎

دیوان تسلیم ادب میں ۱۷۴ر غزلوں کے علاوہ ایک مخمس بر غزل تسلیمؔ جھالاواڑی (والد موصوف) اور ایک مسدس بعنوان ''غالبؔ'' موجود ہے۔ آپ کا یہ دیوان بھی غزل کے تمام مضامین سے بہرہ ور ہے۔ ۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں ہوئے فرقہ وارانہ فسادات (دنگوں) پر آپ کی لکھی ہوئی مسلسل غزل نہ صرف مؤثر ہے بلکہ ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے۔ آپ کے انداز و بیان میں سادگی اور شگفتگی بدرجۂ اتم موجود ہے جو کہ آپ کا خاصہ ہے۔ آپ نے اپنے صدق جذبات کو بہت قطعیت کے ساتھ اشعار میں پیش کیا ہے۔ آپ کی صاف گوئی نے غزلوں میں تاثیر پیدا کی ہے۔

(۳) تصوارتِ ضمیر:

شفیقؔ صاحب کا یہ تیسرا بہار یہ دیوان خالص غزلوں پر مشتمل ہے۔ جس میں ۷ر جنوری ۱۹۷۰ء سے ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء تک لکھی گئیں غزلیں بلحاظ حروف تہجی ردیف وار مع تاریخ تحریر درج ہیں۔ دیوان کی ہر غزل میں تاریخ تحریر کے ساتھ آپ کے دستخط بھی موجود ہیں۔ آپ نے اس دیوان کو اپنے جد بزرگوار میجر مرزا ضمیر بیگ ضمیر کے نام منسوب کیا ہے۔ دیوان میں کل ۲۰۶ر غزلیں ہیں۔ سیتامؤ قیام کے دوران (جہاں آپ نے فارسی کتب اور دستاویزات کا ترجمہ کیا تھا) لکھی گئیں غزلیں بھی اسی دیوان میں شامل ہیں۔ آپ کے چار سالہ نواسے کی بے وقت موت سے آپ بہت غمگین ہوئے۔ آپ نے ''بیاد کلیم اللہ بیگ مرحوم'' دو غزلیں لکھیں جن میں ایک غزل کی ردیف ''غزل'' ہے اس کے دو اشعار بالخصوص ملاحظہ کیجئے ؎

دکھ بھرے دل کی داستاں ہے غزل
چشمۂ چشم خونچکاں ہے غزل

تیری فرقت میں اے کلیم اللہ
درد ہے آہ ہے فغاں ہے غزل

۱؎ کلام شفیقؔ جھالاواڑی۔ ایک تاثر، مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ شانِ ہند دہلی جون ۱۹۷۲ء ص ۲۵

۴. یوسفستانِ غزل :

اس دیوان میں شفیق صاحب کی جنوری ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۲ء تک کی غزلیں موجود ہیں۔ شفیق صاحب نے ۴/مارچ ۱۹۸۰ء کو اپنا یہ چوتھا دیوان اپنے خسر محترم جناب مولوی سید یوسف علی یوسفؔ کے نام معنون کیا۔ آپ نے اس دیوان کو حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار ترتیب دینے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی چند حروف مثلاً ڈ۔ذ۔ڑ۔ظ۔غ۔ وغیرہ کی ردیف والی غزلیں موجود نہیں ہیں۔ دیوان میں ۲۰۴/غزلیں اور ۳۰/رباعیاں درج ہیں۔

نوٹ: شفیق صاحب کے نعتیہ دواوین کا تذکرہ باب چہارم میں کیا جائیگا۔

انتخابِ کلام شفیق (مطبوعہ)

یہ شفیق صاحب کے کلام کا واحد شعری مجموعہ ہے جسے ۱۹۸۰ء میں راجستھان اردو اکادمی نے اپنے سلسلۂ مطبوعات کی پہلی پیش کش کے طور پر شائع کیا۔ اس میں موجود غزلیں آپ کے دواوین نیرنگ سخن، تسلیم ادب، تصورات ضمیر اور یوسفستان غزل (یہ دیوان اس وقت نامکمل تھا) سے منتخب کی گئیں ہیں۔ یہ غزلیں شفیق صاحب نے خود منتخب کیں تھیں۔ کلام کے انتخاب سے متعلق آپ نے خود ایک بیاض میں تحریر کیا ہے کہ ’’یہ انتخاب پہلے ہی کرلیا گیا ہے۔ ۱۵-۱۷/اشعار کی غزلیات سے ۷-۹/ یا زیادہ سے زیادہ کسی غزل میں ۱۱/شعر ہونگے۔ دیباچہ جو اس کے ساتھ ہے اس میں مجمل تاریخ شعر وسخن جھالاواڑ کی ہے۔ جہاں تک ہوسکا ہے عروض، قوافی وفن ادب کے لحاظ سے ہر شعر کو جانچ کر ہی رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی سہو وخطا کا امکان ہے۔ چاند سورج باوجود اپنی تابانی داغ دھبوں سے خالی نہیں۔‘‘ [۱]

راجستھان اردو اکیڈمی کے اولین چیرمین جناب قمرؔ واحدی نے کتاب کے حرفِ آغاز میں لکھا ہے کہ ’’انتخاب کلام شفیق کو غزل کی کلاسکی روایات کی کڑی کہا جاسکتا ہے‘‘ [۲] حرف آغاز کے بعد گفتنی میں جناب خداداد

---

[۱] یہ سطور شفیق صاحب کی ایک بیاض جس پر L.I.C. متعلقہ ۱۹۷۲ء درج ہے، سے لئے گئے ہیں۔ تاریخ تحریر ۱۵/اگست ۱۹۷۴ء

۲؎ انتخاب کلام شفیقؔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی (حرفِ آغاز از قمر واحدی صاحب) مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۸۰ء ص ۳

مونسؔ نے شفیقؔ صاحب کی غزل گوئی پر اظہار خیال کیا ہے۔ ''مختصر حالات'' موصوف کے خود تحریر کردہ ہیں اور کتاب کے کاتب ہیں جناب رحمت علی خاں رام پوری۔

''انتخاب کلام شفیقؔ'' شفیقؔ صاحب کے افکار عالیہ پر مشتمل مجموعہ ہے۔ آپ کے دلی جذبات اور مشاہداتِ زندگی نے شعری رنگ اختیار کرلیا ہے۔ مجموعہ میں موجود غزلیں شستہ زبان اور سلیس اندازِ بیان کی حامل ہیں۔ غزلوں کی تعداد ۱۸۸ رہے اردو غزلوں کے علاوہ فارسی غزلیں بھی شامل مجموعہ ہیں۔ غزلوں کے علاوہ چند مسدسات اور مخمسات بھی مجموعہ میں موجود ہیں۔ جے پور میں انتخاب کلام شفیقؔ کے اجراء کے بعد جھالاواڑ میں بھی ''جشن شفیقؔ'' کی تقریب مورخہ ۱۹/اپریل ۱۹۸۱ء کو بہت بڑے پیمانے پر منعقد کی گئی۔ اور کل ہند مشاعرے کا اہتمام ہوا۔ جس میں ملک کی نامی گرامی ادبی ہستیوں نے شرکت کی۔ اس پُرمسرت موقع پر جناب قمر واحدی اور خداداد مونسؔ نے بھی شفیقؔ صاحب کی شعری وادبی خدمات کے اعتراف میں کلام پیش کیا۔ ڈاکٹر قمر واحدی کی نظم کا مطلع اور مقطع (جس سے انتخاب کلام شفیقؔ کی اشاعت کا تاریخی مادہ نکلتا ہے) ملاحظہ فرمائیں ؎

خدا کا شکر کہ اب چھپ گیا کلام شفیقؔ ‏ رہے گا اب یہ سدا ضامن دوام شفیقؔ

ہوئی جو مادہ کی فکر ذہن میں آیا ‏ ادب کی شان ہے یہ سب قمرؔ کلام شفیقؔ

۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۰ء

جناب خداداد مونسؔ کی غزل کے آخری تین اشعار دیکھئے ؎

آفریں اے اہل جھالاواڑ بر جشن شفیقؔ ‏ تم نے جی خوش کردیا اس بزم کے اعلان سے

اس زمین پر آئیں ہیں پیہم ادیبوں کے سلام ‏ سندھ سے، پنجاب سے، یوپی سے، راجستھان سے

مونسؔ ہر چند دہر آید درست آید دے ‏ آرہی ہے یہ صدا اس بزم عالی شان سے

مجموعہ کلامِ فارسی

فارسی کلام پر مشتمل شفیقؔ صاحب کا یہ مختصر مجموعہ غیر مطبوعہ ہے۔ جس میں فارسی غزلیات کے علاوہ چند

تضمینات اور قصائد درج ہیں ''کلام فارسی'' سے متعلق مزید تذکرہ اسی باب کے آخر میں موجود ہے۔

دیوانِ مخمورؔ: شفیقؔ صاحب نے والیٔ ریاست جھالاواڑ مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کا دیوان ''دیوان مخمورؔ'' آپ کے جانشین مہاراجرانا ہریش چندر کی فرمائش پر بعد رحلت مخمورؔ مرتب کیا۔ یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔

مذکورہ بالا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تخلیقات کے علاوہ آپ کا بہت سا کلام مثلاً حب الوطنی کلام اور ۱۹۸۰ء کے بعد کا غیر مرتبہ کلام جو کسی دیوان میں شامل نہیں ہے اور رسالوں میں شائع شدہ متعدد کلام آپ کی بیاضات میں موجود ہے۔ جو ایک جداگانہ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

شفیقؔ صاحب کی غزل گوئی کی خصوصیات:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزلوں کو اردو غزل کی کلاسکی روایات کی اہم کڑی کہا گیا ہے۔[۱] آپ کا شمار ہندوستان کے کہنہ مشق شعراء میں کیا جاتا ہے۔ آپ کی غزلوں میں بڑی مٹھاس ہے اور قدیم رنگ تغزل کا رکھ رکھاؤ ہے۔ آپ نے سادہ اور سلیس زبان میں بڑی اچھی باتیں کہی ہیں۔ [۲] شفیقؔ صاحب نے غزل کو اپنے جذبات وافکار کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ آپ نے اردو غزل کے پاکیزہ دامن میں عارفانہ خیالات، صدق جذبات، فلسفیانہ نکات اور تصوف کے وہ گہر نایاب سمیٹیں ہیں کہ جن کی چمک سے دامنِ غزل روشن ہے۔ شفیقؔ کی غزلیں وارداتِ قلبی کی آئینہ دار ہیں۔

شفیقؔ صاحب شعر وسخن میں ہمیشہ اپنے استاد کے ممدوح رہے یعنی آپ کے استاد حضرت ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی آپ کی شاعری کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے۔ نیرنگؔ مرحوم کے کلام میں جو خوبیاں ہیں وہ تمام خوبیاں حضرت شفیقؔ کی غزل گوئی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ بقول جناب مفتوںؔ کوٹوی ''نیرنگؔ مرحوم کے کلام میں لفظی ومعنوی نیرنگیاں بہت ہیں، سخن پروری، معنی آفرینی، محاورہ بندی، لفظی رعایتیں، معنوی گہرائیاں، لفظوں کا رکھ رکھاؤ یہ سب کچھ موجود ہیں۔ یہی خوبیاں شفیقؔ صاحب کے کلام میں بھی ہیں۔ تصوف کی آمیزش بھی ہے اور حسن وجمال سے آویزش بھی، قافیہ اور ردیف کی پابندی ان روایات شاعری کا جزو لاینفک ہے

---

[۱] حرفِ آغاز از قمر واحدی (سابق چیرمین راجستھان اردو اکیڈمی) ''انتخاب کلام شفیقؔ'' مصنف مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۶، ۱۹۸۰ء ص ۳

[۲] گفتنی از خداداد مونسؔ ''انتخاب کلام شفیقؔ'' ص ۵،۶

جن کے یہ امین اور پاسدار ہیں '' ۱؎

شفیقؔ صاحب کی غزلیں شستہ اور شگفتہ انداز کی حامل ہیں۔ زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ کہیں کہیں اردو فارسی کے ثقیل الفاظ کا استعمال روانی بیان کے لحاظ سے ہوا ہے۔ لیکن وہ بہت کم ہیں اور انہیں ہم با آسانی لغت میں تلاش کر سکتے ہیں۔ بقول مرتبین دامانِ باغباں ''آپ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں آپ کی زبان شستہ اور با محاورہ ہے۔ آپ کا کلام عاشقانہ بھی ہے اور عالمانہ بھی۔ تصوف کی چاشنی بھی آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ جوانی کا ذکر بھی ہے اور اس کی یاد بھی'' ۲؎

غزل کے اہم مضامین تصوف و معرفت، اخلاق و فلسفہ، عشق مجاز اور حقیقت، عصری مسائل آپ کی غزلوں میں یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ زمانے کے اتار چڑھاؤ اور حوادث و حالات پر اشعار درج ہیں۔ جو آپ کی فکر انگیزی اور حساس طبیعت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ دیوان تسلیم ادب میں وطن پرستی اور بدنظمی وطن سے متعلق اشعار بالخصوص دیگر دواوین کے زیادہ نظر آتے ہیں جو اس دوَر کے سیاسی اور سماجی حالات کی عکاسی کرتے ہیں جنہیں آپ نے کہیں سیدھے سادے طریقے سے بیان کیا ہے اور کہیں اشاروں اور کنایوں میں۔ سہل ممتنع آپ کی شاعری کی اہم خوبی ہے۔

شفیقؔ صاحب کا کلام عامیانہ خیالات اور مخرب جذبات و الفاظ سے پاک ہے۔ اس موضوع سے متعلق شفیقؔ صاحب کے جذبات خود انہیں کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ لکھتے ہیں ''چونکہ مشاعروں میں والد مرحوم اور استاد مرحوم رونق افروز ہوتے تھے بنظر ادب میں نے غزل کو مبتذل اور فرسودہ مذاق سے نا آشنا رکھا۔ میرے کلام میں وصل، ہجر، زلف گیسو، بوسہ جیسے الفاظ تلاش سے بھی نہیں ملیں گے۔ عریاں جذبات جن میں خاص کشش اور جاذبیت ہوتی ہے، سے مجھے احتراز کرنا پڑا اور نہ مجھے ان سے کوئی تعلق تھا۔ مدرس ہونے کی وجہ سے بھی ایسے

۱؎ مضمون ''کلام شفیقؔ جھالاواڑی ایک تاثر'' مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ شانِ ہند دہلی۔ جون ۱۹۷۲ء ص ۲۵

۲؎ دامانِ باغباں مرتبین شری پریم سنگھ کمار پریمؔ، شری کامیشور دیال حزیںؔ اور شری محمد عثمان عارفؔ نقشبندی۔ مطبوعہ کوئین پرنٹنگ پریس دہلی، ناشر نیشنل اکادمی دہلی، ۱۹۶۸ء ص ۲۴۸

مذاق سے دور رہا کہ جن کو سن کر طلبہ مذاق اڑائیں۔۔۔۔۔۔ داد و تحسین حاصل کرنے کے شوق میں متانت وسنجیدگی کو خیر باد نہیں کہا''۔ ۱

شفیقؔ صاحب نام ونمود سے اس قدر گریزاں تھے کہ آپ نے ذاتی طور پر کبھی منظرِ عام پر آنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ آپ کے تلامذہ کے بے حد اصرار پر آپ نے غزلیں، نعتیں، مسدسات، تضامین ومخمسات وغیرہ شائع ہونے کے لئے ارسال کیں اور آپ کا کلام سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ اس طرح اخبار ورسائل میں کلام کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں پینشن یاب ہونے کے بعد یہ سلسلہ لگاتار جاری رہا۔ دہلی، لکھنو، کلکتہ، بمبئی اور دیگر مقامات کے اخباروں نے آپ کے کلام پر اپنی اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔ نخلستان کے اولین مجلّہ میں بھی آپ کی غزل موجود ہے۔ ۲ اس سلسلے میں آپ کے برادر نسبتی اور شاگرد جناب سید اسحاق علی اسحاقؔ لکھتے ہیں ''آپ نے اپنا کلام اخبارات میں شائع ہونے کے لئے عرصہ تک نہیں بھیجا۔ پینشن پانے کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ دہلی، لکھنؤ، کلکتہ، بمبئی کے مختلف اخبارات ورسائل میں آپ کا کلام اردو فارسی شائع ہوا''۔ ۳

آپ کا کلام بعض اخبارات میں جس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا اس کی مثال پیش ہے:

۱. ہفت روزہ ''صبح وطن''، گورکھپور ۱۵/اگست ۱۹۷۲ء رقم طراز ہے ''مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ ہندوستان کے بزرگ اور ممتاز شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کا کلام ہندوستان کے رسائل وجرائد میں عزت کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ ہم اس نظم کو (بعنوان پندرہ اگست آج ہے) موصوف کے شکریہ کے ساتھ آزادی نمبر میں شائع کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔''

۲. سہ ماہی ''ہما'' لکھنؤ جولائی تا ستمبر ۱۹۷۲ء رقم طراز ہے ''جناب مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جو کہ ملک کے ایک کہنہ مشق اور مشہور ومعروف شاعر اور ادیب ہیں، نہ صرف اردو میں ہی بلکہ فارسی میں بھی آپ سخنوری

---

۱ دیباچہ نیرنگ سخن دیوان اوّل مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، غیر مطبوعہ۔ ص ۳۳،۳۴

۲ متفرق اوراق پر شفیقؔ صاحب کی تحریریں جو راقمہ کے پیش نظر ہیں۔

۳ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مضمون نگار سید اسحاق علی اسحاقؔ غیر مطبوعہ جو کہ شفیقؔ صاحب کی کالی ڈائری میں موجود ہے۔)

کرتے ہیں۔آپ کا کلام ہندو پاک کے موقر رسائل وجرائد میں عزت کے ساتھ جگہ پاتا ہے۔قارئین کے ذوقِ طبع کی سیری کے لئے اس شمارے میں ہم ان کی اردو غزل پیش کررہے ہیں''۔

شفیقؔ صاحب کا کلام جن رسائل میں شائع ہوا ان کا کیٹلوگ خود راحتؔ صاحب نے تیار کیا ہے جو راقمہ کے پیش نظر ہے۔اس میں موجود کلام جن رسائل میں (متعدد بار) شائع ہوا ان کے نام اس طرح ہیں:

ہفت روزہ ''تنویر'' بمبئی ہفت روزہ ''نیشنل فرنٹ'' لدھیانہ ہفت روزہ ''صبح وطن'' گورکھپور، سہ ماہی ''ہما'' لکھنؤ، ماہنامہ ''شان ہند'' دہلی ہفت روزہ ''دارالسلطنت'' دہلی، ماہنامہ '' -گل'' کلکتہ، ''فروغ اردو'' لکھنؤ، ''حسن صحت'' کلکتہ، ہفت روزہ ''پیام انقلاب'' شری نگر کشمیر، ماہنامہ ''بنت حوا'' بمبئی، ''کریمی اسلامی بڑی تقویم'' بمبئی، ''ھدیٰ ڈائجیسٹ'' دہلی، ''الماجد'' سنبھل یوپی، ماہنامہ ''صبح امید'' بمبئی، ماہنامہ ''سلطان الہند'' اجمیر شریف، ماہنامہ ''شاعر'' بمبئی وغیرہ۔

شفیقؔ صاحب نے اپنے کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلا نعتیہ جس میں دو دیوان بعنوان قلزم انوار اور کواکب النعت شامل ہیں۔دوسرا حصہ بہاریہ کلام کا ہے جس میں چار دیوان مکمل ہیں: نیرنگ سخنؔ، تسلیم ادب، تصوراتِ ضمیر، یوسفستانِ غزل۔تیسرا حصہ حب الوطنی کلام پر منحصر ہے جس میں نظمیں، غزلیں، مسدسات شامل ہیں اور آپ کی بیاضات میں موجود ہیں۔آپ کی غزل گوئی کی ابتداء ۱۹۲۹ء سے ہوئی۔آپ کا ابتدائی زمانہ کلام اتفاق سے ضائع ہوگیا۔بقول شفیقؔ ''میری شاعری کی ابتدا ۱۹۲۹ء سے سمجھئے۔ابتدائی غزل نموناً پیش نہ کرنے کا مجھے افسوس ہے۔نہ معلوم کہاں کاغذات میں مخلوط ہوگئی۔یہ مجھے یاد ہے کہ پہلی غزل کے تین چار اشعار استاد کو بے حد پسند آئے اور مرحوم نے اپنی پسندیدگی کا اظہار (ؐ) بنا کر کیا تھا جو میرے لئے باعث مسرت وفخر تھا''۔[۱]

شفیقؔ صاحب کی غزلوں کی مجموعی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ان میں مسلسل غزلیں اور غزل پیکر نظمیں بھی شامل ہیں آپ کی غزلیں کم از کم پانچ یا زیادہ سے زیادہ گیارہ اشعار کی ہیں۔آپ کی غزلوں میں کلاسکی

---

[۱] دیباچہ نیرنگ سخنؔ مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ۔غیر مطبوعہ ص ۳۲،۳۳

روایات کا احترام نظر آتا ہے۔ آپ کا کلام انسانی مسائل اور زندگی کی کشمکش سے اُپجے تاثرات ومشاہدات سے عبارت ہے۔ آپ کی غزلوں کی اہم خوبی مضمون آفرینی ہے۔ آپ نے اپنی قادرالکلامی کی بدولت ایک ہی مضمون کو الگ الگ خیال میں بڑے ہی عمدہ پیرائے میں پیش کیا ہے۔

شفیقؔ کی غزلیں روایتی مضامین سے بے بہرہ ہیں۔ آپ نے غزل کو اعلیٰ وارفع خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ آپ کے کلام میں گل وبلبل کے قصے نہیں ہیں جن کو عام طور پر دنیا پسند کرتی ہے۔ بقول شاعر خود

شفیقؔ اشعار ہوں تیری غزل کے کس طرح دلکش
نہ جن میں نام لیلیٰ ہے نہ جن میں ذکر محمل ہے

جس نیچرل شاعری کی بنیاد سرسید، حالیؔ، شبلیؔ اور آزادؔ نے رکھی تھی اور جسے اکبرؔ، چکبستؔ اور اقبالؔ نے عروج بخشا، اسی کاروانِ ادب کے رکن مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بھی ہیں۔ آپ کی غزلیں اصلاح پسندی کے جذبات فلسفیانہ نکات متصوفانہ اور عارفانہ خیالات اور اخلاقیات کے گہرے مشاہدات سے بہرہ ور ہیں۔ بقول جناب سید اسحاق علی اسحاقؔ ''آپ کے کلام بلاغت نظام میں زبان کا حسن، الفاظ کی شستگی، مضامین کی بلندی بدرجہ اُتم موجود ہے۔ الجھے تشبیہ واستعارہ اور زلف وگیسو کے پھندے، رخسار وکمر کی رنگینی ونزاکت کے ہیجان اور ولولے کلام میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملیں گے۔ مجاز میں حقیقت کا پہلو نظر آئیگا اور جام وساغر، شراب معرفت سے لبریز ان کے اشعار کے وقار کو بلند تر دکھاتے نظر آئیں گے۔''[1]

شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں انداز بیان کی متانت وپختگی، مضامین وخیالات کی بلندی، زبان کی پاکیزگی جیسے مخصوص عناصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ شفیقؔ صاحب کی غزل گوئی پر اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر پریم شنکر شری واستو صاحب نے لکھا ہے ''شفیقؔ صاحب کے اشعار میں آپ کو بیان کی صفائی ملے گی۔ الفاظ کی ترتیب اور بندش میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ خیالات سلجھے ہوئے ہوتے ہیں، سیدھے سادے ڈھنگ سے بڑے پتے کی بات کہہ جاتے ہیں۔ چونکہ پیشے سے مدرس ہیں اس لئے کہیں کہیں آپ کا لہجہ ناصحانہ ہوجاتا ہے''۔[2]

[1] مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ مضمون نگار مولوی سید اسحاق علی اسحاقؔ، غیر مطبوعہ (شفیقؔ کی کالی ڈائری میں موجود ہے) ص ۴

[2] راجستھان کے موجودہ اردو شاعر مصنفہ پریم شنکر شری واستو۔ مطبوعہ راجستھان ساہتیہ اکادمی ادے پور ۱۹۶۶ء ص ۴۳۶

غزل گوئی پر اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں کہ ''عمر کا ایک تہائی حصہ شوقِ سخن کے نظر ہوا اور جو باقی ہے انشاء اللہ اسی شوق کے نظر ہوگا۔ شاعری بے فکری چاہتی ہے فکر و آلام سے رستگاری دشوار مرحلہ ہے۔ میں نے فکرِ سخن کو تفکرات کے عالم میں اپنا سچا ہمدرد اور معاون تصور کیا۔ غم و آلام کی تاریکیوں میں شمعِ سخن نے شاہراہِ شوق میں روشنی کی اور ارتقائے سخن کی دشواریوں کو آسانی سے طے کیا۔ نام و نمود سے بے غرض، داد و تحسین سے بے پرواہ ہوکر عالم سکوت میں شاعری کو وجہ سکون تصور کیا۔ مشاطۂ فکر نے عروس شعر کے بال سنوارنے میں بال برابر کسر نہیں رکھی ہے۔ لیکن کہیں کوئی بال ایسا نظر میں آئے جو آنکھ میں کھٹکے اور مشاطۂ فکر کی ہوشمندی پر حرف ہو تو مداد عفو کے اس کو نذر کر کے احساس تشکر کا زریں موقع ملنا چاہئے۔''[۱]

شفیقؔ صاحب کی غزل گوئی کا تجزیہ مضامین کے حوالے سے:

غزل متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ مضامین غزل سے متعلق اردو ادب میں مختلف نظریات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایک نظریہ کے مطابق غزل کا کوئی خاص موضوع نہیں ہوتا، اس میں ہر طرح کے خیالات و جذبات بیان کئے جاسکتے ہیں۔ جبکہ دوسرے نظریہ کے ماننے والے عشق و محبت کو ہی غزل کا اصل موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس میں بھی دو طرح کے نظریہ دیکھنے کو ملتے ہیں ایک نظریہ کے ماننے والے محض جنسی محبت کو ہی محبت مانتے ہیں جبکہ دوسرے نظریہ کے لوگوں کے یہاں محبت کا دائرہ وسیع ہے وہ عشق حقیقی کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں لہٰذا مجموعی اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزل کسی خاص موضوع کی پابند نہیں۔ انسان کی پوری زندگی ہی غزل کا موضوع بن سکتی ہے۔ غزل کے نقادوں نے غزل کے چند اہم موضوعات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً علامہ شبلیؔ نے غزل کے موضوعات عشق و محبت، تصوف، فلسفہ اور اخلاق کو بتایا ہے۔ حالیؔ نے عشق و محبت، خمریات اور زہاد پر طنز کو غزل کے خاص موضوعات میں شامل کیا ہے۔ وزیر آغا کے مطابق غزل کے تین بڑے موضوعات ہیں: عشق، تصوف اور آزادہ روی[۲]

---

۱ دیباچہ نیرنگ سخن مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص ۶، ۷

۲ اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل مصنفہ ڈاکٹر ممتاز الحق مطبوعہ شیبا آفسیٹ پرنٹرس لال کنواں دہلی ۶۔ ۱۹۹۸ء ص ۳۸، ۴۷

ان آرا کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعر آزادانہ خیالات کی ترجمانی کا مستحق ہے اور غزل کے اشعار کے ذریعہ اخلاق، تصوف، فلسفہ، عشق حقیقی و مجازی، ہدایات و مساوات، خمریات، حیات و کائنات غرض کہ ہر موضوعِ سخن پر طبع آزمائی کر سکتا ہے۔ مضامینِ غزل سے متعلق شفیقؔ محترم کا خیال ہے کہ ''تاریخ شعر شاہد ہے کہ ہر شاعر کا مزاجِ شعری اپنے رنگ کا مخصوص ہوتا ہے۔ کسی کا رنگ فلسفیانہ ہوتا ہے کسی کا صوفیانہ، کسی کو عاشقانہ رنگ پسند ہوتا ہے کسی کو رندانہ۔ کسی کو اپنی ذہنی کاوش سے نام و نمود کی فکر ہوتی ہے، کوئی بے غرض ہو کر اپنے شوق میں مصروف کار رہتا ہے۔ سخن رس نگاہیں سخن شناس طبیعتیں اس کے جواہرات افکار کو ڈھونڈ ہی لیتی ہیں''۔[1]

ہر شاعر کے یہاں کم و بیش مضامین تو وہی ہوتے ہیں، فرق ہوتا ہے تو صرف انداز بیاں کا۔ شفیقؔ کی غزلوں میں آپ کے عہد کے تمام تر مسائل اور مضامین اپنی پوری دلکشی اور تاثیر کے ساتھ موجود ہیں۔ شفیقؔ صاحب نے ایک مسلسل غزل ''غزل'' ردیف سے نظم کی ہے اور اس میں دامنِ غزل کی وسعت کا بیان کیا ہے چند اشعار دیکھئے ؎

دیکھ اے تنگ نظر وسعتِ دامانِ غزل　　غیر محدود نظر آتا ہے میدانِ غزل
یہی تعریف غزل ہے۔ ہے غزل کا منشاء　　بات میں حسن غزل سامنے ہو جانِ غزل
صحن ہو اور تصوف، ہو حیات و اجل　　اور بھی ان کے علاوہ تو ہیں عنوانِ غزل
رنج ہو درد ہو فرقت ہو جنوں ہو وحشت　　یہی اسباب بھی ہیں، ہیں یہی سامانِ غزل
میں سمجھتا ہوں غزل ہو گئی وہ خوب شفیقؔ　　جس میں موزوں ہوں مضامین بھی شایانِ غزل

شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں جن مضامین کے اشعار خاص طور سے نظم ہوئے ہیں ان میں اہم ہیں عاشقانہ، متصوفانہ، فلسفیانہ، اخلاقیات، خمریات، قومی و وطنی جذبات، حیات و کائنات، عصری آگہی، سوز و گداز، شمع و پروانہ وغیرہ۔ انہیں مضامین کے حوالے سے شفیقؔ صاحب کی غزل گوئی کا تجزیہ مع نمونۂ کلام پیش ہے:

---

[1] دیباچہ نیرنگ سخن مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص ۶، ۷

غزل میں مضامینِ عاشقانہ:

غزل کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہے۔اردو شاعری کی ابتداء سے لے کر آج تک ہر شاعر کے یہاں غزل حسن و عشق کی مختلف واردات و کیفیات سے عبارت ہے۔شاعر کا پسندیدہ موضوع بھی یہی عشق ہے۔ وہ اشاروں اور کنایوں میں گفتگو کرتا ہے جس سے دو طرح کے مفہوم اخذ کئے جا سکتے ہیں۔یعنی وہ اپنے اشعار میں حقیقت کا رنگ بھی پیش کرتا ہے، اور مجاز کی لزت بھی ۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنی طبیعت و ذہنیت کے موافق کس مفہوم سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔شفیقؔ صاحب کے اشعار میں عشق حقیقی اور عشق مجازی کا رنگ بلا شبہ ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں عشق ہر طرح کی جسمانی اور جذباتی غلاظت سے پاک ہے۔آپ کے یہاں مجاز ہے لیکن وہ اس انداز میں کہ اس کو پڑھ کر جو جذبہ دل پر طاری ہوتا ہے وہ طبیعت پر گراں نہیں گزرتا بلکہ اس سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔آپ کے اشعار میں عشق حقیقی اور عشق مجازی کا رنگ ملاحظہ فرمائیے۔

شیدا ہوں میں اسکا جسے دیکھا بھی نہیں ہے　　لیکن وہ میرے دھیان سے جاتا بھی نہیں ہے

دیکھیں گے اے شفیقؔ اس پردہ نشیں کو دل سے　　ہم جام معرفت سے مخمور ہو رہے ہیں

کیسی لغزش ہوئی میں دو قدم آگے نہ بڑھا　　وہ میرے ہاتھ سے تھے ہاتھ ملانے والے

حریم حسن میں جب مجھ سے پردہ کر لیا میں نے　　اسی پردہ سے پھر دیداران کا کر لیا میں نے

صبح تک اخر شماری سے پلک جھپکتی نہیں　　یعنی شب کو امتحان دیدۂ بخواب تھا

ان میں آئے نظر انداز تمہارے مجھکو　　گلستاں میں جو نظر آئے نظارے مجھکو

یہ شفیقؔ ان کی اداؤں کا انداز ہے　　عشق ظاہر کر دیا حسن رکھا راز میں

شفیقؔ نے حسن کی تعریف بیان کی ہے لکھتے ہیں ؎

وہ حسن ہے کہ شاہ بنا دے غلام کو
محمود ہو کے شاہ ہوا ہے ایاز عشق

حسن کی تعریف کے بعد عشق کی تعریف بھی ملاحظہ کیجئے ۔

جس کو آنسو بجھا نہیں سکتے آگ ہوتی ہے وہ لگی دل کی

شعراء کے نزدیک عشق وہ جذبہ ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ پھر بھی شعراء نے اس کیفیت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ شفیقؔ صاحب نے جذبۂ عشق پر اظہار خیال کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

عشق نے رکھا نہیں ہے ہم کو محتاج نظر دیکھ لیتے ہیں تصور میں تیری تصویر ہم

جذبۂ عشق کی معراج اسے کہہ دیں کیا جو نہ بولے تھے کبھی آج وہ آ کر بولے

شفیقؔ صاحب نے عشق کی کامیابی کا راز اپنے اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔ لکھتے ہیں ۔

جو محبت میں خود کو کھو نہ سکا عشق میں کامیاب ہو نہ سکا

راہِ عشق کی دشواریاں اور اسے پار کرنے کے لئے عاشق کو جو حوصلہ درقرار ہے، شفیقؔ صاحب کی قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

آئے ہیں راہِ عشق میں ایسے مقام بھی وہ اور بھی گرے جو چلے دیکھ بھال کے

وادئ وحشت کی ہر آفت سے ہم ہیں مطمئن حضرتِ دل آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

وادئ عشق میں اتنے بھی نہیں ہیں کانٹے جنکو پلکوں سے اٹھاؤں تو اٹھا بھی نہ سکوں

محبوب کی تجلی اور بے پناہ حسن کے سامنے عاشق کی کیا حالت ہے آپ خود پڑھئے۔

وہ آنکھ ہی نہیں ہے کہ دیکھوں کسی کو میں جلوہ تمہارا آنکھ کی بینائی لے گیا

گل و گلشن میں مہر و ماہ میں بزم کواکب میں انہیں کی ہے تجلی جو ادھر چلمن کے بیٹھے ہیں

دیکھنا دشوار ہے اس آفتاب حسن کا دھوپ کی جانب نہیں کھلتی ہے آنکھ آئی ہوئی

یوں انکے سامنے نہ دکھائی دیا کوئی سورج کے آگے جیسے نہ ستارا دکھائی دے

میں ان سے دور تھا وہ میرے پاس آ گئے مجھ پر نہ جانے کیا ہوا اس طرح چھا گئے

ہم سوچ رہے تھے یہ کہیں گے وہ کہیں گے عالم تیرا دیکھا تو رہے دیکھ کر بس دنگ

تم ہی نظر میں آئے جہاں تک نظر گئی کیا خاص تھی کشش نہ کسی اور پر گئی

عشق کا جذبہ عاشق کے دل ودماغ پر اس قدر حاوی ہے کہ خود اس کا دل اس کی بات نہیں مانتا، یہاں تک کہ اسے دردِ محبت میں بھی مزہ آرہا ہے۔اشعار دیکھئے ؎

یقیں کیسے ہو میرا دل نہیں بدلا ہوا مجھ سے   یہ اس سے ہے نہایت خوش جو رہتا ہے خفا مجھ سے

مل رہا ہے مجھے دردِ محبت میں مزہ   اپنے بیمار کو اچھا ہے وہ اچھا نہ کریں

عاشق کی محبت سے پیچھا چھڑانا اب معشوق کے بس کی بات نہیں۔اس کے متعلق شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں ؎

حسن اب دنیا نئی اپنی بسائے گا کہاں   دل دیا ہے وسعتِ کونین کے قابل مجھے

محبوب نے دل چرانے کی جو ادا پائی ہے، شفیقؔ صاحب خود تعجب میں ہے کہ ؎

آنکھوں آنکھوں میں کس انداز سے کی ہے چوری   مال چوری بھی گیا اور گیا کچھ بھی نہیں

دل چرانے کا گلہ کس نے کیا   آنکھیں ہم سے تو چرایا نہ کرو

معشوق کے لب ورخسار اور چہرے کی صفات سے متعلق اشعار ملاحظہ کیجئے کہ جن کے لئے شفیقؔ صاحب نے خوبصورت تشبیہات کا استعمال کیا ہے لکھتے ہیں ؎

جس کی پھیلی ہے چاندنی ہر سوں   تیرا چہرہ ہے آفتاب نہیں

کیا شیفتہ اپنی صورت پر وہ ہوتے ہیں پوچھو تو ذرا   جب سامنے رکھ کر آئینہ چہرہ کو سنوارا کرتے ہیں

پھولے نہیں سماتے ہیں گل اپنے جامہ میں   تشبیہ برگ گل کو جو دی اس کے لب کے ساتھ

محبوب کی آنکھوں اور ناز و ادا سے عاشق میں جذبۂ عشق بیدار ہو جاتا ہے۔اس سے متعلق شفیقؔ صاحب کے اشعار دیکھئے ؎

آنکھ پڑتے ہی تڑپ جاتا ہے دل پہلو میں خود   کس بلا کا توڑ ہے اس بے کماں کے تیر میں

جاگنے کا نظر آتا ہے اثر آنکھوں پر   جانے کی تم نے کہاں رات بسر آنکھوں پر

وہ آگ لگائی تیری شوخی نے ادا نے   جس آگ سے مانگی ہے اماں برق بلا نے

دلدوز نظر تیغ ادا خار محبت   تسکین جگر کو یہی سامان بہت ہیں

کس نے چلمن سے کئے جانے اشارے مجھکو　　گھورتے ہیں سر افلاک ستارے مجھکو

معشوق اپنے حسن اور جوانی کے نشے میں اس قدر چور ہے کہ اسے کسی بات کی پرواہی نہیں۔شعر دیکھئے۔

تونے پرواہی نہ کی اپنے شباب حسن میں　　تونے جو چاہا ہوا وہ تیری من مانی ہوئی

تم ہم سے خوش ہوئے نہ ہونگے تمام عمر　　محسوس کر رہے ہیں تمہاری ادا سے ہم

شعراء نے محبوب کے تمام اعضاء کی تعریف میں اپنی قلم سے خوب خوب کام لیا ہے لیکن شفیقؔ صاحب نے اس شعر میں محبوب کی تعریف وتوصیف کے آگے گھٹنے ٹیک دئے ہیں۔لکھتے ہیں۔

میں تو کیا ہوگی نہ مجنوں کے قلم سے تعریف

دل ہے دنیا سے نرالا تیرے دیوانے کا

محبت میں عاشق کی طرف سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے مگر معشوق اس طرف متوجہ نہیں۔اس موضوع پر شفیقؔ کے اشعار دیکھئے۔

وہ رازِ عشق دل میں چھپا کر رکھا جسے　　وہ جانے مجھ سے خط میں لکھا کون لے گیا

ادھر ہے یہ خلش دل میں کہ جلد آئے جواب ان کا　　ادھر عادی ہیں دینے میں جواب آہستہ آہستہ

مجھ سے نہ جانے کیوں ہوئے وہ اس قدر خفا　　خط بھیجنا بھی اب تو کیا میرے نام بند

معشوق کی جفاؤں اور عاشق کی وفاؤں کی داستان ہر شاعر کی زبان پر ہے۔شفیقؔ صاحب نے بھی اس موضوع پر بہت عمدہ اشعار قلمبند کئے ہیں۔لکھتے ہیں۔

ان کا وعدہ اگر وفا نہ ہوا　　یہ تماشا کوئی نیا نہ ہوا

یاد کرلو تمہیں وعدوں سے مکر جاتے ہو　　یہ تو الزام تمہارے لئے جھوٹا بھی نہیں

وہ دیکھتے ہیں اپنی جفاؤں کا تماشا　　ہم اپنی وفاؤں کا ثمر دیکھ رہے ہیں

ہزار بار دیا ہم نے امتحانِ وفا　　اب امتحان میں ناحق بٹھائے جاتے ہیں

میری طرف سے اتنی بھی غفلت نہ کیجئے　　جور و جفا ہی کیجئے محبت نہ کیجئے

جتنے واعدے مجھ سے تھے سب پڑ گئے تاخیر میں واہ کیا الٹا اثر ہے آہ بے تاثیر میں

حسن کی مکاریوں اور چالاکیوں کے آگے عشق لاچار و مجبور نظر آتا ہے۔لہٰذا درج ذیل اشعار میں محبوب کی مکاری اور عاشق کی مجبوری ملاحظہ کیجئے ۔

یہ کیسے پر نکلتے جا رہے ہیں وہ دل پر دل بدلتے جا رہے ہیں

وہ جان بوجھ کر مجھے پہچانتے نہیں کہتا ہوں جانتے ہو تو مانتے نہیں

میں سناؤں درد اپنا تم اسے سنتے نہیں تم سنائے جاتے ہو جو کچھ تمہارے دل میں ہے

محبت بھی مصیبت ہو گئی ہے وائے مجبوری انہیں سے دل ملانا ہے کہ جن سے دل نہیں ملتا

ہے خوشی میں خوشی تمہاری خوشی میری کوئی خوشی ، خوشی بھی نہیں

نہ جان جان کو سمجھا تمہاری الفت میں وہ ایک تم ہو کہ ہم کو گلے لگا نہ سکے

محبت میں انتظار کا الگ ہی مزہ ہوتا ہے۔کبھی کبھی تو یہ انتظار اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ عاشق کی عمر کم پڑ جاتی ہے۔شعر دیکھئے ۔

رہے ہیں زندگی بھر منتظر ہم تم نہیں آئے
چلے دنیا سے لیکر دل میں غم تم نہیں آئے

محبت ہونے کے بعد شاعر عاشق کو صبر وضبط کی تلقین کرتا ہے۔ شفیقؔ کی غزلوں میں یہ موضوع بھی پوری دلکشی اور اثر پذیری کے ساتھ موجود ہے۔لکھتے ہیں ۔

مول لیا ہے دردِ عشق آپ ہی جب تو صبر کر
ہو کے مریض دردِ عشق کرتا ہے ہائے ہائے کیوں

صبر ہو گا سبق آموزِ وفا
بے وفائی تیری عادت ہی سہی

اے ضبط شاد باش تو ہے نازشِ حیات
دل تو بھرا ہوا ہے مگر آنکھ تر نہیں

عاشق اپنے محبوب کی محبت میں جان دینے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔شفیقؔ صاحب نے یہاں بھی اپنے قلم سے خوبصورت اشعار نظم کئے ہیں لکھتے ہیں ؎

اللہ کہ تم پر تو مرنے کی تمنا میں   جینا ہے شفیقؔ اب تو دشوار کئی دن سے

مرنا رہِ الفت میں ایمان سمجھتا ہوں   اس موت کو جینے کی ایک شان سمجھتا ہوں

دیوانگی کے عالم میں عاشق کا گریباں چاک کرنا،ایک عام فطری عمل ہے۔جبکہ شفیقؔ صاحب اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں۔اشعار دیکھئے ؎

کمال جذب جنوں یہ ہے سرشار کریں   جنوں وہ کیا جو گریباں ہی تار تار کریں

وہی جنوں ہمیں پہنچائے گا سر منزل   کہ جس جنوں میں کچھ اپنی خبر نہ ملے

عاشق کے دل کا درد بھی غزل کا اہم موضوع ہے۔اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد بھی عاشق کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ زخمِ دل،دردِ دل سے متعلق اشعار دیکھئے ؎

سنگ دل کو شفیقؔ کیا معلوم   ٹھیس پہنچی جو شیشۂ دل پر

اچھا ہے دردِ دل کا نہ اچھا ہوا علاج   جس کی کوئی دوا نہ ہو پھر اسکا کیا علاج

برسات میں ہرے ہیں میرے دل کی زخم بھی   گویا بہار آئی دلِ داغدار میں

دیتا ہے داد زخم جگر ہو کے بے زباں   گویا کہ چاک دل نہیں کرتا رفو پسند

جان و دل اپنے شفیقؔ ان کے لئے ہیں حاضر   ایسی دولت یہ نہیں ہیں کہ جنکو لٹا بھی نہ سکوں

محبوب کے ظلم و ستم کی انتہا نے عاشق کے دل کو تڑپا دیا ہے۔اور اس کی یہ تڑپ اس کی آہوں اور نگاہوں سے ظاہر ہو رہی ہے اشعار دیکھئے ؎

کس کے غم میں زباں نوحہ گر رہ گئی   ڈوب کر آنسوؤں میں نظر رہ گئی

کس کے نالوں سے یہ فضا گونجی   شورِ محشر بھی ہو گیا خاموش

محبت کی کھیتی تو سوکھی رہی   نگاہوں سے برسات ہوتی رہی

آہ مظلوم یہ طاقت بھی دکھا دیتی ہے سخت پتھر سے دلوں کو بھی ہلا دیتی ہے

معشوق کے ظلم و جبر سے پریشان ہو کر آخر کار شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ؎

خیال اتنا رکھو تم جو چاہو حال کرو

تمہارا چاہنے والا نہ ایک کم ہو جائے

شفیقؔ عاشق کو دل جلوں میں شمار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ؎

ہے کس دل جلے کا وہ شعلہ جس کو ہم آفتاب کہتے ہیں

زمانہ آج اسی روشنی سے ہے روشن جو دل جلوں نے زمانے میں روشنی کی ہے

شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں جو عاشق ہمیں نظر آتا ہے وہ محض دوُر سے ہی اپنے محبوب سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبوب کی جدائی میں بھی لذت محسوس کرتا ہے۔ اسے محبوب کے وصل سے کوئی سروکار نہیں۔ اسکا عشق پاکیزہ ہے، بے مطلب ہے لہٰذا شفیقؔ صاحب کے یہاں غزلوں میں ہجر و جدائی تو ہے لیکن وصل اور اس سے پیدا ہونے والے مخرب جذبات کی ان کے یہاں پابندی ہے اس طرح کا عشق غزلوں میں پیش کرنے کے لئے بڑی احتیاط برتنی پڑتی ہے اور شفیقؔ نے اس کام کو بخوبی انجام دیا ہے۔ ہجر و جدائی سے متعلق چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

کچھ خبر ہے کہ ہجر میں تیرے مر گیا کوئی جاں بلب کوئی

اس کا ملنا بھی مصیبت تھا نہ ملنا بھی ستم نہ وہ ملتا نہ مجھے دردِ جدائی دیتا

کب تک فراق میں آنسو بہائیں ہم انمول موتیوں کو کہاں تک لٹائیں ہم

اگر کبھی عشق کا افسانہ ترتیب دیا جائے تو شفیقؔ صاحب کی اس ہدایت کو ضرور یاد رکھا جائے کہ ؎

ترتیب دیا جائے جب عشق کا افسانہ اس کام میں کر لینا شامل کوئی دیوانہ

اس نئے طرز سے ترتیب ہوا افسانۂ دل جس کے ہر حرف میں ہو جلوۂ مستانۂ دل

عشق کے میدان میں قیس و فرہاد نے جو نام کمایا ہے اس پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے شفیقؔ کا لہجہ کچھ طنزیہ ہو گیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

ہے مقام درس دنیا کے لئے دونوں کا حال — کامیاب اک بھی نہیں ہے قیس وفرہاد میں
یہ کیا عشاق تھے محدود تھی جنکی نظر — کوئی شیریں آشنا تھا کوئی لیلا آشنا
مشہور ہے جنوں کا کہ مجنوں کو تھا مرض — کیا زندہ نام کر گیا یہ نام کا مرض

تصوف وفلسفہ:

انسانی زندگی کا اصل مقصد شخصیت کی تعمیر وتہذیب ہے کیونکہ اسی سے کردار تشکیل پاتا ہے جو انسانیت کی معراج ہے اور اگر کردار ہی پست ہو تو وہ انسانیت کے لئے باعث توہین ہے اسی لئے کلام اللہ اور تمام انبیاء اور اولیائے کرام کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ تعمیر کردار اور تشکیل سیرت ہے اور کردار کی تعمیر اور روحانی نشو ارتقاء کا وسیلہ تصوف ہے۔ تصوف اخلاق وآداب کا نام ہے [1]

اردو شاعری خصوصاً غزل میں تصوف وفلسفہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔شعراء نے غزل میں تصوف ومعرفت کے حقائق شامل کر اس کے موضوع کو وسعت بخشی ہے۔غزل کے اشعار کے ذریعہ انسان کی روحانی تشنگی نیز جذبۂ محبت اور خدائے بزرگ وبرتر کی معرفت کو واضح کیا جاتا ہے۔ [2]

تصوف کا اصلی مایۂ خمیر عشق حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے۔شبلی نعمانی نے عشقیہ شاعری کے لئے عشق حقیقی کو ضروری قرار دیا ہے۔[3] شفیق صاحب بھی شبلی نعمانی کی اس بات سے متفق نظر آتے ہیں تبھی تو آپ نے لکھا ہے ؎

رنگ دوں پھر مجاز کا دفتر
علم ہو جانے دو حقیقت کا

---

[1] مضمون ''تصوف اور تعمیر کردار'' از پروفیسر امتیاز احمد سعید مطبوعہ ہدیٰ ڈائجسٹ نومبر ۱۹۷۷ء ص ۷۴ تا ۷۷

[2] الہام سحر شاعر آرزو سہارنپوری، مقدمہ از ڈاکٹر ہیرالال چوپڑہ مطبوعہ ستارۂ ہند پریس، کلکتہ ۱۹۴۶ء ص ۳)

[3] اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل مصنفہ ڈاکٹر ممتاز الحق مطبوعہ شیبا آفسیٹ پرنٹرس، لال کنواں دہلی ۶، ۱۹۹۷ء ص ۴

شفیقؔ صاحب کی شاعری کا ایک اہم موضوع تصوف اور عشق الٰہی ہے۔عشقِ حقیقی کا جذبہ آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ حسن وعشق کا بیان ہو یا فلسفیانہ رموز کا اظہار سب میں حقیقت کا رنگ نمایاں ہے۔آپ کی غزلوں میں تصوف سے متعلق مختلف موضوعات پر اشعار ملتے ہیں۔مثلاً وحدت الوجود اور وحدت الشہود ،فنا وبقا وغیرہ۔اصلیت میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں ایک ہی ہیں کیوں کہ دونوں عالم میں اس خدائے پاک کا ہی وجود ہے۔لہٰذا اہلِ نظر کو کائنات کے ہر ذرہ میں محبوبِ حقیقی کا ہی عکس دکھائی دیتا ہے۔ان موضوعات پر شفیقؔ صاحب کے اشعار بڑا دل آویز انداز اختیار کر گئے ہیں جن میں صداقت بھی ہے اور گہرائی بھی۔آپ کے چند اشعار کے ذریعہ وحدانیت اور عشق حقیقی کا جلوہ ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

اہلِ دل نے بخدا ایسی نگہ پائی ہے ۔۔۔ آتا ہر شئے میں نظر جلوۂ یکتائی ہے

ہر پھول میں تیری تجلی ۔۔۔ نکہت ہے تیری کلی کلی میں

موجِ نسیم خلد ہے یا کوئی مسکرا دیا ۔۔۔ روح کو تازہ کر دیا دل میں چمن کھلا دیا

کیا اہلِ نظر کی ہے نگاہوں میں بصیرت ۔۔۔ رکھتے ہیں وہ بند آنکھ مگر دیکھ رہے ہیں

منزلِ عرفاں میں جب دل لا پتہ ہو جائے گا ۔۔۔ جس طرف دیکھونگا وہ جلوہ نما ہو جائیگا

غیر محدودِ نظر ہو جائے گی اس کی بساط ۔۔۔ قطرہ میں دریا اگر جلوہ نما ہو جائیگا

بات یہ بھی ہے اے خدا سچ مچ ۔۔۔ ہے نہیں تجھ سا دوسرا سچ مچ

موجود تھا وہی کہ زمانہ تھا جب نہیں ۔۔۔ وہ کون سی جگہ ہے جہاں پر وہ اب نہیں

اس کے جلوے منحصر کچھ طور وکعبہ پر نہیں ۔۔۔ ہے جگہ کوئی جہاں پر وہ ضیا گستر نہیں

پھر ہی جانا شفیقؔ سوئے حرم ۔۔۔ دیکھو اس کا کہاں ظہور نہیں

محبوبِ حق کا جلوہ دیکھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔تنگ نظری کے سبب وہ اس نعمتِ دیدار سے محروم رہتا ہے۔ اس بابت شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں ؎

ہر شے میں تجھے اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں ۔۔۔ کچھ ہیں کہ ادھر اور اُدھر دیکھ رہے ہیں

آساں نہیں ہے گشت تیری جلوہ گاہ کا دیکھے تجھے یہ کام نہیں ہر نگاہ کا

جلوہ اس کا ہے ہراک شئے میں مگر جلوے سے آنکھ محروم رہی تنگ نظر ہونے تک

قلب روشن نہ ہوا اور آنکھ نہ جب بینا ہو کعبہ و دیر میں بھی کب وہ نظر آتے ہیں

کس چمن میں تیرا ظہور نہیں دیکھنے کا ہمیں شعور نہیں

پھر ہی کہنا اسے نہیں پایا دل میں کچھ شوقِ جستجو بھی ہو

شفیقؔ صاحب نے فنا و بقا کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار جا بجا کیا ہے۔ اس موضوع پر آپ کے یہ اشعار بہت خوب ہیں ۔

فانی وہی ہے جس کا پتہ ہے زمانے میں باقی وہی ہے جسکا کہیں پر پتہ نہیں

فانی ہے وہ مقام جہاں پر کہ ہر نفس آتا دکھائی دے کوئی جاتا دکھائی دے

میں زندگی فنا کو سمجھتا ہوں دوستوں آئے جو مجھ کو موت تو اس کو بقا کہوں

ہم نے اپنے مالکِ حقیقی کو حرم و دیر کے خانوں میں محدود کر دیا ہے۔ شفیقؔ صاحب کے نزدیک یہ تفریق درست نہیں ہے کیوں کہ وہ تو ۔

حرم میں وہ نہ مندر میں نہاں ہے
نظر ہو تو وہ ہر شئے میں عیاں ہے

محدود کر لئے ہیں یہ دیر و حرم ہی کیوں
باغ جہاں میں اس کی تجلی کہاں نہیں

انہیں دیر و حرم میں پہلے یہ دیکھے کہ دیکھے وہ
نظر بازوں میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

اس تفریق سے شفیقؔ صاحب کا دل بہت بے چین ہے۔ وہ جا بجا اپنے اشعار میں سوالات کرتے ہیں کہ ۔

سچ بتا دے مجھے اے مندر و مسجد کے مکیں ہر جگہ کیا تیری تصویر بدل جاتی ہے

کیا فقط دیر و حرم ہی وہ جگہ دنیا میں ہیں   جس میں بس پابند رہ کر جلوہ فرماتے ہیں آپ
کیا وہ کعبہ نہ گئے کیا وہ شوالے نہ گئے   کون سی جا ہے جہاں ڈھونڈ ھنے والے نہ گئے
دیر و حرم نے مسئلہ معرفت شفیقؔ   آسان کام تھا جسے مشکل بنادیا

تصوف نے شعراء کو اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کا موقع دیا ہے اور شعراء نے اس کے ذریعہ ہر طرح کی جکڑ بندیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔صوفیائے کرام نے ظاہرداری، روزہ ونماز سے زیادہ صفائی قلب اور خلوص ومحبت کو اہمیت دی ہے۔ان کے یہاں ریاکاری، نمائش، حسد، نفرت وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔انہیں وجوہات کے سبب متصوفانہ خیالات ورجحانات کا اثر بہت وسیع ہوگیا اور غزل اسی وسیع المشربی اور رواداری کی نمائندگی کرتی ہے۔[1] اشعار دیکھئے :

کام اتنا بھی مجھ سے ہو نہ سکا   اپنی تر دامنی کو دھو نہ سکا
جذبۂ شوق میں اس طرح جبیں سائی ہو   داغ سجدہ نہ کہیں باعثِ رسوائی ہو
پیری میں آکے اب جو وہ پڑھتے نہیں نماز   کہتے ہیں یہ کہ وقت تو گزرے زوال کا
کہیں اچھے ہیں وہ ہم سے وضو والوں سے دنیا میں   ہے جنکا بے وضو رہنا بھی گویا با وضو رہنا
پرسشِ اعمال بھی ہے، ہے فشارِ قبر بھی   کیا کہے کس سے کہے مردہ بڑی مشکل میں ہے

خیالات کے آزادانہ اظہار کے سبب شعراء نے جنت ودوزخ، زاہد وعابد اور واعظ کو بھی اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔شفیقؔ کی غزلوں میں بھی اس موضوع پر اشعار موجود ہیں۔آپ نے واعظ پر طنزیہ نشتر چلاتے ہوئے واعظ ردیف سے سات اشعار کی غزل لکھی ہے۔اس غزل کے چند اشعار اور متفرق غزلوں کے اشعار نموتاً ملاحظہ فرمائیں ۔

اڑائے جا رہا ہے جام واعظ   یہ واعظ ہے برائے نام واعظ
ہوا ہے زر پرستی اس کا مذہب   ہے بھولا اب خدا کا نام واعظ

---

[1] اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل مصنفہ ڈاکٹر ممتاز الحق مطبوعہ شیبا آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۱۹۹۷ء ص ۷۴

جو کردے دعوتِ شیراز تیری — اسے دیتا ہے تو دشنام واعظ
شفیقؔ اسلام کو سمجھائے گا کیا — بھلا بیٹھا ہے خود اسلام واعظ
زاہدوں میں ہے وہ بڑا سالوس — آ کے مسجد میں جو ہوا جاسوس
تو نے محفل کو تو گرمایا بہت کچھ واعظ — تیرے مداح ہوئے، کوئی نمازی نہ ہوا
زاہدا ایسے نہیں ملتے ہیں کہیں ڈھونڈھنے سے — زعم طاعت نہ کریں نازش تقویٰ نہ کریں

تصوف ومعرفت سے متعلق شفیقؔ صاحب کے چند اشعار بطور خاص ملاحظہ کیجئے۔

وہ نہ قطرہ کو اگر اتنی بڑائی دیتا — سیپ میں گوہرِ نایاب دکھائی دیتا
ایسے عالم میں کہ جب کوئی نشاں باقی نہ ہو — آپ کو سجدہ اگر کرلوں تو کیا ہو جائے گا
یہ تیرا طرز ستم رسم الفت میں عجب — عشق اپنا دے کے پھر پابند دنیا کر دیا
ہیں تاباں مثل انجم زرہائے رہگزر دیکھو — خجستہ پا ہے وہ بیشک جو گزرا ہے ادھر دیکھو
حسن کو پنہاں رکھا اپنے فریم ناز میں — عشق کو انساں کی صورت میں سراپا کر دیا
نور لافانی سے ہوگی اسکی تجدید حیات — جستجوئے حق میں جب بندہ فنا ہو جائے گا
اس فکر میں گزر گئے کون ومکاں سے ہم — اس بے نشاں کو ڈھونڈھ کے لائیں کہاں سے ہم
درحقیقت ذرے ذرے میں ہیں پوشیدہ رموز — دہر کی ہر شئے کو ہم بھی غور سے دیکھا کریں
میری نظر میں تو ایسی نظر ہی نہیں — جو تاب جلوہ نہ لائے وہ دیدہ ور ہی نہیں
عشق ناکام ہے منظورِ نظر ہونے تک — قطرہ قطرہ ہے حقیقت میں گہر ہونے تک
یہ کس کا حسنِ تصور ہوا ہے ذہن نشیں — ہے میرا گوشۂ دل جلوہ گاہِ عرش بریں
فرق فہم وشعور ہے ورنہ — مل رہی ہیں حدودِ ناز و نیاز

فلسفہ :

شعروادب میں فلسفیانہ خیالات کے اظہار کی خاص اہمیت ہے۔شعراء نے حیات وکائنات ،زندگی اور موت،احساسِ خودی وغیرہ سے متعلق اپنے مشاہدات اور محسوسات کواشعار کا جامع پہنایا ہے۔شفیقؔ صاحب کے کلام میں فلسفہ سے متعلق اشعار موجود ہیں۔آپ کے یہاں فلسفۂ حیات بھی ہے اور فلسفۂ خودی بھی اور اس کے متعدد عناصر بھی مثلاً انسانی فضیلت، عقل وعشق، خیروشر، بقائے دوام وغیرہ۔

حیات وکائنات کے گہرے رموز واسرار سے آپ بخوبی واقف نظر آتے ہیں اور ہمیں بھی اپنے اشعار کے ذریعہ اس راز سے واقفیت بہم پہنچاتے ہیں۔حیات ومرگ سے متعلق بہت گہرائی اور دانائی کی باتیں آپ نے قلم بند کیں ہیں۔لکھتے ہیں ؎

اچھے اچھے کو یہ کر لیتی ہے آگے آگے گلشنِ دہر میں جب بادِ فنا چلتی ہے
کہتے ہیں زندگی جسے، یہ وہ حباب ہے اس کی بساط قطرۂ شبنم سے کم نہیں
دنیا کا ہوش تھا نہ اُسے اپنا ہوش تھا دم بھر کے بلبلے میں بھرا کتنا جوش تھا
نہ جانے کس ہوا پر اتنا پھولے ہیں ذرا دیکھو چمن میں گل کا کھلنا اور مرجھانا بکھر جانا
تماشائے طلسم دارفانی دیکھتے جاؤ ذرا دم بھر بہار زندگانی دیکھتے جاؤ
اس دارفانی میں بشر کو تمنائے حیات جاودانی

شفیقؔ صاحب نے دنیا کو آئینہ خانہ سے تعبیر کیا ہے۔ جہاں رہ کر انسان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔آپکے نزدیک زندگی ایک نغمۂ مضراب ہے جس کی وجہ سے انسان غفلت میں ڈوبا ہوا ہے۔اشعار دیکھیے ؎

کیا تعجب ہے جو دنیا میں ملا کچھ بھی نہیں آئینہ خانے میں حیرت کے سوا کچھ بھی نہیں
جس کا ہے نام زندگی اصل میں ہے رواروی آئینۂ فنا میں تو صورتِ زندگی نہ دیکھ
تارساز زندگی خود نغمۂ مضراب تھا ہر نفس اک نغمۂ غفلت میں ڈوبا خواب تھا

انسان اپنی فطرت خاص کر غرور وتکبر اور جوانی کی بہار کے آگے سب کچھ بھلا بیٹھا ہے۔شفیقؔ کے یہ اشعار اسے

حقیقت تک پہنچا سکتے ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

نہ پر نکالے ہوں چیونٹی کی طرح انسان نے کہ ختم ہوتی ہے جب اس کے پر نکلتے ہیں

آ گیا تو زوال میں فوراً جب بڑھا تیرا آفتاب گھمنڈ

ان کو نہ آیا ہوش کچھ ختم بہار دیکھ کر اپنے شباب حسن پر جنکو ہوا غرور سا

پھر بھی ہوتا ہے جوانوں کو جوانی پہ غرور کس نے چڑھتے ہوئے سورج کو نہ ڈھلتے دیکھا

شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں سیاسی وسماجی مسائل پر اشعار موجود ہیں۔ جن میں سیاست دانوں اور سماج کے ٹھیکیداروں کے رویہ پر طنز کیا گیا ہے۔ شفیقؔ ایک فلسفی کی طرح سیاست دانوں کی سوچ اور ان کے نظریہ پر کچھ اس طرح طنز کرتے ہیں ؎

ہرا ہی وہ سمجھتے ہیں چمن سوکھا ہوا اپنا

اکٹھا ہو کے سب اندھے جہاں ساون کے بیٹھے ہیں

شفیقؔ صاحب علامہ اقبالؔ کی شاعری کے دلدادہ ہیں۔ اقبالؔ کے فلسفۂ خودی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے بھی خودی سے متعلق اشعار قلم بند کئے ہیں۔ آپ کے نزدیک جب تک انسان کے دل میں جذبۂ خودی ہے تب تک اس کا خدا تک پہنچنا ممکن نہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ملنا پتہ خدا کا خودی میں محال ہے چاہے پتہ لگا بھی لو شمس وقمر کے تم

خودی کا ولولہ جب تک نہ اپنے دل سے نکلے گا تصور دل سے غیر اللہ کا مشکل سے نکلے گا

خودی کو دل سے مٹا کر یہ کام میں نے کیا کہ اپنے نفس کو اپنا غلام میں نے کیا

اور جب انسان خودی کو دل سے نکال دیگا تو شفیقؔ صاحب کے مطابق وہ ؎

خودی سے دور ہوتے جا رہے ہیں

مجسم نور ہوتے جا رہے ہیں

شفیقؔ صاحب کے افکار وخیالات چاہے وہ حیات ومرگ سے متعلق ہوں یا زندگی کے حقائق سے، سب

میں فلسفیانہ رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کے فلسفہ میں گہرائی، تاثیر اور دلکشی ہے۔ آپ کے اشعار پڑھتے چلے جائیں لیکن طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ یہ محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔ فلسفہ سے متعلق چند اشعار مزید ملاحظہ فرمائیں ؎

دریا ہے خشک پھر بھی ہے پورے بہاؤ پر
بیٹھے ہیں پار کرنے کو کاغذ کی ناؤ پر

رہنے لگے ہیں بوم بھی شہروں میں آجکل
رہتے تھے پہلے مزروع ویراں کے آس پاس

الجھی ہوئی ہے اشک کے تاروں میں پتلیاں
دریا میرے سرِشک کا مچھلی کا جال ہے

خمریات :

خمریات اردو شاعری خصوصاً غزل کے اہم موضوعات میں سے ایک ہے۔ شراب نوشی، رندی و سرمستی سے متعلق اشعار خمریات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ شعراء نے اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کے لئے شراب اور لوازمات شراب کا استعمال کیا ہے۔ عشق مجازی اور عشق حقیقی کے براہ راست بیان کے لئے بھی خمریات کو وسیلۂ اظہار بنایا گیا ہے۔ لہٰذا شرابِ عشق اور شرابِ معرفت کی اصطلاحیں ہمارے یہاں عام ہیں۔ تحقیق کاروں کے نزدیک صوفیائے کرام کا عشق و معرفت کی شراب میں خود کو مست و سرشار رکھنے کے پیچھے اصل مقصد و مدعا یہی تھا کہ وہ خود کو ریاکاری، دنیاداری، نمائش اور نفس پرستی سے پاک و صاف رکھ سکیں۔ [1]

خمریات کے اشعار فارسی میں حافظؔ اور خیامؔ کے یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اردو میں مئے نوشی سے متعلق اشعار تقریباً ہر شاعر کے یہاں موجود ہیں۔ آتشؔ، ناسخؔ، غالبؔ، شادؔ عارفی کے یہاں اکثر لیکن داغؔ دہلوی اور ریاضؔ خیرآبادی کے یہاں رندانہ مضامین کے اشعار خاص طور سے موجود ہیں۔ بالخصوص ریاضؔ کی شاعری کا خاص موضوع ہی جام و شراب اور میخانہ ہے۔ اس لئے آپ اردو ادب میں رندِ پارسا کے نام سے مشہور ہیں۔ [2]

---

[1] اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل۔ مصنفہ ممتاز الحق مطبوعہ شیبا آفسیٹ پرنٹرز، لال کنواں دہلی-۶ (ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی-۶)، ۱۹۹۷ء ص ۶۵

[2] تاریخ ادب اردو مرتبہ نور الحسن نقوی، مطبوعہ: ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، دہلی-۶ (ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ) ۲۰۰۸ء ص-۵۵، ۱۶۸

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی غزلوں میں خمریات سے متعلق اشعار کافی تعداد میں موجود ہیں جبکہ آپ بہت ہی نیک ومتقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ جس چیز سے آپ کا کوئی واسطہ نہ تھا اس پر بہت عمدہ اشعار آپ نے قلم بند کئے ہیں۔ شراب اور لوازمات شراب کے بیان سے آپ کی غرض بس اتنی تھی کہ آپ عشق ومعرفت کے نشے میں ڈوب کر مست وبےخود رہنا چاہتے تھے لکھتے ہیں؎

مئے حقیقت میں وہ ہے جو ایک دم پینے کے بعد
آشنا ساقی سے کردے ہوش سے نا آشنا

نہ احساس الم ہم کو نہ ایذائے ستم ہم کو
تیرے میخانے میں آرام ہی آرام ہے ساقی

وہ مئے ہے میکدۂ عشق کی حقیقت میں
کہ جسکا پینا پلانا کوئی حرام نہیں

زاہد اور عابد کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہوئے شفیقؔ لکھتے ہیں ؎

میخانے کے طواف میں وہ پیش پیش ہے — پابند جو رہا تھا ہمیشہ نماز کا
بظاہر ہے میخانہ سے جن کو نفرت — وہاں روز جاتے ہیں ہم دیکھتے ہیں
پینے سے تو انکار کبھی ہو نہیں سکتا — زاہد بھی ہو میخوار کبھی ہو نہیں سکتا
پیتے ہیں آج وہ جنہیں پینا حرام ہے — پھر کہتے ہیں بزعم مسلمان نام ہے

خمریات سے متعلق مزید اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

صبح دم اس میکدے کا در کھلا — طاق پر رکھا ملا ساغر کھلا
گلستاں ہے میکدہ ہر گل ہمارا جام — آئے گا لب پر نہ پیمانے نہ میخانہ کا نام
میکدے سے وہ نکلتے ہی پڑا چکر میں — نہ چھلک جائے کہیں شیخ کا پیمانۂ دل
اگر اک ساغرِ جمشید قسمت سے نہیں پایا — تو ہم بازار سے لائیں گے دو آنے کے پیمانے

ساقی کا جلوہ ہو یہی دل میں ہے آرزو   میخانہ ہے پسند نہ جام و سبو پسند

نظم میخانہ میرے ہاتھوں میں آیا ساقی   کہیں تبدیل نہ میخانہ ہو ویرانے میں

شفیقؔ اک دوَرِ نو کی میکدے میں ابتدا ہوگی   کہ مئے پینے لگے ہیں چھانکر میخوار دامن سے

خمریات کے موضوع پر اشعار نظم کرنے کے ساتھ ہی شفیقؔ صاحب یہ بات بھی صاف کر دیتے ہیں کہ

سیکڑوں شعر مئے کے لکھ ڈالے
پی کبھی گھونٹ بھر شراب نہیں

اخلاقی اور اصلاحی پہلو :

علامہ اقبالؔ نے شاعر کو ’دیدۂ بینائے قوم‘ کہا ہے [1] کیوں کہ شاعر جس انداز سے قوم کی رہنمائی کر سکتا ہے وہ کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں لہٰذا شعر و ادب میں اخلاقی اور افادی نقطۂ نظر کی بہت اہمیت ہے۔ بقول شفیقؔ صاحب ؎

ہمیں وہ کارآمد شاعری معلوم ہوتی ہے
کہ جس میں بات کوئی واقعی معلوم ہوتی ہے

ادب کو تعمیر ملت کا ذریعہ بنانے کا خیال سب سے پہلے سرسید احمد خاں کے ذہن میں آیا۔ سرسید نے شاعری کو افادی اور مقصدی بنانے کے لئے حالیؔ سے جو کام لیا وہی کام والیٔ ریاست جھالاواڑ مہاراجرانا بھوانی سنگھ نے اپنے درباری شاعر ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانشؔ جھالاواڑی سے کروایا۔ اب سے تقریباً سو برس پہلے جھالاواڑ میں اصلاحی شاعری کا جو دوَر شروع ہوا تھا اس کا رجحان کم و بیش ہر شاعر کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ بالخصوص دانشؔ جھالاواڑی کے بعد مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے کلام میں اخلاقی اور اصلاحی پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ آپ کے دواوین کی غزلوں میں اس موضوع پر اشعار بہت آسانی سے مل جاتے ہیں جن میں خلوص، اثر، سادگی اور قطعیت موجود ہے۔ ان میں جذبہ اور احساس کی تپش بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔

---

[1] صراحتیں (نثری مضامین کا مجموعہ) مصنفہ: مفتوں کوٹوی غیر مطبوعہ ص-۹۶

لفظ ''جہادؔ'' کے نام پر قوم کو گمراہ کرنے کی جو سازشیں کی جا رہے ہیں اس کا اصل مفہوم شفیقؔ صاحب نے اس شعر میں بیان کیا ہے ۔

جہادِ نفس حقیقت میں ہے جہادِ عظیم
فنائے ذاتِ خدا ہو مجاہدہ ہے یہی

شفیقؔ صاحب کی غزلیں انسانیت کی رجز خواں ہے۔آپ ابنِ آدم کی عظمت اور اس کی بے پناہ قوت کے قائل ہیں۔آپ کے اشعار میں انسان کی عظمت کا احساس ملتا ہے۔نمونہ دیکھئے ۔

درحقیقت وہی انسان ہے انسانوں میں روح دانائی کی جو پھونک دے نادانوں میں
انسانیت کی شان اسی آدمی میں ہے انساں جو اپنے فرض سے غافل نہیں رہا
جو دیکھ کر ہو دکھی ، دکھی کو انسان کہو ایسے آدمی کو

چونکہ شاعر بہت حساس ہوتا ہے اس لئے وہ اخلاقی قدروں کی پامالی،قوم کے زوال اور دوست واقارب کی بے مروتی پر افسردہ ہوتا ہے۔شفیقؔ صاحب کے یہاں بھی اس طرح کے جذبات ملتے ہیں۔لکھتے ہیں ۔

ہماری عقل حیراں ہے جہاں کے عجب دستور ہوتے جا رہے ہیں
فلک بھی دیکھ کے اس حال کو تو روتا ہے جدا ہے بھائی سے بھائی بہن بہن سے جدا
صاف دل احباب میں کوئی نہیں ہے آج کل پھر مصیبت میں مجھے وہ دیکھ کر گھبرائیں کیا

دوستی ودشمنی اور دانا ونادان کے متعلق شفیقؔ صاحب کے تجربات ملاحظہ فرمائیے ۔

یہ بھی ہے حسنِ خلق پہ انساں کی منحصر دشمن سے وہ نکال لے صورت نباہ کی
دوست ناداں کو بنایا کیا یہ نادانی نہیں ہو گی ایسی دوستی سے کیا پریشانی نہیں
یہ دنیا مرکز امن واماں جسکی بدولت ہو وہ ایسی شئے جہاں میں دوستی معلوم ہوتی ہے
کسی دانا کی باتوں کو کوئی نادان کیا سمجھے غنیمت ہی یہ سمجھو وہ اگر اچھا برا سمجھے

اب سے تقریباً پچاس برس پہلے شفیقؔ صاحب نے اپنی ایک غزل جسکی ردیف ہے ''ایسے شخص ہیں'' میں یہ بات

واضح کردی تھی کہ دنیا میں اب کس طرح کے شخص پائے جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

الفت کسی سے ہے نہ محبت کسی سے ہے — دنیا میں اب خدا کی قسم ایسے شخص ہیں
حرص وہوا کے بندے بلا کے ہیں آج کل — لے لیں یہ ایک پیسے میں دم ایسے شخص ہیں
بے لے دئے کسی کا وہ کرتے نہیں ہیں کام — دفتر میں ان کے اہل قلم، ایسے شخص ہیں
افعی کی طرح بیٹھے ہیں دولت دبا کے یہ — جاتے نہیں ہیں سوئے حرم ایسے شخص ہیں

شفیقؔ صاحب نے اخلاقی موضوعات کے تحت چند انسانی اور سماجی برائیوں کی خاص طور سے نشاندہی کی ہے اشعار دیکھئے ؎

حق شناسی سے جو رہا محروم — آ کے دنیا میں وہ خراب ہوا
اتنا نہیں ہے ظرف کہ ہے جتنا جام میں — آیا ذرا میں فرق پیام وسلام میں
آئے نہ فرق جس سے کبھی اعتبار میں — اقرار وہ کرو جو ہو اختیار میں
وہ بھی تو آدمی تھا فرشتہ نہ تھا کوئی — جسکی تمام عمر کٹی سادگی کے ساتھ
مجھ پہ الزام یہ الزام لگایا کیسے — اس نے جو چاہا جسکو دیا پھر کسی کو کیا
ذرا غرور کیا تھا کہ آبرو بھی گئی — وہ سرفراز ہوا جس نے عاجزی کی ہے
سود ہوتا اور کیا اے سودخوار — کم نہیں ہے ایک کے سو ہو گئے
جس کو کہ بات کرنے میں حاصل کمال ہے — اس کے لئے حرام بھی گویا حلال ہے
دنیا میں چلا آتا ہے مدّت سے یہ دستور — اس ہاتھ دئے جا رے اس ہاتھ لئے جا
عمل کچھ کام آتا ہے نہ کام آتی ہیں تقریریں — مناسب ہوں جو تدبیریں تو بن جاتی ہیں تقدیریں

علم کے حصول کے بعد ہماری طبیعت اور ذہنیت میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ شفیقؔ صاحب کی پینی نظر سے بچ نہیں سکا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

ہم اس کے کبھی راہبر و راہنما تھے — اب ہم کو دکھاتا ہے مگر راہ وہی شخص

جہاں تک علم بڑھتا جا رہا ہے — عمل سے دور ہوتے جا رہے ہیں
غرض نہ علم سے، مطلب نہ قابلیت سے — سند ملے ہمیں اتنی ہے امتحاں سے غرض
وقت کی خوبی ہے، ان کا قابلوں میں ہے شمار — ہے تلفظ تک غلط ، انشا غلط ، املا غلط

پھر خود سے ہی مخاطب ہو کر شفیق صاحب کہتے ہیں ۔

سوتے لوگوں کو جگانا تو نہیں ہے مشکل
تم نے جاگے ہوئے لوگوں کو جگایا ہوتا

زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پر شفیق صاحب نے بہت گہرائی اور دانائی کی باتیں قلم بند کیں ہیں۔ لکھتے ہیں۔

یہ کیسا وقت ہے آیا، زمانے کا چلن بگڑا — کہاں اچھا رہا اخلاق اربابِ وطن بگڑا
کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی — حیرت یہ ہے کہ کس نئے سانچے میں ڈھل گئی
اک زمانہ تھا کہ وقتِ زندگی نایاب تھا — درحقیقت کچھ حقیقت تھی کہ دیکھا خواب تھا

تہذیب وتمدن خاص طور سے پردہ داری پر شفیق صاحب کے تاثرات ملاحظہ کیجئے جن میں شدید طنز کا احساس ہوتا ہے ۔

اب نہ وہ تہذیب ہے باقی نہ وہ شرم وحیا — ساتھ پھرتے ہیں سر بازار ہنستے بولتے
اٹھا دنیا سے کیا پردہ گھرانوں کا چلن بگڑا — نہ غیرت ہے شفیق اسکی نہ اب شرم وحیا کچھ ہے
یہ ہوا مزاج میں کیا عجب انقلاب الٹا — سر راہ پھر رہے ہیں کئے نقاب الٹا
تہذیب اس کا نام ہے کیا شیخ و برہمن — بند اس طرف سلام اُدھر رام رام بند
مزاق شیخ و برہمن مزاق دیر وحرم — یہی تو رہ گئے عنوان گفتگو کے لئے
تسبیح تھی ہاتھوں میں زنار گلے میں تھا — اے دیر وحرم والوں دھوکا ہی دیا میں نے
دوستوں شیخ و برہمن کی پہنچ ہے کتنی — دونوں پہنچے بھی تو بس دیر وحرم تک پہنچے
کوسوں نہیں تمدن وتہذیب کا پتہ — اتنا بشر بشر ہی سے نالاں ہے آج کل

اٹھاتا ہے بشر اپنی غرض کے واسطے لاکھوں　　خدا کے نام پر پیسہ مگر مشکل سے نکلے گا

شفیقؔ صاحب کے دواوین غزل میں ایسے اشعار کی بھی کوئی کمی نہیں جن میں امید کی ضیاء روشن ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

مل سکے جس میں سکون دائمی　　وہ نئی دنیا بسانا چاہتا ہوں
بہار نو دکھانا چاہتا ہوں　　چمن میں گل کھلانا چاہتا ہوں
کوئی تو روداد نو آغاز ہونا چاہیۓ　　قصہ ماضی نظر انداز ہونا چاہیۓ
ایک دن ہو جائیگی یہ گردشِ ایام سہل　　جس طرح ہو جاتا ہے محنت سے مشکل کام سہل
ساری دنیا ہی شفیقؔ امن وماں کا گھر ہو　　دور ہر شر سے بشر ہو تو مزا آ جائے
منزل کی جستجو میں بڑھتے چلو عزیزوں　　محتاج خضر ہونا تذلیل کارواں ہے
دماغ ان کا تو روشن ہے شفیقؔ ان کا ہو دل روشن　　زمیں پر جو فلک کی سیر کو تیار بیٹھے ہیں

شفیقؔ صاحب کے بہاریہ دواوین میں چند اشعار ایسے بھی ہیں جن میں آپ مختلف سوالات کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ سوالات آپ کی ذہنی کشمکش اور اضطراب کا نتیجہ ہیں۔ پوچھتے ہیں۔

ہے بلندی جہاں نہ پستی ہے　　ایسی بستی کہاں پہ بستی ہے
ہے وہ اس دنیا میں دنیا کون سی ایسی کہاں　　اہلِ دولت بھی جہاں مزدور سے کچھ کم نہیں
تیرا ہو کے بندہ خدا ہو رہا ہے　　یہ تیری خدائی میں کیا ہو رہا ہے
ہو آئے ہونے کو مہ و مریخ پر بھی وہ　　میں پوچھتا ہوں تیرا پتہ بھی لگا سکے
سچ بتا دے مجھے اے مندر و مسجد کے مکیں　　ہر جگہ کیا تیری تصویر بدل جاتی ہے
کچھ وہ نئے چلن کی بتائیں تو خوبیاں　　جو لوگ کہہ رہے ہیں پرانے چلن کو چھوڑ
اردو زباں یہ پوچھ رہی ہے شفیقؔ سے　　کیا میرے دل میں الفتِ ہندوستاں نہیں

قومی اور وطنی شعور :

شفیقؔ صاحب نے خود اپنی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے بہاریہ،نعتیہ اور کلام حب الوطنی ۔شاعری کا یہ تیسرا حصہ آپ کی متفرق بیاضات میں درج ہے۔جس میں مسلسل غزلیں،نظمیں،مسدسات وغیرہ شامل ہیں جو کہ یومِ آزادی، یومِ جمہوریہ اور وطن کے لیڈروں پر خاص طور سے لکھی گئی ہیں۔ان کے علاوہ آپ کے بہاریہ دواوین میں بھی اس موضوع پر بہت عمدہ اشعار موجود ہیں۔قومی ،یکجہتی اور ہندو مسلم اتحاد پر آپ نے جو اشعار نظم کئے ہیں وہ آپ کی بلند خیالی اور وسیع النظری کی مثال ہیں لکھتے ہیں ۔

مقصد سب کا ایک ہے لفظوں کا فرق ہے — پرمیشور کہوں کہ اسے میں خدا کہوں

ہندو مسلم ہوں کہ سکھ ہوں جین ہوں — سرزمین ہند کا لختِ جگر ہر ایک ہے

ہر عبادت گاہ میں ایسی فضا پیدا کریں — مِل کے شیخ و برہمن دونوں جہاں سجدہ کریں

قوم وملت پر جو اپنی جان دیتے ہیں شفیقؔ — مر کے زندہ ہوتے ہیں ہوتا ہے مرجانے کا نام

جو قوم اپنی حالت بدلتی نہیں — سنبھالے سے وہ تو سنبھلتی نہیں

کمال زندگی بھی لطف یکجہتی میں پنہاں ہے — کہیں قطرہ بنا ہے بحر دریا سے جدا ہوکر

دیارِ ہند نے پایا یہ فخر دنیا میں — سلام جس میں چلے جس میں رام رام چلے

وطن پرستی کے جذبات سے لبریز چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

لب پر یہ دعا سحر وشام ہے شفیقؔ — اونچی رہے جہاں میں ہمارے وطن کی بات

نئی فضا میں پھلے پھولے ہر نہال چمن — نہ بزم میں ہے جگہ عالم کہن کے لئے

شفیقؔ ہے یہ کرشمہ ہماری ہمت کا — غریب بن کے رہے ہیں مگر وطن میں رہے

ہم بھی وہ اہلِ وطن ہیں کہ وطن کی خاطر — مال کا غم نہ کریں جان کی پروا نہ کریں

نہ بچ کے ہم کہیں برق تپاں سے گزرے ہیں — چمن کے عشق میں ہر امتحاں سے گزرے ہیں

درج بالہ اشعار شفیقؔ صاحب کے بہاریہ دواوین میں سے پیش کئے گئے ہیں اب آپ کی بیاضات میں درج مسلسل

غزلوں سے حب الوطنی اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

حیراں ہے عدو سن کے یہ تقریر ہماری — کشمیر کے ہم جنتِ کشمیر ہماری
ناپاک ارادے کبھی پورے بھی ہوئے ہیں — ہر پاک نفس سن لے یہ تقریر ہماری
کس شان سے ہر مورچہ سر ہم نے کیا ہے — مشہور ہوئی قوتِ تسخیر ہماری
یا رب عروج پر ہو ہندوستاں ہمارا — ہو رشک باغ عالم یہ گلستاں ہمارا
جب ارتباط والفت باہم دلوں میں ہوگا — مداح پھر تو ہوگا سارا جہاں ہمارا
نامِ وطن پہ قرباں ہے جان و مال اپنا — مٹ جائے غیر ممکن نام ونشاں ہمارا
تاریخ کیا مبارک چھبیس جنوری ہے — ہندوستاں کے دل کی جس میں کلی کھلی ہے
جاری ہوا ہے اس دن آئین ہند کا وہ — ہر دفعہ صاف ستھری بالکل منجی دھلی ہے
ہے ذات پات کا بھی جس میں نہ فرق مطلق — آئینِ ہند کی یہ شانِ برتری ہے

وہ روز مبارک آپہونچا وہ یومِ مسرت آپہونچا
آزاد ممالک کی صف میں کس شان سے بھارت آپہونچا
بھارت کے ترنگے جھنڈے سے وہ تازہ ہوائیں آتی ہیں
ہر غنچہ وگل کے چہرے پر پیغامِ مسرت آپہونچا
ہم علم وہنر میں بڑھ چڑھ کر ہوجائینگے ساری دنیا سے
اب ختم یہاں سے ہونے کو اک دورِ جہالت آپہونچا

عصری آگاہی :

عصری مسائل کی ترجمانی کرنا ہم عصر شاعری کی پہچان کا اہم وسیلہ بھی ہے اور عصری تقاضہ بھی۔ لہٰذا شاعرانہ رموز وعلائم کے ذریعہ شعراء نے اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی مسائل بیان کئے ہیں۔ شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں عصری مسائل سے متعلق اشعار کثرت سے موجود ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف عصری

مسائل سے آگاہ تھے بلکہ آپنے اپنی غزلوں میں ان کی مناسب ترجمانی کرنا اپنا فرض سمجھا ہے۔عصری مسائل سے متعلق اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

دیکھو یہ بتاتے ہیں تمہارے تو رنگے ہاتھ　　آئے ہو کسی باغ سے کلیوں کو مسل کے

میں بھی وہ عندلیب قفس ہوں کہ کیا کہوں　　مست بہار باغ تھا خوفِ خزاں نہ تھا

درد پیدا ہو تمہارا خاطر صیاد میں　　بلبلوں کچھ تو اثر پیدا کرو فریاد میں

صیاد تاک میں ہے ادھر ہوشیار چل　　رستے میں ہیں لگے ہوئے پھندے جدا جدا

ہو گیا آزاد وہ دام و قفس کی فکر سے　　بلبلوں نے گھر بنایا خانۂ صیاد میں

تقسیم وطن سے ملک میں جو افراتفری کا ماحول پیدا ہوا اور بے گناہ معصوم لوگوں کو جان و مال سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بٹوارے کے بعد جو لوگ وطن چھوڑ کر گئے یا جو وطن کی محبت میں یہیں رہ گئے ان کی ذہنی کشمکش اور نفسیات پر شفیقؔ صاحب نے اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔ چند اشعار دیکھئے ۔

جائے کہاں یہ بلبل جاں بھی چمن کو چھوڑ　　آساں نہیں ہے جائے وہ اپنے وطن کو چھوڑ

ہوئیں بلبلوں میں باتیں ہے عتاب باغباں کیوں　　رہیں گے چمن میں جب تک ہے ہمارا آب ودانہ

یہ اس سے پوچھ گزری ہے اس پہ کیا صیاد　　جو تیرے خوف سے بلبل ہوا چمن سے جدا

میں تو اڑ جاؤں گا مگر افسوس　　حال کیا ہوگا آشیانے کا

بجلی گری جو آکے سرِ آشیاں نہ پوچھ　　کیا گزری آشیاں پہ اسے آسماں نہ پوچھ

کافی جدو جہد کے بعد ہمارا ملک آزاد ہوا لیکن آزادی ملنے کے بعد بھی کوئی خاص تبدیلی ہمارے ملک کے نظام میں دیکھنے کو نہیں ملی۔ اس بدنظمی اور بدحالی نے شعراء کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے خاص علامتی انداز میں اس کا بیان کریں لہٰذا صیاد و باغباں ، بہار و خزاں ، برق و بجلی ، ستمِ باغباں ، جورِ فلک جیسی علامتیں ظلم وستم ، سیاسی جبر، سماجی بے اطمینانی اور نابرابری وغیرہ کے اظہار کے لئے استعمال کی گئی۔ شفیقؔ صاحب کے یہاں متعدد اشعار اپنی خاص معنویت کے ساتھ موجود ہیں جن میں آپکا لب ولہجہ طنزیہ ہو گیا ہے۔ لکھتے ہیں ۔

شور ہی شور ہے گلشن میں بہار آئی ہے ورنہ گلشن میں وہی دوَرِ خزاں ہے کہ جو تھا

بہار آئے ہوئے عرصہ ہوا لیکن چمن والوں کہاں پھولوں کے چہروں پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

ہے وہی دوَر اور دوَرِ فلک نالے سب بے اثر گئے شاید

بلبل سکونِ دل سے ہے محروم باغ میں ہے خوفِ باغباں کبھی خوفِ خزاں کبھی

ہم سینچنے والے ہیں چمن زار کو خوں سے گلچیں تیری نظروں میں مگر خار ہمیں ہیں

نہ فکر چمن ہے گلوں کی نہ پروا بنے باغ کے باغباں کیسے کیسے

ایسے ہاتھوں میں ہے اب نظم گلستاں جہاں پھول روتے ہیں کہ یہ نظم چمن بھول گئے

کچھ گلستاں میں گل ہیں افسردہ کچھ گلوں پر ہے خوب رعنائی

بلبل کو صرف باغ میں پھولوں سے عشق ہے مشکوک اس سے رہتے ہیں اہلِ چمن عبث

حصولِ آزادی کے لئے جن لوگوں نے اپنی جانیں قربان کیں، شفیقؔ صاحب انہیں یاد کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ سوچ کر تڑپ اٹھتے ہیں کہ وہ قربانیاں بیکار نہ ہو جائیں۔ اشعار دیکھئے ؎

ان کی بہار سے ہے چمن میں بہار آج جو گل سپردِ خاک عدم کر دئے گئے

اس سرفروشی کی نہیں وقعت نگاہ میں پانی کی طرح جن کے لئے خوں بہائے ہم

تقسیمِ وطن کے بعد نفرت اور تعصب کی آندھی نے فرقہ وارانہ فسادات کو بڑھاوا دیا۔ اس آگ کی چنگاریاں آج بھی ہوا پا کر سلگ اٹھتی ہیں۔ شفیقؔ صاحب نے فرقہ وارانہ فسادات پر جو اشعار نظم کئے ہیں ان میں درد اور بے بسی صاف جھلکتی ہے۔ لکھتے ہیں ؎

ایسی انسانیت پر اپنی تجھ کو ناز ہے انساں وہیں اٹھے ہیں بس فتنے جہاں دو چار بیٹھے ہیں

بھڑک کر جلا ڈالیں آبادیاں جو چنگاری تھی راکھ میں دب گئی

انسان ہو کے آپ ہی لڑ لڑ کے کٹ مریں ایسا تماشہ تو کہیں دیکھا سنا نہیں

بھڑکی ہوئی ہے چاروں طرف دشمنی کی آگ آتی نہیں نظر ہمیں بجھتی ہوئی سی آگ

وہ جانتے ہیں کس کی لگائی ہوئی ہے آگ ایسے سوال کرتے ہیں کچھ جانتے نہیں

قتل انساں داخلِ تہذیب ہے ورنہ بنتے یہ نئے ہتھیار کیوں

۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں ہوئے دنگوں پر شفیقؔ صاحب نے ایک غزل تحریر کی ہے جو دیوان تسلیم ادب میں درج ہے۔ اس غزل کا مطلع اور چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

احمد آباد کے حالات پہ رونا آیا فرقہ وارانہ فسادات پہ رونا آیا

جس میں کاٹے گئے انسان کے ہاتھوں انساں ایسے گجرات کے دان رات پہ رونا آیا

جس سے بدنام ہوئی اپنے وطن کی تہذیب پڑھکے اخبار میں اس بات پہ رونا آیا

آدمیت کو جہالت نے لیا جیت جہاں ہائے تعلیم کی اس مات پہ رونا آیا

زندگی اور موت :

شفیقؔ صاحب نے اپنی غزلوں میں زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ تجربہ اور واقفیت کی بناء پر حاصل کیا ہے وہ حیات و مرگ کی تلخ حقیقت سے واقف نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں ۔

زندگی کشمکش کا نام ہے موت ہے دل کو جو آجائے قرار

کیا ہے جہاں شفیقؔ قیام جہاں ہے کیا آیا ہے جو یہاں وہی ہر دم سفر میں ہے

مرنے سے مفر نہیں ہے کسی کو موت آئیگی وقت پر سبھی کو

شفیقؔ صاحب کے نزدیک زندگی فنا کا نام ہے اور موت بقائے دوام ہے۔ زندگی میں جتنی بھی بہاریں ہیں وہ سب دم بھر کے لئے ہیں۔ زندگی مثل حباب ہے۔ زندگی اس بے وفا معشوق کی طرح ہے جس نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا پھر بھی لوگ حیاتِ جاودانی کی تمنا لئے ہوئے ہیں۔ اشعار دیکھئے ۔

میں زندگی فنا کو سمجھتا ہوں دوستوں آئے جو مجھکو موت تو اس کو بقا کہوں

فانی ہے وہ مقام جہاں پر کہ ہر نفس آتا دکھائی دے کوئی جاتا دکھائی دے

کہتے ہیں زندگی جسے یہ وہ حباب ہے اس کی بساط قطرۂ شبنم سے کم نہیں

اس بے وفا نے ساتھ کسی کا نہیں دیا　　　　دنیا ہے پھر بھی حسرت دنیا لئے ہوئے

زندگی اور موت کی تلخ حقیقت سے ہمیں آگاہ کرنے کے ساتھ ہی آپ یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ زندگی آرائش وزیبائش سے بسر کرنے یا غفلت میں گزارنے کا نام نہیں۔ بلکہ انسان کو چاہئے کہ وہ ایسے کام کرے کہ مرنے کے بعد بھی دنیا یاد کرے۔ شفیقؔ صاحب ایمان وعمل کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی تائید کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ۔

وقت ہے کچھ کام کرنے کا یہ غفلت کا نہیں　　　　چار دن کی زندگی ہے پھر کہاں ہے زندگی

جب تک رہو زمانے میں دل میں خیال ہو　　　　جائیں جہاں سے تو جہاں کو ملال ہو

ایمان وعمل کی روشنی میں　　　　کیا بات ہے دیکھو زندگی میں

شفیقؔ صاحب نے زندگی گزارنے کو مسلسل سفر سے تعبیر کیا ہے اور جا بجا اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے لکھتے ہیں۔

منزل کی فکر ہے نہ گنہ گاہ کا خیال　　　　جو حال ہو وہ ہو کہ مسافر سفر میں ہے

بیدار مسافر تو ہے ہر حال میں بیدار　　　　نیند آئی کہ منزل کی تھکن جاگ پڑی ہے

اس وقت کے آنے میں شفیقؔ اب تو نہیں دیر　　　　سامان سفر باندھ کے تیار ہو جھٹ پٹ

بیٹھے ہیں انتظار میں کہتے ہیں بار بار　　　　جانے شفیقؔ کسی سروساماں میں رہ گیا

متفرق اشعار کے ذریعہ آپ نے وقتِ نزع کی بے بسی کا منظر پیش کیا ہے لکھتے ہیں ۔

چاروں طرف عزیز تھے تھی موت سامنے　　　　وہ وقت اے شفیقؔ بڑی بے بسی کا تھا

ہمراہیوں کی بھیڑ لگی ہے وہ میرے گھر　　　　تیار ہو رہا ہوں کہاں کے سفر کو میں

وہ دن تھا آئے تھے روتے ہوئے ہنستے تھے سب　　　　ایک دن یہ ہے چلے چپ چاپ سب کو روتا چھوڑ کر

نزع کی مشکل گھڑی ہے اور میں　　　　ہر طرف بے بسی ہے اور میں

مر کر بھی سر میں پیش روی کا جنون ہے　　　　جاتے ہیں آگے چار قدم کارواں سے ہم

وقتِ نزع کی منظر کشی کے ساتھ ہی آپ نے قبر کی حقیقت بھی بیان کی ہے لکھتے ہیں ۔

اسکو سونا ہی پڑا قبر میں تنہا اک دن جو گیا ہوگا کبھی گور غریباں میں نہیں
دیکھو میرے اعمال سیہ کا یہ اثر ہے کالا ہوا جاتا ہے کفن اور زیادہ
کس قدر عبرت فزا دنیا میں منظر ایک ہے بعد مردن سب کے رہنے کے لئے گھر ایک ہے
منھ بھی چھپا سکا نہ فرشتوں کے سامنے دُزدِ کفن سے کہتا رہا میں کفن کو چھوڑ

شفیقؔ صاحب نے درج بالا اشعار کے ذریعہ زندگی اور موت کی حقیقت سے ہمیں واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں آپ کی زبان سادہ اور سلیس ہے وہیں آپ کا لب ولہجہ بھی عالمانہ ہے لہٰذا آپ کی باتیں آسانی سے ذہن میں اتر جاتی ہیں۔

سوز و گداز :

ہر شخص کی زندگی میں خوشی اور غم کا سلسلہ نہاں ہے۔ درد والم اور خوشی ومسرت کے بناء زندگی بے رنگ ہے۔ شفیقؔ صاحب کی زندگی میں بھی ایسے بہت سے حادثات پیش آئے جنھوں نے آپ کو غمگین کیا مگر آپ نے ناکامی اور مایوسی کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ آپ کا غم ایک صحت مند انسان کا فطری غم معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

سرگذشتِ غم دل مختصراً عرض کروں ایک خاکہ سا ہے عالم میرے غم خانے کا
نیند آتی ہے اوّل تو کہاں پھر شبِ غم میں بیمار کے بستر کی شکن جاگ پڑی ہے
نیم شب میں ناگہاں ایسی ہوائے غم چلی ہر کلی ہر گل پہ رنگ سوگوار آہی گیا
دنیا میں وہ جگہ ہے فقط وادیٔ جنوں ہر رنج وغم جہاں پہ گوارا دکھائی دے
دریائے رنج وغم سے سلامت گزر گیا وہ تو نے وقت غرق سہارا دیا مجھے

آپ کے اشعار میں غم وآلام کے بیان کے ساتھ ایک حوصلہ اور امید صاف دکھائی دیتی ہے لکھتے ہیں ؎

دشوار زندگی میں ہے غم سے ملے نجات لگتا ہے کیوں بشر کو نہ معلوم غم پہاڑ
رنج وخوشی کا دوَر نہیں کوئی مستقل ہوتی نہیں ہے شام کہ ہوتی سحر نہیں

شمع و پروانہ :

ہمارے اردو شعراء خصوصاً غزل گو شعراء نے عشق و محبت کی روداد بیان کرنے کے لئے جس کیڑے کی مدد لی ہے وہ پتنگا ہے۔اس کا شعری نام پروانہ ہے۔وہی پروانہ جو سرِ محفل شمع کے عشق میں جان دینے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔گویا شمع اور پروانہ کی اس محبت نے شعراء کے دلوں میں موجود جزبۂ عشق کو گرمایا ہے اور وہ اس جزبۂ محبت کو قلم بند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں بھی شمع و پروانہ کا تذکرہ اسی جزبۂ عشق کے اظہار کے لئے ہوا ہے۔آپ خود دیکھئے ؎

عشق میں پروانہ ہے دیوانہ شمع جان جانے کی بھی پرواہ نہ شمع

ایک جل کر ایک جلا کر نامور دونوں ہوئے دیکھئے مشہور کس کا کیا ہوا فسانہ شمع

نظر آئے گا قربانی کا منظر، لو بڑھا اپنی فدا ہونے کو تجھ پر شمع، پروانے بہت سے ہیں

شمع آسان سمجھتا ہے وہ جل جانے کو ہے لگی لوٗ سے تیری لوٗ تیرے پروانے کو

اب نہ وہ پروانوں میں ایثار نہ وہ سوزِ جنوں شمع جلتی ہے سر بزم وہ تنویر نہیں

شفیقؔ صاحب کے کلام میں تلمیحات :

اردو کے متعدد شعراء نے ادبی روایت کے طور پر قرآنی تلمیحات کا استعمال کیا ہے۔شعراء نے قرآن مجید کے معروف عقائد، نظریات اور واقعات سے ایسے مفاہیم اخذ کئے ہیں کہ جن تک عام انسان کی رسائی ممکن نہیں ۔ غالب جیسے رند و مشرب شاعر کے یہاں تلمیحات کے اشعار موجود ہیں۔علامہ اقبالؔ کے کلام میں قرآنی تلمیحات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے کلام میں بھی تلمیحات کا استعمال ہوا ہے۔آپ کی تلمیحات میں حقیقی واقعات کا بیان بھی ہے اور اخلاق کی تلقین بھی۔آپ کی غزلوں سے تلمیحات کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

مشہور ہے زمانے میں وہ ہی ہوائے نفس آدم نے جس کی وجہ سے چھوڑا بہشت کو

رسائی نہ پائی کسی نے جہاں پر کسی نے پہنچ کر وہاں بات کر لی

لے کے پہنچا تھا سرطور تو شوقِ دیدار | دیکھ کر ہوش وحواس ان سے سنبھالے نہ گئے
موسیٰ کے دل سے پوچھئے کوئی اس جھلک کا حال | جس برق کی جھلک نے کہ پتھر جلا دیئے
قصہ نہیں یہ حضرت منصور ودار کا | ہے ذکر حق کا ذکر کسی راز دار کا
آج بھی مجھ سے مساجد میں اذاں دیتے ہیں | پیدا آواز میں وہ سوز بلالی نہ ہوا
ہوگئے سب حضرت یوسف کے بھائی | بھائیوں میں وہ محبت ہی نہیں
دار پر کون چڑھے تیری خدائی میں کہ آج | کوئی عاشق تیرا ہم پلۂ منصور نہیں
دیکھا جو مجھے جاتے ہوئے جانب فردوس | جل جل کے جہنم میں ہوئی مضمحل آتش
زمیں کا ذرہ ذرہ تیرے جلوے سے ہوا روشن | وہ کوہِ طور ہی مشہور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
ہے احتیاج پھر وہ اشارہ دکھائی دے | جس سے فلک پہ چاند دو پارہ دکھائی دے

متفرق مضامینِ غزل کے اشعار:

شفیقؔ صاحب نے اپنی غزلوں میں **فطرت کے نظارے** بھی پیش کئے ہیں۔حالانکہ ان کی تعداد کم ہے لیکن روانیٔ بیان، شگفتگیِ زبان اور مترنم انداز کی بدولت ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔آپ خود ملاحظہ فرمائیں ؎

کیسی اٹھکھیلیاں کرتی ہے نسیم | غنچوں کی روح رواں ہو جیسے
موجِ نسیم خلد ہے یا کوئی مسکرا دیا | روح کو تازہ کردیا دل میں چمن کھلا دیا
گل چھیڑ جو کلیوں سے کریں شاخ چمن پر | کرتی ہیں بہاریں بھی اشارہ انہیں ہاں اور
ترانے سن کے عنادل کے ہوتے ہم محظوظ | کہیں نظارہ گلہائے رنگ و بو کرتے

ہے شان انوکھی پھولوں کی ہے شان نرالی پھولوں کی
گلزار کی ڈالی ڈالی پر بے مثل ہے ڈالی پھولوں کی
ہو اصل سے بہتر نقل کوئی مشکل ہے مصور یہ صورت
خوشبو نہیں تیرے پھولوں میں گو شکل بنالی پھولوں کی

شفیقؔ صاحب کی غزلوں میں **جوش اور انقلاب** کا رنگ بھی موجود ہے۔اشعار دیکھئے۔

ابھرتے ہیں جو دب کر گردشِ افلاک کے نیچے — ہمیشہ یاد آتے ہیں وہ جا کر خاک کے نیچے

جو موجوں سے گھبرائیں وہ ہم نہیں ہیں — کیا پار بحرِ رواں ہنستے ہنستے

چلوں گا جان دے کے قافلے سے دس قدم آگے — ذرا سوچو میرے آگے غبار کارواں کیوں ہو

ہے اگر جوش عمل عزم جواں دل میں شفیقؔ — کام مشکل سے بھی مشکل نہیں مشکل ہوتا

پتہ لگ جائے گا ظالم کو وہ دن آنے والا ہے — کہ مظلوموں کی آہوں میں ہوا کرتی ہیں تاثیریں

وہاں پر زخم آنکھیں کھولتے ہیں بہرِ نظارہ — جہاں خنجر بھی چلتے ہیں چلا کرتی ہیں شمشیریں

دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہم نے دیکھا انقلاب — آج اک مزدور بھی تیمور سے کچھ کم نہیں

شفیقؔ اردو زبان کے عاشق صادق اور قدرداں ہیں۔**اردو زبان کی شیرینی اور دلکشی** کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

ہے زبانوں میں زباں اردو زباں — جس میں رنگِ شعرخوانی اور ہے

شفیقؔ اردو زباں میں کشش ہے کچھ ایسی — کسی نے اردو زباں کو زباں سے کچھ نہ کہا

غزل کی مقبولیت وانفرادیت پر شفیقؔ صاحب کے دو اشعار پیش ہیں۔

غزل میں وہ لطافت ہے غزل میں دلکشی وہ ہے — شفیقؔ اس دوَر میں بھی جس کے دیوانے بہت سے ہیں

شفیقؔ ایسی ہے تابانی غزل میں — فدا ہونے کو آئے چاند سورج

شاعر کی ذہنی کیفیت پر شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں۔

جب طبیعت میں نہ آمد ہو شفیقؔ — کوفت شاعر کے لئے ذہنی ہے

اس میں مبالغہ نہیں سچ بات ہے شفیقؔ — دادِ سخن ہے شعر نگاروں کی زندگی

رہتے تو ہیں زمیں پہ فلک پر خیال ہے — طبع رسا عروج میں تجھ کو کمال ہے

شفیقؔ صاحب اپنے دوَر کے نیز موجودہ دوَر کے شاعرانہ ماحول اور **شعراء کی لیاقت** پر طنزیہ انداز میں فرماتے ہیں ۔

شاعری اب ہے اس کا نام شفیقؔ — شعر کس کا سنا دیا کس نے

وہ سنا جاتے ہیں شاعر سرِ محفل اشعار　　دل میں سن سن کے جنہیں اہلِ ہنر ہنستے ہیں
لحاظ نغمۂ و آواز اب ہے محفل میں　　کسی کے دل میں نہیں حسن شاعری کا لحاظ
کاوشِ فکر رسا بیش بہا شئے ہے شفیقؔ　　کوڑیوں میں شعراء شعروں کو بیچا نہ کریں
چاہتا ہے یہ نیا دور کوئی اور ہی بات　　فکر مضموں کوئی اربابِ قلم تازہ کریں

مشاہیر ادب پر شفیقؔ صاحب کے اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

تھی عروسِ غزل نہ اتنی حسیں　　میرؔ شیریں کلام سے پہلے
قابلِ رشک ہو اوراق گلستاں کی بہار　　کوئی سعدیؔ سا تو ہو جائے سخن داں پیدا
بات جو غالبؔ و اقبالؔ نے پائی ہے شفیقؔ　　کیا وہ پرواز کسی اور سخنداں میں نہیں
ہم بھی سخنوروں میں سخنور ہیں وہ شفیقؔ　　مضمون دردؔ کا نہ کوئی ہم اڑا سکے
شاعروں میں تیرا رتبہ وہ عالی غالبؔ　　تو نے بنیاد غزل کیا نئی ڈالی غالبؔ

شفیقؔ صاحب نے **متعدد شعراء کی زمین** میں غزلیں لکھیں ہیں۔ مثلاً غالبؔ، میرؔ، ذوقؔ وغیرہ۔ چند اشعار نموناً پیشِ خدمت ہیں ۔

عشق نا کام ہے منظورِ نظر ہونے تک　　قطرہ قطرہ ہے حقیقت میں گہر ہونے تک
مدّت میں ملا ہے یہ ہمیں ان کا نشاں اور　　رہتے ہیں جہاں وہ، وہ جہاں میں ہے مکاں اور
ہے فلک عدو ہے عدوز میں تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو　　میرا دوست ان میں کوئی نہیں تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کہہ گئے جانے وہ کیا آ کے مرے کان کے پاس　　توڑ دی آن کو کس طرح میرے آن کے پاس

موصوف نے **مشکل زمینوں** میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں ۔

کہیں فرہاد و مجنوں تو نہ سوتے ہوں شفیقؔ ان میں　　نظر آئے مزاروں پر گریباں آستیں دامن
اس نے کہا بے قرار سینے میں دل ہے کس طرح　　پارہ رکھا ہتیلی پر اور دکھا دیا کہ یوں

دشوار زندگی میں ہے غم سے ملے نجات — لگتا ہے کیوں بشر کو نہ معلوم غم پہاڑ

عمر گزری ہے ہماری تو اسی الجھن میں — اپنے گھر ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

مجھکو معاف کرنا کہتا ہوں کچھ پتہ کی — ہے آج کا مہذب انسان سنگ گزیدہ

شفیقؔ کی غزلوں میں **ضرب الامثال** کے اشعار بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لکھتے ہیں ۔

دنیا میں چلا آتا ہے مدّت سے یہ دستور — اس ہاتھ دئے جا رے اس ہاتھ لئے جا

دلِ ناکام کا رہ رہ کے لب پہ نام آتا ہے — یہ سچ ہے وقت پر کھوٹا ہی پیسہ کام آتا ہے

دائیں بائیں آنکھ نہ ڈال — ہیں وہ سہانے دور کے ڈھول

جا نہیں سکتے عتاب آلودہ پیشانی کے بل — سیدھی رسی کب ہوئی ہے جل کے بل کھائی ہوئی

شفیقؔ صاحب کا پورا کلام سادگی، سلاست، روانی اور عام فہمی کا مظہر ہے۔ **سہل ممتنع** کی مثال دیکھئے ۔

یہ ستم ہے ستم نہیں ہوتا — ان سے اتنا کرم نہیں ہوتا

ہوش دنیا کے اُڑایا نہ کرو — جلوہ اس طرح دکھایا نہ کرو

جن اجزا سے بنی ہے زندگانی — وہ مٹی ہے، ہوا ہے اور پانی

شفیقؔ صاحب متقی و پرہیزگار، پنجگانہ نماز کے پابند انسان تھے۔ آپ نے اشعار میں **نماز کے فضائل** اور ایک نمازی کی ذہنی کیفیت بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں ۔

نمازِ عشق میں ہوں محو ہر نفس ہمدم — خبر نہیں ہے تیمّم ہے کیا وضو کیا ہے

دن تلاوت میں کٹا رات مناجاتوں میں — تیرے خاصوں کی کٹی عمر انہیں باتوں میں

مزہ جب آئے گا سجدے میں سر جھکانے کا — کہ سر جھکا کے نہ لوں نام سر اٹھانے کا

شراب ناب جو ملتی تو ہم وضو کرتے — نماز کے لئے پھر خود کو قبلہ رو کرتے

قیامت کا اندھیرا حشر میں تھا — اجالا ہو گیا داغِ جبیں سے

کس سے کریں گے دفترِ اعمال پر ضیا — داغ سیاہ زینت لوحِ جبیں نہیں

جذبۂ شوق میں اس طرح جبیں سائی ہو داغ سجدہ نہ کہیں باعث رسوائی ہو

اتنی پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے بعد بھی موصوف کا دل اپنے کردہ و ناکردہ گناہوں کے سبب **احساس ندامت** سے پُر ہے۔ لکھتے ہیں ۔

گناہگار رہی اجلاس میں طلب ہونگے اسی خیال نے مجھ کو گناہگار کیا

کفن میں چھپ کے چلے ہیں اسی ندامت میں ہنر نہ کوئی نہ کوئی کمال لے کے چلے

اسی خیال سے ہے دل افسردہ چہرہ زرد کھرا نہیں ہے جو ہم ساتھ مال لے کے چلے

نہ پردہ فاش ہو یارب کہ شرم کے مارے گناہ لایا ہوں میں بھی چھپا کے پردے میں

مجھے جو اشکِ ندامت ملے وضو کے لئے وسیلہ ہو گئے محشر میں آبرو کے لئے

شفیقؔ صاحب کی فارسی غزلیں :

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا فارسی کلام پر مشتمل مجموعہ ٗ کلام فارسی ٗ ہمارے پیش نظر ہے۔ مجموعہ میں موجود فارسی غزلیں آپ کے دواوین میں بھی موجود ہیں لیکن جب مرحوم مفتونؔ کوٹوی صاحب نے اپنے مضمون ''کلام شفیقؔ جھالاواڑی، ایک تاثر'' میں فارسی کلام کو الگ سے مجموعہ کی شکل دئے جانے کی بات کہی تب شفیقؔ صاحب نے یہ مجموعہ مرتب کیا۔ مفتونؔ صاحب نے آپ کے فارسی کلام کے متعلق لکھا تھا کہ ''فارسی کلام بجائے خود اگرچہ ایک علیحدہ مجموعہ کی شکل میں نہیں ہے تاہم ایک الگ مقام رکھتا ہے اور وہ بھی ایک جداگانہ تعارف کا مستحق ہے بقول مصنف خدا نے اس زبان میں بھی ۔

زلطف خود شفیقؔ شعر گورا عراقی وعمر خیام کروند'' [1]

شفیقؔ صاحب نے جون ۱۹۷۲ء کے بعد یہ مجموعہ ''کلامِ فارسی'' مرتب کیا ہوگا کیوں کہ مجموعہ پر تاریخ ترتیب درج نہیں ہے ہاں آپ کے دستخط موجود ہیں۔ اس مجموعہ میں ۱۵؍غزلیں، ۴؍تضامین اور ۲؍قصیدے درج ہیں۔ حافظ شیرازیؔ، حضرت صائبؔ ترشیزی، مرزا غالبؔ اور شیخ سعدیؔ کی غزلوں پر آپ کی تضامین مخمس کی شکل

---

[1] کلام شفیقؔ جھالاواڑی۔ ایک تاثر مضمون نگار۔ مفتونؔ کوٹوی، مطبوعہ شانِ ہند دہلی جون ۱۹۷۲ء ص ۲۷

میں ہیں۔ آپ کا تحریر کردہ ایک قصیدہ در صفتِ مدینہ منورہ ہے جس میں ۱۸؍اشعار ہیں اور دوسرا قصیدہ در مدح حضرت محمد ﷺ ہے جو ۳۱؍اشعار پر مشتمل ہے دیگر دواوین کی طرح یہ مجموعہ بھی اشاعت سے محروم ہے۔

چونکہ راقمہ فارسی زبان سے واقفیت نہیں رکھتی لہٰذا شفیقؔ صاحب کی فارسی شاعری کی خوبیاں اور زبان و بیان پر گفتگو کرنے سے قاصر ہے۔ تاہم آپ کی فارسی غزلوں سے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نہ خفتہ است نہ ناخدا خفت است
چہا کنیم بہ طوفاں نصیب ما خفت است

عجب عجب بہ شب قدر ماجرا دیدم
کہ رندِ میکدہ بیدار و پارسا خفت است

بدل روشن چراغ نور ایمانے کہ من دارم
محیطِ کعبہ و بت خانہ یزدانے کہ من دارم

بہ چشمِ قیس لیلیٰ ہم نباشد ہم چنیں صحرا
کہ از روزِ ازل در دل بیاباں نے کہ من دارم

نہ دیدہ بود افلاطوں شفیقؔ آں خطۂ یوناں
بخلوت خانۂ دل رشک یونانے کہ من دارم

بہ ہجرت سخت مشکل بود شب جائے کہ من بودم
زغم فریاد در دل بود شب جائے کہ من بودم

ز ایوانِ قدم یوسف جمالے بے نقاب آمد
دلم در جذب کامل بود شب جائے کہ من بودم

جلوۂ کردگار می بینم درخت ایں بہار می بینم
سبزہ در سبزہ زار می بینم ہر چہ ہست آشکار می بینم

درزمانہ شفیقؔ دینارا عرصۂ کارزارمی بینم

نہ بابرم نہ ہمایوں نہ من جہاں گیرم منم گدائے نہ ایں گیرم ونہ آں گیرم

عطااگربشود بازقوتِ بازو زمیں چہ درنظرم باج زآسماں گیرم

بہ رندی چوں مرابدنام کردند برسوائی خیال خام کردند

بہ دہرآنہا کہ فیض عام کردند نکوکاراں شدندونام کردند

دارم دل من اگرشکستہ کن رحم وکرم تو برشکستہ

گراشک زچشم ترشکستہ نایدبہ بہاگہرشکستہ

ازروزِازل بدست آمد تدبیرعلاج پرشکستہ

تابہ کمال رفعتش اوجِ خیال کہ رسد برسرذاتِ بیچگوں عقل فعال کے رسد

بحرِ ثنا ؤ حمد تو ہست محیط بیکراں تابہ کنارآخرش زورقِ قال کے رسد

ہرچہ شفیقؔ وصف او خسروؔ دہلوی نوشت طائرفکرمن برآں صاحب حال کے رسد

شفیقؔ صاحب کے مجموعہ ''کلام فارسی'' میں غزلوں کے علاوہ تضامین اورقصائدبھی موجود ہیں جن کا تذکرہ باب پنجم میں ''شفیقؔ صاحب کی قصیدہ نگاری'' اور ''شفیقؔ صاحب کی تضمینات'' کے حوالے سے کیا جائے گا۔

باب چہارم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ

بحیثیت نعت گو شاعر

باب ِ چہارم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت نعت گو شاعر

نعت ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں رسول اکرم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے، اگرچہ فنی اعتبار سے نعت کو صنف سخن نہیں کہا جا سکتا مگر موضوع کے اعتبار سے نعت میں ایک مخصوص نوعیت کا کلام ہوتا ہے جس کا تعلق صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک سے ہے [۱] جس طرح حمد میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا بیان کی جاتی ہے اور منقبت میں اولیائے کرام وصوفیاء بزرگوں کی تعریف کا بیان ہوتا ہے اسی طرح نعت میں حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی صفات کا تذکرہ مقصود ہے۔ نعت عربی لفظ ہے جس کا مادہ 'ن ع ت' ہے اور اسکے لغوی معنیٰ صفتِ ثنا اور توصیف کے ہیں۔ [۲]

نعت شاعری کی نازک ترین صنف ہے اس صنف میں اشعار نظم کرنا آسان کام نہیں۔ نعت گوئی اسی وقت ممکن ہے جب کہ شاعر کے دل میں رسول اللہؐ سے سچی محبت وعقیدت کے جذبات موجزن ہوں، وہ دینی معلومات سے بہرہ ور ہو اور نبوت کے ہر گوشے پر اس کی نظر ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اظہار عقیدت میں لغزش آنا معمولی بات ہے۔ ایسا ہونے پر نعت شاعرانہ حسن ولطافت سے عاری رہے گی [۳]

نعت گوئی کا تعلق آورد سے کم، آمد سے زیادہ ہے۔ بقول احمد رضا خاں بریلویؒ ''نعت گوئی آسان کام نہیں۔ یہ ایک مشکل صنف سخن ہے۔ نعت گوئی کا تعلق کیونکہ صرف حضورِ اکرم ﷺ کی ذات پاک سے ہے اس لئے منسب رسالت کا التزام قدم قدم پر لازمی ہے۔ ذرا سی چوک شاعر کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔'' [۴]

---

[۱] معروف محقق اور مصنف ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب کے مطابق

[۲] سحاب کرم شاعر امین الدین امینؔ عباسی (''مضمون'' کہتے ہیں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں ہمیں از راحتؔ گوالیاری) مطبوعہ نیک نام پرنٹرز کوٹہ، اکتوبر ۲۰۱۱ء ص-۴

[۳] مولوی سلیم الدین تسلیمؔ جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا صاحبہ مطبوعہ کوٹہ والا آفسیٹ جے پور ۲۰۰۵ء ص-۱۵۷

[۴] نئے تنقیدی زاویے مصنفہ ڈاکٹر خوشحال زیدی (مضمون: احمد رضاں خاں بریلوی) ص-۱۲۳

نعت گوئی کے سلسلے میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے اپنے دیوان قلزم انوار میں بعض ذریں خیالات کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں ''نعت کے موضوع پر قلم اٹھانا آسان کام نہیں۔ شعر و سخن میں جب تک تعلیّ اور مبالغہ حد سے متجاوز نہ ہو لطف پیدا نہیں ہوتا اور اذہان متاثر نہیں ہوتے۔ تصوف کا موضوع شعراء کے لئے بہت وسیع ہے ذرہ میں آفتاب یا آفتاب میں ذرہ، قطرہ میں دریا یا دریا میں قطرہ، خالق میں مخلوق یا مخلوق میں خالق کی تجلیات دکھانا ایک صوفی خیال شاعر کے لئے اس کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہوسکتا ہے برعکس نعت نگار کیلئے موضوع نعت اس سے بالکل مختلف اور انتہائی محدود ہے شاعرانہ پابندیوں کے ساتھ شرعی پابندیاں اتنی ہوتی ہیں کہ ان سے عہدہ برا ہونا آسان کام نہیں ہے''۔

مزید لکھا ہے کہ ''موضوع نعت کے تعرج و تفوق پر اگر تنزّل کا قدرے شائبہ مترشح ہوتا ہے تو فوراً صدائے ؎ با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار۔ ایک با ہوش شاعر پر تازیانہ کا کام کرتی ہے اور اگر حقائق متعارفہ سے بلندی پر فکر رسا پرواز کرتی ہے تو یہ نعرۂ ملکوتی ؎ اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم۔ برقی تازیانہ کی طرح چمک کر نور کو نار بنا دیتا ہے۔ خدا اور اس کے محبوب کے تقدس و تکرم کا قائم رکھنا شاعر کے فن اور اس کے فہم و تخیل کا روح رواں ہے۔ یہ تقدس و تکرمؐ یہ احترام و وقار اگر قائم ہے اور محبوب و محبّ کے مراتب کو شاعرانہ لطافت میں بوجوہ احسن ظاہر کیا گیا ہے وہ نعت اپنی فضیلت میں بے مثال ہے اور ایسا نعت نگار اپنے کردار میں ممتاز ہے''۔[1]

لہٰذا ان اقوال و خیالات کی روشنی میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ نعت گوئی صحرا میں بے خوف چلنے کا نام نہیں بلکہ یہ وہ راہ ہے جس پر چلنا تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ نعت گوئی کے تقدس کے بارے میں فارسی کے مشہور شاعر عرفیؔ شیرازی کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے ؎

هزار بار به شویم دهن ز مشکِ گلاب
هنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی [2]

---

[1] قلزم انوار (دیوان نعت اول) مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ عرضِ حال، تاریخ تحریر ۸؍ جولائی ۱۹۶۸ء ص-۱، ۲

[2] سحاب کرمؐ شاعر امین الدین امینؔ عباسی (مضمون: کہتے ہیں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں ہمیں از راحتؔ گوالیاری) مطبوعہ نیک نام پرنٹرز، کوٹہ ۲۰۱۱ء ص-۴۳، ۴۴

یعنی اگر انسان اپنے منہ کو ہزار بار مشک وگلاب سے دھولے تب بھی اس منہ سے حضورﷺ کا پاک نام لینے کے لائق نہیں ہوسکتا۔نعت گوئی ہر کسی کے بس کی بات نہیں یہ عطائے پروردگار ہے جسکو وہ حکم دے وہی نعت کہہ سکتا ہے۔

نعت ظہورِ اسلام سے ہی شاعری کا موضوع رہی ہے۔[۱] اور سرکار مدینہﷺ کے رسول مبعوث ہونے سے لے کر آج تک کہی جا رہی ہے۔نعت گوئی کی ارتقاء کے بارے میں معلوم کیا جائے تو کلمۂ طیبہ میں بھی نعت موجود ہے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اللہ نے قرآن مجید میں اپنے محبوبﷺ کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی ہے۔حضورﷺ کی مدحت اور ثنا خوانی کی ابتداء کا سہرا حضرت حسانؔ بن ثابتؓ کے سر ہے۔حضرت حسانؔؓ صحابی ہونے کے ساتھ عربی کے پہلے نعت گو شاعر ہیں۔خود سرکار دو عالمﷺ آپ کی نعت ممبر سے اتر کر سماعت فرماتے اور حسانؔؓ کو ممبر پر بیٹھنے کا حکم دیتے۔جس سے نعت اور نعت گو شاعر کا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ [۲]

نعت گوئی کا سلسلہ عربی شاعری سے شروع ہو کر فارسی میں آیا اور پھر اردو تک پہنچا۔اردو میں نعت گوئی کا سلسلہ اردو شاعری کے آغاز سے ہی جاری ہے اور مختلف اصناف میں نعتیں کہی جاتی رہی ہیں اگرچہ عام طور پر غزل کی شکل میں زیادہ تر شعراء نے نعتیں کہی ہیں۔ حسان الہند جناب محسنؔ کاکورویؒ کے نعتیہ قصیدہ کا مصرعہ ہے ؎

''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل''

اسکو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اسکی زمین میں مختلف شعراء نے نعتیہ قصائد لکھے۔اسی طرح نظم، قطعہ، رباعی کی صورت میں بھی نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ [۳]

---

[۱] مولوی سلیم الدین تسلیمؔ جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا صاحبہ مطبوعہ کوٹہ والا آفسیٹ جے پور ۲۰۰۵ء ص-۱۵۷

[۲] سحابِ کرمؐ شاعر امین الدین امینؔ عباسی (مضمون: کہتے ہیں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں ہمیں از راحتؔ گوالیاری) مطبوعہ نیک نام پرنٹرز، کوٹہ ۲۰۱۱ء ص-۳،۴

[۳] معروف محقق اور مصنف ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب کے مطابق

اردو شاعری میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز امیر مینائیؔ نے کیا۔ ان کے بعد ان کے شاگرد محسنؔ کاکوروی نے اس صنف کو بامِ عروج تک پہنچایا۔[۱] بقول جناب نورالحسن نقوی ''نعت کہنے کا رواج ہماری شاعری میں ایک عرصہ سے چلا آرہا ہے لیکن محسنؔ کاکوروی نے اپنی شعری صلاحیت کو صرف نعت کے فروغ کے لئے وقف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن میں وہ خواب میں سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ اس کے بعد عشقِ رسول ﷺ سے ایسے سرشار ہوئے کہ نعت کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ محسن کاکورؔی کے استاد امیؔر مینائی کا اردو شاعری پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے نعت گوئی کو ایک مستقل صنف سخن کا درجہ دیا لیکن شاگرد کا یہ کارنامہ ہے کہ اس نے اسے بامِ عروج پر پہنچا دیا''۔[۲] نعت گوئی میں منفرد شاعر کی حیثیت سے جناب احمد رضؔا خاں بریلویؒ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں نعت گوئی کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''حدائق بخشش'' کے نام سے مقبول خاص و عام ہے جو نعتیہ شاعری اور عشقِ رسول ﷺ کا شاہکار ہے۔[۳]

اردو میں نعت گوئی ہندوستان کے ہر خطّے میں ہو رہی ہے۔ راجستھان میں بھی تقریباً ہر علاقے میں نعت گوئی کو بڑی مقبولیت حاصل رہی اور شاید ہی ایسا کوئی مسلمان شاعر ہو جس نے کسی نہ کسی شکل میں نعت نہ کہی ہو۔ مسلم شعراء ہی نہیں بلکہ غیر مسلم شعراء نے بھی نعتیں کہی ہیں، مسلم شعراء کے یہاں تو نعتوں کے مجموعے تیار کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر نادرہ خاتون صاحبہ کی تحقیق کے مطابق راجستھان میں غزل کے بعد نعت، منقبت، سلام وغیرہ کو فروغ حاصل ہوا۔ نعت گوئی کو تو اتنی مقبولیت ملی کہ مشاعرے کے انداز میں ''طرحی'' اور غیر طرحی مناعتے'' ہوئے جن میں طرحی اور غیر طرحی صرف نعتیں پیش کی جاتی تھیں۔ ایسے ایک مناعتے کا گلدستہ ''ریاض الرسول'' کے نام سے

---

[۱] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرس دہلی-۶ زیرِ اہتمام ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۹۵ء ص-۱۲۰

[۲] تاریخ ادب اردو مرتبہ، نورالحسن نقوی مطبوعہ ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرس دہلی-۶ ۲۰۰۸ء زیر اہتمام ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص-۱۴۷، ۱۴۸۔

[۳] ماہنامہ استقامت، علمی و ادبی ڈائجسٹ کانپور (مضمون امام اہلِ سنت مجدد دین وملت صاحب دانش وحکمت اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ قدس سرہ از مولانا عبدالمبین نعمانی) مطبوعہ امپریل پریس لال کنواں دہلی- جون ۱۹۷۲ ص-۱۲۱

مجاہدالدین نسیمؔ نے ۱۹۲۱ء میں مرتب کر کے مطبع اساس الدین سے شائع کرایا۔ ۱؎

راجستھان کے صاحبِ دیوان نعت گو شعراء درج ذیل ہیں:

۱. سید اصغر علی آبروؔ (ولادت ۱۸۵۲ء ٹونک) مجموعہ نعتیہ قصائد ''وسیلہ مغفرت'' غیر مطبوعہ

۲. حافظ عالمگیر خاں کیفؔ ٹونکی (ولادت ۱۸۶۰ء ٹونک، آپ کافی عرصہ جھالا واڑ میں رہے اور یہیں انتقال ہوا) نعتیہ مجموعہ ''وسیلۂ شفاعت'' مطبوعہ

۳. ٹونک کے آخری تاجدار، عزیز الدولہ نواب اسمٰعیل علی خاں تاجؔ، نعتیہ مجموعہ ''تاجدار مدینہ'' (مطبوعہ) مرتبہ سید منظور الحسن برکاتی۔

۴. اساس الدین احمد تسنیمؔ (ولادت ۱۲۹۴ھ نارنول) تصنیف ''گنجینۂ نعت نظم اردو''

۵. عثمان عارفؔ نقشبندی (ولادت ۱۹۳۳ء بیکانیر) نعتیہ مجموعہ ''فیضان مصطفےٰ'' مطبوعہ

۶. مولوی سلیم الدین تسلیمؔ جے پوری نعتیہ مجموعہ ''کلیات تسلیمؔ''

مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ چند شعراء ایسے بھی ہیں جن کے یہاں نعت کے دیوان یا مجموعے تو مرتب نہیں ہوئے لیکن کلام میں کثرت سے نعتیہ غزلیں یا اشعار موجود ہیں۔ ان میں سے اہم شعراء کے نام ہیں: مولانا معنیؔ اجمیری، مقبولؔ نصیر آبادی، عزیزؔ بیکانیریؔ، بیدلؔ بیکانیری، نواب ابراھیم خاں خلیلؔ والئ ٹونک، نواب سعادت علی خاں سعیدؔ وغیرہ۔ ۲؎ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ راجستھان کی مختلف ریاستوں میں اردو شعر وادب کا فروغ شروع ہوا اور روایتی کلاسکی شاعری کے ساتھ نعت اور منقبت نگاری کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی۔ خاص طور پر بزرگان دین کے عرسوں کے موقعوں پر نعتیہ اور منقبتی مشاعروں کا اہتمام کیا جانے لگا۔ راجستھان کی دیسی ریاستوں میں جن کے حکمراں غیر مسلم تھے وہاں بھی نعت گوئی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور سے ریاست جھالا واڑ میں راجراناؤں کے دورِ حکومت میں ان کی فراخ دلی اور بے تعصب نظریہ کے باعث نعتیہ کلام

۱؎ راجستھان میں شعری گلدستوں کی روایت اور ان کی اہمیت مصنفہ ڈاکٹر نادرہ خاتون مطبوعہ ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی۔ ۲۰۱۰ء ص-۲۰۶

۲؎ راجستھان میں شعری گلدستوں کی روایت اور ان کی اہمیت۔ متفرق صفحات سے مواد لیا گیا۔

منظرِ عام پر آتا رہا۔ نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کثرت سے ہوتا رہا اور آج بھی یہاں نعتیہ مشاعروں کا رواج ہے۔ یہاں کے نامور شعراء نے اتنی نعتیں کہیں ہیں کہ ان کے مجموعے مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ ایسے شعراء میں مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ کا نام نمایاں نظر آتا ہے جن کے نعتیہ کلام کے دو مجموعے ''قلزم انوار'' اور ''کواکب النعت'' ہمارے پیشِ نظر ہیں۔

شفیقؔ صاحب عالم باعمل، صاحبِ تقویٰ بزرگ اور سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ آپ کے آباؤ واجداد با کمال عالم وفاضل بزرگ گزرے ہیں۔ تقویٰ وطہارت، صبر وقناعت، شرافت ونجابت، علم وفن آپ کو ورثہ میں ملے تھے چونکہ آپ نے دینی ماحول میں آنکھیں کھولیں لہٰذا عشقِ رسول ﷺ آپ کے دل ودماغ میں سمایا ہوا تھا۔ من احبَّ الشئ اکثر ذکرَہُ ۔یعنی جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔ شفیقؔ صاحب کا دل جزبۂ عشق محمدی سے معمور تھا اس لئے آپ نے محبت رسول اللہ ﷺ میں ڈوب کر اشعار کہے ہیں۔

شفیقؔ صاحب کے نعتیہ مجموعوں کا مختصر تذکرہ :

۱. قلزمِ انوار:

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے نعتیہ کلام کا پہلا ضخیم مجموعہ ''قلزم انوار'' یعنی دیوان نعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غیر مطبوعہ ہے۔ یہ مجموعہ خود موصوف کے ہاتھ کا مرتب کردہ ہے جس میں ۱۹۲۹ء (ابتدائے شاعری) سے لے کر ۱۹۷۵ء تک کا کلام درج ہے۔ اس مجموعے کو موصوف نے حسان الہند جناب محسنؔ کاکوروی کے نام منسوب کیا ہے جو شفیقؔ صاحب کے استادِ سخن ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی کے استاد اور بڑے ماموں تھے گویا شفیقؔ صاحب کو محسنؔ کاکوروی کے سلسلۂ تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ جس کا اعتراف آپ نے خود کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''حضرت محسنؔ کاکورویؒ میرے استاد الاستاد ہیں۔ اس نسبت کو میں اپنے لئے قابلِ فخر تصور کرتا ہوں لیکن اس موضوع پر قلم اٹھانا آسان کام نہیں۔ چونکہ راقم الحروف آغاز سے بخدمت ملک الشعراء مولوی عبد الوحید نیرنگؔ مرحوم کے زیرِ تعلیم رہا۔ عالم طفولیت سے حضرت محسنؔ کے اشعار عالی سنتا رہا۔ کلیات محسنؔ زیرِ مطالعہ رہی اس کے رموز ونکات سخن پر غائرانہ نظر رہی۔ بحمد اللہ کہ کلامِ نعت پاک منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوا'' [۱]

---

[۱] قلزم انوار مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص-۱ (عرض حال)

شفیقؔ صاحب نے ''قلزم انوار'' میں سب سے پہلے انتساب پیش کیا ہے۔ انتساب کے بعد ''عرضِ حال'' میں نعت گوئی سے متعلق اہم وذریں خیالات کا اظہار کیا ہے آپ نے نعتیہ غزلیں بلحاظ حروف تہجی مرتب کی ہیں۔ نعتیہ غزلوں کے علاوہ اس میں قصائد، تضامین اور مسدسات شامل ہیں۔ ان میں سے ایک مسدس بعنوان ''سراپائے مقدس محبوب رب العالمین'' ہے جو کہ کریمی اسلامی بڑی تقویم بمبئی بابت ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۸ء مطبوعہ کریمی پریس بمبئی کے صفحہ نمبر ۷ تا ۱۰ پر چھپ چکی ہے۔ مجموعہ میں ۳ حمدیہ غزلیں ۱۷۳/ نعتیہ غزلیں اور ۱۷/ مناقب موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ۴/ قصائد (دو اردو اور دو فارسی میں) ۷/ مسدسات، ۲/ مخمسات ،۱۸/ تضمینات ۱۸/ قطعات، ۲۴/ رباعیات اور ۱۳/ چاربیتیں شامل مجموعہ ہیں۔ مجموعہ میں موجود تمام شعری اصناف کا موضوع رسول اکرم ﷺ کی عظمت ورفعت کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک اور اوصاف حمیدہ کے بیان سے یہ مجموعہ معطر ہے۔

''قلزم انوار'' میں درج ہر اک شعر شفیقؔ صاحب کے حقیقی جذبات و پاکیزہ خیالات اور رسول اللہ ﷺ سے آپ کی بے انتہا عقیدت ومحبت کو عیاں کرتا ہے۔ زبان نہایت سلیس ہے کہیں کہیں دقیق الفاظ کا استعمال روانی بیان کے لحاظ کیا گیا ہے۔ مجموعے کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے کی گئی۔

۲. کواکب النعت :

کواکب النعت شفیقؔ صاحب کا دوسرا لیکن مختصر نعتیہ مجموعہ ہے جسے آپ نے اپنے عم محترم مرزا صدیق بیگ مرحوم کے نام ۱۸/ اپریل ۱۹۸۰ء کو معنون کیا۔ اس مجموعہ میں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۲ء تک کا نعتیہ کلام حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے۔ مجموعہ میں ۲/ حمد، ۵۰/ نعتیہ غزلیں، ۳ مناقب، ۲ تضامین ۱۳/ رباعیات اور ایک مخمس موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کی چار رباعیوں پر تضامین بھی شامل مجموعہ ہے۔ ہر نگارش کے ساتھ اس کی تاریخ تحریر بھی درج ہے۔ حمدیہ غزل سے مجموعہ کی ابتداء ہوئی ہے۔

شفیقؔ صاحب نے اپنے نعتیہ دواوین میں سرکار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پاکیزہ شخصیت، سیرتِ طیبہ اور عظمت کا تذکرہ جن نکات کی روشنی میں کیا ہے ان کا مختصراً تذکرہ مع نمونۂ کلام درج کرتی ہوں۔

ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم :-

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت امتِ مسلماں کے لئے باعث رحمت وبرکت ہے اس موضوع پر شعراء نے اپنے اپنے انداز میں اشعار نظم کئے ہیں۔ شفیقؔ صاحب نے ولادتِ رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا بیان بڑے ہی خلوص ومحبت اور شاعرانہ لطافت کے ساتھ کیا ہے۔ شفیقؔ صاحب کی نعتیہ غزلوں سے ولادتِ محمد ﷺ کے تعلق سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جہاں میں نورِعین آمنہ کی آمد آمد ہے — محمد مصطفےٰ صلِ علیٰ کی آمد آمد ہے

خدا کے سلام ان کے نام آرہے ہیں — جو نبیوں کے بنکر امام آرہے ہیں

ہوا خانۂ آمنہ عرشِ اعظم — نبی رفیع المقام آرہے ہیں

دین حق کا چاند چمکا جس میں وہ یہ رات ہے — آج گھر گھر روشنی ہے آج گھر گھر چاندنی

ملائک سیر کو لے جاتے تھے آغوشِ مادر سے — تعالیٰ اللہ کس شان کا تھا بچپن محمدؐ کا

یہ معراج محبت انبیا میں کس نے پائی ہے — حریم عرشِ اعظم بھی ہے گھر آنگن محمدؐ کا

سرکار دوعالم ﷺ کی ولادت سے عرش وفرش، جن وملائک اور انسان وفرشتے کس قدر نازاں تھے۔ آپ ﷺ کی آمد سے چاروں طرف نور کی برسات ہوئی۔ امت مسلماں کے لئے آپ ﷺ رحمت العالمین بنکر تشریف لائے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کا جلوہ وہ دکھاتے ہوئے آئے — عالم کو پرانوار بناتے ہوئے آئے

دنیا سے ہوا ہوگئیں تاریک فضائیں — دامن سے ہوائیں وہ چلاتے ہوئے آئے

سارا جہاں بھنور میں تھا کوئی نہ تھا جہاں شفیقؔ — آگئے وہ سنبھالنے ورطۂ مشکلات میں

وہ مہر رسالت کی ضیا دہر میں چمکی — کافور ہوئی شام سے ظلمت شبِ غم کی

محبوبِ رب ﷺ :-

اللہ کو اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے اس قدر محبت ہے کہ آپ ﷺ سے عقیدت ونسبت رکھنے والا اللہ کی نسبت وقربت حاصل کرلیتا ہے۔ آپ ﷺ کے وسیلے سے جو دعا کی جاتی ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے جو شخص

آپ ﷺ کو پسند فرماتا ہے اللہ بھی اسکو پسند کرتا ہے۔اس موضوع پر شفیقؔ صاحب نے جو اشعار نظم کئے ہیں وہ قابلِ تحسین ہیں۔

یہ ہے فرطِ محبت عشق صادق کا اثر یہ ہے — خدا خود اس کا شیدا ہے جو شیدا ہے محمد ﷺ کا
اس سے بڑھ کر شرف رحمتِ عالم کیا ہو — وہ جدھر ہوں ادھر اللہ کی رحمت ہو جائے
اللہ اللہ یہ آقائے دو عالم کا وقار — ان سے نسبت ہو تو اللہ سے نسبت ہو جائے
کس کے نصیب میں ہے حبیب خدا کا عشق — انعام یہ وہ لے جسے پروردگار دے
صرف توحید کا قائل ہو رسالت کا نہو — نام کا ہے وہ مسلمان ۔مسلمان نہیں

سراپائے اقدس :-

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے نعتیہ کلام کے ذریعہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپائے اقدس بہت خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے۔آپ ﷺ کا چہرائے مبارک ،دوش اقدس،جبینِ مبارک ،گیسو و عارض کے لئے جن تشبیہات کا استعمال کیا ہے،بہت خوبصورت ہیں۔آپ خود ملاحظہ فرمائیں۔

وہ مجسم نور ہے اس کا سراپا نور کا — جس کے دم سے ہر طرف جاری ہے دریا نور کا
دوش اقدس پر ہے کملی یا دوشالہ نور کا — شام ظلمت میں ہوا جس سے سویرا نور کا
ہے آپ کے یہ گیسو و عارض کا فیض عام — غنچے میں ہے شمیم تو ہے پھول پر فروغ
یہ نور ماہ میں نہ ضیا آفتاب میں — جو آب و تاب ہے رخِ عالیجناب میں
تابِ جبیں سے عارض انور کے نور سے — ذرے عرب کے ہوگئے تارے،رسولِ پاک

آپ ﷺ کے رخ کا جلوہ دیکھ پانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ جس رُخ پرُنور پر شیفتہ فرشتے ہیں لکھتے ہیں۔

تجلئ رخِ تاباں کی تاب لانا بھی — اک امتحان نظر ہے نظر،نظر کے لئے
انسان زمیں پر سر افلاک فرشتے — ہیں شیفتۂ صورتِ سرکار دو عالم

اخلاقِ حسنہ ﷺ :-

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے محسنِ اعظم یعنی انسانِ کامل ہیں۔آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔آپ کی حیات طیبہ یعنی احادیث مبارکہ ہی انسانی ہدایات کا سر چشمہ ہے۔اخلاقِ محمدی ﷺ کے متعلق شفیقؔ صاحب کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

نظیر جسکی نہیں آپ نے وہ کام کیا دلوں میں لوگوں کے روشن خدا کا نام کیا
خلعتِ تعلیم دیں سے خلعت تہذیب سے تم نے دنیائے جہالت کیا سنواری واہ واہ
تقریر جب سنی ہے شہہ مرسلین کی قدموں میں آپڑی ہیں صفیں مشرکین کی
ہے یہ بھی معجزہ اخلاق اعلیٰ کا زمانہ میں نظر آتا نہیں کوئی کہیں دشمن محمدؐ کا
اس طرح کی دل میں پیدا حق و باطل کی تمیز ہو گئے مُلکِ عرب کے جتنے تھے سردار لوٹ
راہ میں کانٹے بچھا جاتے تھے اکثر فتنہ گر آپ کے قدموں پہ ہوتا تھا مگر ہر خار لوٹ
جہاں کے گوشے گوشے میں فدائی انکے ملتے ہیں زمانہ دیکھ لے یہ شان اخلاق پیمبر ہے

آپ کی سیرتِ طیّبہ کے حوالے سے شفیقؔ صاحب کی نعتیہ غزل کے یہ تین اشعار خاص طور سے ملاحظہ فرمائیں ۔

وہ امیّ کہ لکھے پڑھوں کو پڑھائیں وہ دانا کہ ناداں کو دانا بنائیں
وہ فاقہ پہ فاقہ کریں خود نہ کھائیں تییموں کو وہ پیٹ بھر کر کھلائیں
غریبوں کو شاہانہ خلعت جو بخشیں وہ پیوند کپڑوں میں اپنے لگائیں

ایسی بے مثل سیرتِ پاک ہمارے پیارے نبی ﷺ کی ہے۔لہٰذا آج کے اس پُر آشوب دوَر میں آپ ﷺ کی حیات پاک مشعلِ راہ ہے۔لکھتے ہیں۔

ان کی اک بات پر جو غور کرو نکلیں صد ہا نکات کی باتیں
دین و دنیا میں کام آتی ہیں ہیں وہ ان کی حیات کی باتیں
خلاصہ آپ کی تبلیغ کا یہی ہے شفیقؔ کہ آدمی بھی ہو ہمدرد آدمی کے لئے

آپ ﷺ نے ہم گناہ گار بندوں پر جو گرانقدر احسانات کیئے ہیں اور آپ ﷺ کے ذریعہ جو معجزات ظہور میں آئے ان کا تذکرہ شفیقؔ محترم نے اس انداز میں کیا ہے ۔

معجزوں سے بھی بڑی بات حقیقت میں یہ ہے　　پیچھے پیچھے ہوئے سرکار کے دنیا والے
شقِ مہہ کے لئے انگلی نے اشارہ پایا　　آنکھ والوں نے ادھر چاند دو پارا پایا
یہی معجزہ تو ہے معجزہ کہا تم نے بولو تو بول اٹھے　　وہی رکھتے تھے جو دہن نہیں، وہی رکھتے تھے جو زباں نہیں

عظمتِ محمد ﷺ :-

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی عظمت وافضلیت کا بیان شفیقؔ صاحب کے نعتیہ کلام کی جان ہے جسے آپ نے پوری ایمانداری اور احتیاط سے، ادب وآداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انجام دیا ہے۔نورِ علیٰ نور ﷺ کی عظمت و بلندی کے تعلق سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

محمد مصطفےٰ ﷺ تم انبیاء میں ایسے افضل ہو　　صحائف میں ہے افضل مرتبہ جسطرح قرآں کا
دونوں عالم میں تمہیں انجمن آرا پایا　　کتنا اعلیٰ ہے خدا جانے تمہارا پایا
شانِ خدا ہو تم بخدا تم خدا نہیں　　تم سا خدائی میں نہ کوئی ہے، ہوا نہیں
یکتا ہیں انبیاء میں اِسی طرح آپ بھی　　جس طرح اک خدا ہے، خدا دوسرا نہیں
شافعِ محشر ہی سب کچھ ہیں خدا کے سامنے　　انبیاء چپ ہیں امام الانبیاء کے سامنے
بشر سے ہو کیا وصف شانِ محمدؐ　　ہے اللہ خود مدحِ خوانِ محمدؐ

محبوب رب العالمین حضرت محمد ﷺ کے القاب وآداب ملاحظہ فرمائیں ۔

شاہ عرب محبوب رب والا گہر خیر البشر　　امّی لقب قرآں بلب، پیغامبر خیر البشر
یٰسین کی شرح معنی طٰہٰ تمہیں تو ہو　　توضیح مدعائے فاولیٰ تمہیں تو ہو
میرے حضورؐ ہیں واللہ نور کی قندیل　　کہ ہیں وہ بزم خدائے غفور کی قندیل
شاہِ مدینہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم　　فخر رسالت نازش آدم صلی اللہ علیہ وسلم
ماہِ مبین سورۂ یٰسین سرور ریاضِ سورۂ طٰہٰ　　عارض انور قامتِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ نے عرش وفرش، زمین وآسمان اور پوری کائنات سب کچھ اپنے محبوب کے لئے بنائے ہیں، سجائے ہیں، دنیا وعقبیٰ کی کوئی شئے آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں ۔ آپ ﷺ جانِ رحمت ہیں ۔ جب کچھ نہ تھا تب آپ ﷺ تھے اور جب کچھ نہیں ہوگا تب بھی آپ ﷺ ہی ہونگے ۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے شفیقؔ صاحب لکھتے ہیں ؎

کہاں کئے گئے سامان یہ کسی کے لئے　　　بنائے دونوں جہاں صرف آپ ہی کے لئے

محمد ہیں اس وقت سے بالیقیں　　　نہ تھے جب کہ یہ آسمان و زمیں

تفسیر تمہیں تم ہو فقط کن فیکون کی　　　ہو تم سببِ گرمیٔ بازار دو عالم

مخفی نہیں ہے شئے کوئی کونین کی تم سے　　　تم وہ ہو کہ دیکھ آئے ہو اللہ کا گھر بھی

کوئی جا کوئی شئے نہیں تم سے مخفی　　　دو عالم تمہارے تو ہیں دیکھے بھالے

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی عظمت کے بیان سے کلامِ شفیقؔ منور ہے ۔ آپ کے چند اشعار جو کلام اللہ یعنی قرآن مجید فرقانِ حمید سے وابستہ ہیں بہت خوب ہیں ۔ لکھتے ہیں ؎

ملگئی ہے فوقیت جتنی کلام اللہ کو　　　ہے صحائف کو مگر اتنی نہیں اتنی نہیں

کتابیں آسمانی اور بھی تو ہیں مگر ان میں　　　قیامِ حشر تک قرآں کے پارے جگمگا اٹھے

نسخۂ سلیس ہوگا نہ قرآن سا کوئی　　　اک فقرہ ہو سکا نہ کسی بھی ادیب سے

آپ ﷺ کی عظمت ورفعت کے بیان میں شفیقؔ صاحب کی غزلوں کی بحریں کہیں طویل ہوگئی ہے تو کہیں نہایت مختصر، آپ کی قادرالکلامی اور علمیت کے ثبوت میں چند اشعار ملاحظ فرمائیں ؎

آپ ہیں مبتدا آپ ہیں منتہا آپ ہیں مقتدا خاتم الانبیاء

آپ بدرالدجیٰ　آپ شمس الضحیٰ آپ کہف الوریٰ خاتم الانبیاء

خدا کی طرف سے حبیب خدا کو بہ فرطِ محبت سلام آرہا ہے

مسلّم ہے کونین میں ان کی عظمت کہ جن پر خدا کا کلام آرہا ہے

وہ چلا ہے چاروں طرف یہاں، وہ چلیگا چاروں طرف وہاں
ہے تمہارا سکہ ہی سکہ وہ کہ چلن ہے جسکا کہاں نہیں

شفیقؔ صاحب نے جس روانی اور سادگی سے طویل بحر میں اشعار نظم کئے ہیں اتنی ہی روانی اور شیرینی آپ کی چھوٹی بحر کی غزلوں میں بھی بلاشبہ موجود ہے۔نمونۂ کلام پیش ہے ۔

آئینۂ کبریہ محمدؐ ہیں جلوہ گہہ خدا محمدؐ
کونین کے پیشوا محمدؐ شہنشاہِ انبیاء محمدؐ
یہ فخر ملا میرے نبیؐ کو انسان بنایا آدمی کو
آراستہ آپ نے کیا ہے انسان کو اسکی زندگی کو

شبِ معراج :-

شبِ معراج نور وسرور والی رات ہے اس مقدس رات میں پوری کائنات رحمت وبرکت اور نور ونکہت کی کملی اوڑھ لیتی ہے۔شب معراج کی عظمت اور فضائل کا تذکرہ شفیقؔ صاحب نے بڑے ہی والہانہ انداز سے کیا ہے۔اشعار دیکھئے ۔

مرحبا ماہِ رسالت کی ضیا باری سے بقۂ نور ہوا سارا جہاں آج کی رات
انبیاء میں نہ کسی کو ملی معراج کی رات آپ سے کی شبِ معراج میں اللہ نے بات
صد خلد بکف ایک بہار شبِ معراج ہر شب سے مؤقر ہے وقار شبِ معراج
شبِ معراج بہر خیر مقدم کس مسرت سے خدا نے عرش اعظم کو سنوارا یا رسول اللہ
جس جگہ جانے میں جبرئیل کے پر جلتے ہیں جا کے خود تم نے وہاں جلوۂ یکتا دیکھا
دیکھنا ان کی تجلی ہے محال آج کی رات جلوہ اللہ کا ہے ان کا جمال آج کی رات

اس رات اللہ اور اس کے حبیب محمد مصطفےٰ ﷺ کے درمیان کوئی پردہ نہ رہا جتنے راز تھے سب آپ ﷺ پر آشکارہ کر دئے گئے جس کا خلاصہ شفیقؔ صاحب نے بہترین انداز میں یوں کیا ہے ۔

وہ قرب شبِ معراج ملا اے صلی علیٰ اے صل علےٰ
محبوب ومحبّ کا فرق اٹھا اے صلِ علےٰ اے صلِ علےٰ

جانے والا ہی یہ جانے کہ خدا ہی جانے
آنِ واحد میں کہاں پہنچے وہاں کیا دیکھا

میرا ایماں ہے ان پر راز سارے آشکارا ہیں
شبِ اسریٰ بنائے جن کو خالق رازداں اپنا

اس سے کیا راز رکھا ہوگا خدا نے مخفی
مل کے اللہ سے جو سینہ بسینہ آیا

اللہ نے حبیب کو اپنے بلا کے پاس
جی بھر کے ان کے حُسن کو دیکھا بٹھا کے پاس

رحمت العالمین محمد مصطفےٰ ﷺ کے دل میں اپنی اُمت کی بخشش کا خیال اس قدر موٗجزن تھا کہ جہاں پہنچ کر کچھ ہوش نہیں رہتا وہاں آپؐ نے اپنی امت کی شفاعت کا وعدہ اللہ تعالیٰ سے لے لیا۔ اس کے متعلق شفیقؔ صاحب کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

اپنی امت سے محبت بھی ہے ان کو کتنی
دور دل سے نہیں امت کا خیال آج کی رات

نعمتیں ساری خدائی کی خدا نے بھر دیں
دیکھکر وسعتِ دامانِ سوال آج کی رات

لے لیا بخششِ امت کا خدا سے وعدہ
سب سے پہلے یہ کیا آپ نے کام آج کی رات

باقی رکھا ہی نہیں کام کوئی کل کے لئے
آپ نے کر لئے طے سارے امور آج کی رات

شافعِ حشر کے صدقے میں ہمیشہ کے لئے
ہو گیا سرد وہ دوزخ کا تنور آج کی رات

رحمت اللعالمین ﷺ:۔

آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں۔ ہماری فریاد اور گریہ زاری آپ ﷺ ہی سنیں گے اور ہمارے دکھ درد اور پریشانیوں کو دور فرمائیں گے۔ اشعار دیکھئے ؎

فریادِ شفیقؔ خستہ جگر کیسے نہ سنیں گے آنحضرتؐ
جب آنکھوں میں آنسو آ پہنچے ماتھے پہ پسینہ آ پہنچا

نزع کا عالم قبر کی مشکل ہوگی شفیقؔ آسان یقیناً
یاد جو رکھا نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وادیٔ عشق میں ایسے بھی مقام آتے ہیں
میرے سرکار جہاں آپؐ ہی کام آتے ہیں

قوی بھروسہ ہے دل میں یہ گرتے گرتے بھی
حضورؐ وہ ہیں جو گرتوں کو تھام لیتے ہیں

حقیقت میں بہر مریض محبت
دوا ہیں محمدؐ دعا ہیں محمدؐ

خود بڑھ کے لیا دامنِ رحمت نے نظر سے
جو اشکِ ندامت کہ بہا دیدۂ تر سے

شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم :-

روزِ قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سایۂ رحمت میں تمام امتیوں کو لے لیں گے اور سب کی مغفرت کی سفارش فرمائیں گے اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کے سایہ میں ہر امتی بخش دیا جائے گا۔ شفیقؔ صاحب کو اس بات پر یقین کامل ہے لکھتے ہیں ؎

نہیں کچھ خوف اس کو حشر میں خورشید تاباں کا	جسے حاصل ہے سایہ دامنِ محبوب یزداں کا
آپ رضواں نے درِ خلد بریں کھول دئے	تم کو جب حشر میں ہمدرد ہمارا پایا
محشر میں بڑھ کے امت عاصی کو لے لیا	کتنی وسیع تر ہے کنارِ حبیب رب
نہ کوئی یہاں پر نہ ہوگا وہاں پر	وہی حامئ بیکساں ہیں محمدؐ
اس طرف دریائے رحمت جوش میں آجائے گا	جس طرف محشر میں اٹھ جائیں گی چشمانِ رسولؐ

شفیقؔ صاحب نے اپنے نعتیہ کلام میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو شخص آپ سے سچی عقیدت ومحبت رکھتا ہے وہ روزِ محشر کی آزمائشوں سے بے خطر نکل جائے گا۔ آپؐ کے دیدار کے لئے شفیقؔ محترم آج ہی قیامت کا سامنا کرنے کو تیار ہیں۔ کہتے ہیں ؎

کل کی تاخیر بھی کیوں آج قیامت ہو جائے	صورت ایسی تو ہو دیدار کی صورت ہو جائے
اے شافع محشر تمہیں جب حشر میں دیکھا	ہر فرد پریشاں خوش وخرم نظر آیا
جو شافع محشر کے قدموں میں مچل جائے	وہ حشر کے کھٹکوں سے بے کھٹکے نکل جائے

فردوس میں جائیں گے جواُن کے ہوئے شیدا　　اس بات سے دوزخ بھی جل جائے تو جل جائے

عظمت مدینہ منورہ :-

مدینہ منورہ کیا ہے ؟اور مدینۃ الرسول میں کیا ہے؟ان سوالات کے جواب میں مدینہ منورہ کی عظمت و شان شفیقؔ صاحب کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیں ؎

رشک باغ ارم مدینہ ہے　　شہر شاہِ امم مدینہ ہے
کعبۂ محتر م تو ہے مکہ　　قبلۂ محترم مدینہ ہے
نظر ہو تو نظر آئے کہ کیا کیا ہے مدینہ میں　　جو کہتے ہیں کہ ہے کیا صرف روضہ ہے مدینہ میں
وہاں پر رب کا ہونا کیسے ممکن ہو نہیں سکتا　　جہاں محبوب رب آرام فرما ہے مدینہ میں
یہ دیکھ آئے ہیں اہلِ نظر مدینہ میں　　حضور آج بھی ہیں جلوہ گر مدینہ میں
چھوڑو بھی طور آؤ مدینے میں تم کلیمؑ　　ہر سمت وہ تجلی نورِ خدا ملے
کلامِ خدا جسکے سینے میں ہے　　وہ کہتا ہے سب کچھ مدینے میں ہے

مدینہ منورہ کی ہر ایک گلی ہی شفیقؔ محترم کے لئے فردوس سے بڑھ کر ہے۔ مدینہ منورہ دیکھنا، وہاں قیام کرنا اور آستانۂ رسول کی زیارت کرنا امتِ مسلماں کے لئے باعثِ سعادت ہے ۔اس موضوع پر شفیقؔ صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار مختلف انداز سے کیا ہے لکھتے ہیں ؎

درحقیقت جنّتی ہونے میں اس کے شک نہیں　　زندگی جس نے مدینے میں گزاری واہ واہ
ہے رشک خلد بریں ہر گلی مدینے کی　　بڑھا گئے ہیں وہ رونق نبیؐ مدینے کی
حکم ہو جائے ان کا بہر طلب　　پھر تو کیا ، دو قدم مدینہ ہے
دو عالم کی دولت مدینے میں ہے　　وہاں کا تو مرنا بھی جینے میں ہے
ملی سمجھوں جنت جو مل جائے مجھکو　　مدینے کی کوئی گلی یا محمدؐ
جب روضۂ شانِ دو عالم نظر آیا　　جبرئیل کا سر بھی تو وہاں خم نظر آیا
لطف استغنا جسے کہتے ہیں حاصل ہے اسے　　جس کی مٹھی میں ہے خاکِ آستانِ مصطفیؐ

محفل میلاد کا انعقاد اور اسکی برکات پر شفیقؔ صاحب کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

جس بزم میں کہ ذکر رسولِ انام ہو — اس بزم پر حضورؐ کا اکرام عام ہو
دوست اللہ کے نبیوں کے امام آتے ہیں — بزم میلاد میں لینے کو سلام آتے ہیں
ضیا باری ہوئی وہ محفل میلاد اقدس پر — نہا کر نور کی بارش میں سارے جگمگا اٹھے

نعت گوئی کی سعادت :-

شفیقؔ صاحب نعت گوئی کو اپنے لئے باعثِ فخر و ناز اں تصور کرتے ہیں آپ ﷺ کی شان و عظمت کے بیان کو اپنی بخشش و نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ آپ نے نعت گوئی سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار بصد احترام کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

نعت سرکار دو عالم کا ہے مضموں جس میں — شعر سب کو وہی مرغوب ہوا خوب ہوا
ان کا مداح زمانے میں ہوا ہے جو شفیقؔ — اس پہ ہوگا کرم رحمتِ عالم مخصوص
آنکھوں پہ فرشتے اسے رکھتے ہیں ادب سے — جو نعت محمدؐ میں عقیدت سے لکھا خط
تم سے شفیقؔ اس سے سوا مدح ہو محال — قرآن میں خدا نے کہو کیا لکھا نہیں
سب سے پہلے ہی شفیقؔ نعت گو کے نام پر — ہوگیا پروانۂ فردوس جاری واہ واہ

نہ ہو جس میں ذکر حبیب حق، نہ ہو جس میں نعت حبیب حق
وہ ادب نہیں، وہ سخن نہیں، وہ بیاں نہیں وہ زباں نہیں

شفیقؔ صاحب نے نعتِ نبی ﷺ کے وصف کی خاطر کاغذ بھی عمدہ درجے کا عطا کرنے کی دعا فرمائی ہے۔ تین اشعار بطور خاص ملاحظہ فرمائیں ۔

عالم قدس سے اے باد صبا لا کاغذ — چاہئے نعت نبیؐ کے لئے بڑھیا کاغذ
نعت آقائے دو عالم میں جو لکھا کاغذ — ہوگیا گلشن فردوس کا تختہ کاغذ
زہد و تقویٰ پہ بھروسہ نہ عبادت پہ شفیقؔ — میری بخشش کا سر حشر یہ ہوگا کاغذ

نعتیہ غزلوں سے متفرق مضامین کے اشعار:-

مئے خانۂ محمد ﷺ میں مئے عشق جو بھر بھر کر پیتے ہیں ایسے بادۂ خواروں کے لئے شفیقؔ صاحب نے بہترین اشعار نظم کئے ہیں۔ مشربِ میخانہ کے تسلسل میں غزل مسلسل بھی نظم کی ہے۔ اشعار دیکھئے ؎

آراستہ جہاں میں ہیں میخانے اور بھی — ہم ہیں ازل سے میکش میخانۂ رسولؐ
پینے کے لطف سے بھی سوا آرہا ہے لطف — آنکھیں لگی ہیں جانبِ پیمانۂ رسولؐ
مئے عشق نبیؐ میں رات دن سرشار میں بھی ہوں — نہ سمجھو اس کو مدہوشی بڑا ہشیار میں بھی ہوں
وہ بادۂ اطہر کونسی ہے جو ساقیٔ کوثر پیتے ہیں — کس شان کے پینے والے ہیں خود عرش پہ جاکے پیتے ہیں
للچائی ہوئی پڑتی ہے نظر ان بادہ کشوں پرا ے ساقی — جو مکہ میں جا کر پیتے ہیں زمزم میں نہا کر پیتے ہیں
کیا ظرف میں ان کے وسعت ہے کیا حوصلہ اعلیٰ ان کا ہے — امت کو پلاتے ہیں پہلے پھر ساقیٔ کوثر پیتے ہیں

کیا شئے ہے شفیقؔ اللہ اللہ، اس شئے کا نشہ سبحان اللہ
جس شئے کے سبھی پینے والے جی بھر کے بھی پی کر پیتے ہیں

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ شریعت وطریقت کے پیکر خاص شاعر گزرے ہیں۔ اس کے باوجود اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں پر نادم وشرم سار ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

تمہیں کیا منہ دکھاؤں حشر میں اے شافع محشر — مجھے خود شرم آتی ہے جو صورت لے کے آیا ہوں
برائے نذر دنیا سے میں لاتا بھی تو کیا لاتا — میرے مولیٰ گہر ہائے ندامت لے کے آیا ہوں

شفیقؔ صاحب مذہبِ اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اسکی ترقی کے لئے دعا گو ہیں۔ کہتے ہیں ؎

اسلام کے سانچے میں انسان جو ڈھل جائے — پل بھر میں اس انساں کا عالم ہی بدل جائے
تمنا ہے کوئی دل میں تو اتنی ہی تمنا ہے — کہ چمکے قسمتِ مومن کا تارا یا رسول اللہ
اسلام کے چمن کو خدا وہ بہار دے — پھولیں وہ پھول رنگ انہیں شاندار دے
جہاں میں چار سوں امن واماں کا راج ہو جاتا — چلن اپنا لئے ہوتے جو دنیا نے محمدؐ کے

ہے گزارش اہلِ ملت کے لئے　　دل میں پیدا درِ دِملت کیجئے

شفیقؔ صاحب بہت حساس طبیعت انسان تھے۔لہٰذا امتِ مسلماں کے باہم ٹکراؤ سے بے چین ہو جایا کرتے تھے لہٰذا فطرت انسانی پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

جتنا دشمن آدمی کا آدمی اب ہے حضورؐ　　آسماں اتنا نہیں دشمن زمیں اُتنی نہیں

ہمارے میکدے کی خیر تیرے ہاتھ ہے یارب　　بہم ٹکرا رہے ہیں جام و پیمانے محمدؐ کے

ان کی خاک پا کو وہ پہنچے یہ ممکن ہی نہیں　　گو نکالے ہیں بڑے انسان نے پر آج بھی

شفیقؔ صاحب کا دل عشق نبیﷺ سے معمور تھا،لہٰذا آپ نے اپنی والہانہ محبت اور جذباتِ عقیدت کا اظہار بہار یہ دواوین میں بھی پوری روانی کے ساتھ کیا ہے اور آپ کے بہار یہ دواوین بھی عظمتِ محمدﷺ کے نور سے منور ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرمائیں ۔

کہاں کئے گئے سامان یہ کسی کے لئے　　بنائے دونوں جہاں صرف آپ ہی کے لئے

اسی کا پیارا چہیتا ضرور ہے کوئی　　کہ جس کے واسطے کی ہے جہاں کی آرائش

ایماں بالیقیں ہے یہ ایمان شفیقؔ کا　　بعد از خدا ہیں صرف رسول خدا کریم

چاند میں اتنی آب و تاب نہیں　　روئے انور کا وہ جواب نہیں

ثانی نہیں زمانے میں اس بے مثال کا　　جس کو کمالِ حسن ملا ہے کمال کا

سمجھوں گا اپنے آپ کو میں جنّتی شفیقؔ　　آجائے میرے ہاتھ جو دامن حضورؐ کا

ہوئے ہیں وجد کے عالم میں غرق دونوں جہاں یہ کس حبیب نے کی ہے یہ کس حبیب کی بات

وہ تو عطر و گل جنّت سے معطر ہوگا　　لادے شیشی میں کوئی ان کا پسینہ بھر کر

محشر میں آگے ہوں صف خدام میں شفیقؔ　　دابے تھے خواب میں جو رسولِ زمنؐ کے پاؤں

شفیقؔ صاحب لمبی علالت کے بعد (۱۳/جولائی ۱۹۸۳ء سے ۱۰/نومبر ۱۹۸۳ء) صحت یاب ہوئے تو آپ نے پہلی غزل نعتِ پاک میں لکھی۔[1] یہ غزل مدینہ معظّمہ کی زیارت کی پُر امید خواہش کے مدِّ نظر لکھی گئی ہے۔ غزل کے ابتدائی تین اشعار اور مقطع ملاحظہ کیجئے ۔

---

[1] شفیقؔ صاحب کی غیر مطبوعہ کلام کی بیاض، جس میں ۱۹۸۰ء کے بعد کا کلام درج ہے، سے یہ معلومات حاصل ہوئی۔اس بیاض پر ANCHOR لکھا ہوا ہے۔

جو خاکِ شہر مدینہ نصیب ہو جائے　　تو قصر خلد کا زینہ نصیب ہو جائے

جو شعر موزوں ہو اس میں ہو نعت کا مضمون　　وہ شاعری کا قرینہ نصیب ہو جائے

دعاء ہے آپ کے صدقے میں یا رسول اللہؐ　　مجھے بھی سیرِ مدینہ نصیب ہو جائے

شفیقؔ دل میں رہے دل سے یاد انکی لگی　　وہ زندگی میں قرینہ نصیب ہو جائے

نعت محبتِ رسول ﷺ کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شفیقؔ صاحب نے اپنی نعتوں میں محبتِ رسول ﷺ کے اظہار میں پوری متانت وصداقت سے کام لیا ہے اور عمدہ و معیاری کلام قلمبند کیا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ شفیقؔ صاحب کا نعتیہ کلام صدق جزبات اور والہانہ عقیدت سے لبریز ہے۔ آپ نے بہت احتیاط سے ادب وآداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تفکرات وخیالات کی ترجمانی کی ہے۔ زبان کی سلاست اور بیان کی دل آویزی سے کلام شیریں اور دلکش ہو گیا ہے۔ شفیقؔ صاحب کے کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے جناب مفتوںؔ کوٹوی لکھتے ہیں:

”......اور ظاہر ہے کہ وہ سب نعتیہ ہی ہیں۔ سلام، شبِ معراج، سراپا، مرثیہ حضرت حسینؓ اور اس میں صبح کا منظر، خلفائے راشدین کی منقبت، خواجۂ اجمیریؒ سے اظہارِ عقیدت، غرض جو کچھ ہے اگر خدا قبول فرمائے تو مصنف کے لئے وجہ مغفرت اور سبب نجات کا کافی سامان ہے۔“[1]

اس باب کے آخر میں شفیقؔ صاحب کا وہ شعر جس میں آپ نے نعت گوئی کی سعادت کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے ملاحظہ فرمائیں ؎

خدا کی عین عنایت ہے شکر ہے اس کا
زباں ملی ہے مجھے مدحتِ نبیؐ کے لئے

---

[1] کلام شفیقؔ جھالاواڑی۔ ایک تاثر مضمون نگار جناب مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ: شان ہند دہلی، جون ۱۹۷۲ء ص-۲۶، ۲۷

بابِ پنجم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی

دیگر اصنافِ شاعری اور نثر

باب پنجم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی دیگر اصنافِ شاعری اور نثر

(الف) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی اصنافِ شاعری

(۱) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی حمد اور منقبت

(۲) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی مسدس نگاری

(۳) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت رباعی نگار

(۴) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت قطعہ گو

(۵) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی قصیدہ نگاری

(۶) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تضمینات

(۷) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی مخمس نگاری

(۸) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی نظم نگاری

(۹) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت مرثیہ گو

(۱۰) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی چاربیت نگاری

(ب) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی نثر نگاری

(الف) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی اصنافِ شاعری

(ا) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی حمد اور منقبت

زیبا ہے حمد تجھ کو اے عزّ وشان والے

عرش وزمیں کے مالک اور آسمان والے (اسحاقؔ جھالاواڑی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کا پروردگار ہے، ہر طرف اسی کی بادشاہت ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا اور جس کو چاہے ذلت۔ سب کی قوت وطاقت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔اس کا کوئی فعل حکمت ورحمت سے خالی نہیں، وہی سب سے اوّل ہے اور وہی آخر، وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، ہر شئے میں اس کی جلوہ آرائی ہے۔وہ آنکھ سے اوجھل ہے مگر دلوں میں روشن ہے، وہ ہر دل کے بھید جانتا ہے۔ بے کسوں و بے بسوں کا مددگار ہے۔وہ جہاں اپنے نیک بندوں کا قدردان ہے وہیں گنہگاروں پر بھی مہربان ہے۔

ایسے منعم حقیقی کی حمد وثناء ہم کیونکر نہ کریں کہ جس کے انعام واکرام ہر آن ہم پر اتنے کثیر ہیں کہ جن کی کوئی انتہا ہے نہ کوئی مثال۔ایسے رب تبارک وتعالیٰ کا ذکر، اسکی یاد، اسکا شکر، اسکی احسان مندی کا تذکرہ ہمارے لئے فطری عمل ہے۔

خداوند عالم کے قربان میں

کرم جس کے لاکھوں ہیں ہر آن میں

ہم اپنے ہر کام کی شروعات اللہ کے نام سے کرتے ہیں۔ دنیائے ادب اردو کے تقریباً ہر شاعر نے اپنے دیوان ومجموعہ کلام کی ابتداء اللہ ربّ العزت کی حمد وثناء سے کی ہے۔مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے چھ دواوین میں سے چار دواوین کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوئی ہے۔ بقیہ دو دیوان میں پہلی غزل کے متعدد اشعار حمد باری تعالیٰ سے آراستہ ہیں۔علاوہ اس کے آپ کی متعدد غزلوں میں حمدیہ اشعار موجود ہیں۔آپ کی تحریر کردہ حمدیہ غزلوں کی کل تعداد ۸؍ ہے۔ نیرنگ سخن اور تسلیم ادب میں ایک ایک، قلزم انوار میں تین، کواکب النعت میں دو اور ۱۹۸۰ء کے بعد کے کلام کی گرے رنگ کی بیاض میں ایک حمد درج ہے۔آپ نے بنسبت دیگر اصنافِ شاعری کے حمدیہ کلام بہت کم کہا ہے۔

شفیقؔ صاحب کے دواوین سے حمد یہ غزلوں کے چند اشعار تبرکاً ملاحظہ فرمائیں ۔

دیوان نیرنگ سخن:

ہے آئین مکمل چمن آرائی کا چل گیا سکہ تیری قدرتِ یکتائی کا
نئ تشکیل وہ کی فخر نبی آدم میں جب تجھے شوق ہوا انجمن آرائی کا
وہ بلالیں درِ اقدس پہ شفیقؔ آئے وہ دن ہو شرف مجھ کو عطا ناصیہ فرسائی کا

دیوان تسلیمِ ادب:-

اللہ ہے مقدس واللہ نام تیرا جیسا ہے نام تیرا ویسا کلام تیرا
ہر ذات سے جہاں میں ہر نام سے جہاں میں افضل ہے ذات تیری افضل ہے نام تیرا
آنکھیں جنہیں ملی ہے وہ دیکھتے ہیں اسکو جاری ہے ہر جگہ پر فیضانِ عام تیرا

دیوان قلزمِ انوار:-

فروغ بزم ہستی ہو وجود کا تعدم میرا محبت میں اگر ہو جائے تیری سر قلم میرا
تیری تحمید میں وہ پھول برسائے قلم میرا گلستان ثنا ہو جائے قرطاس رقم میرا
اچھوتے سے مضامیں حمد کے یارب عطا کردے تیری درگاہ میں حاضر ہے سر کے بل قلم میرا
لیتی ہے نام دنیا، ہر صبح وشام تیرا آتا ہے کام سب کے اللہ نام تیرا
تیرے حبیب لائے جو کچھ پیام تیرا اس سے ہوا ہے روشن عالم میں نام تیرا
ہر میکدہ ہے تیرا ہر ایک جام تیرا ہر شے جہاں کی تیری ہر جا مقام تیرا

کواکب النعت:

تیرے حبیب آئے لیکر پیام تیرا جنسے سنا جہاں نے اللہ نام تیرا
دنیا کا ہے بنانا ہر کام، کام تیرا ہے کارساز عالم وہ پاک نام تیرا
کتنا عزیز جاں ہے اللہ نام تیرا ہر لب پہ ذکر جاری ہے صبح وشام تیرا
تیری صفات ہیں کیا بیمثال یا اللہ تو لاشریک ہے تو لازوال یا اللہ

ہے لازوال ہر کمال یا اللہ نہیں کمال کو تیرے زوال یا اللہ
شفیقؔ حمد سرا کی قبول کر یہ دعاء زبان دے اسے خسرو مقال یا اللہ

اردو شعراء خصوصاً نعت گو شعراء نے کلام منقبت پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور نعت ومنقبت کے مجموعے مرتب کئے ہیں۔منقبت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں خلفائے راشدین، اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کی عظمت وشان کا بیان ہو۔کامل اولیاء اور صوفیاء کرام اللہ کے خاص دوست ہوتے ہیں۔انکا قربِ خاص اللہ تک رسائی کا زینہ ہے۔ ان اولیاء اللہ اور صحابۂ کرام نے دین اسلام کے فروغ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں اور باہمی اتحاد و بھائی چارہ، خلوص ومحبت کا وہ پیغام عام کیا کہ مذہب اسلام نے ترقی کے کئی مراحل طے کر لئے۔ان حضرات کی زندگی احکامِ خدا اور فرمانِ رسول کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے۔یہ سب خدا کی شان کے مظہر ہیں۔ان کے قرب میں گزارا گیا ایک ایک لمحہ سو سال کی عبادت سے افضل واعلیٰ ہے۔ان بزرگانِ دین سے وابستگی ہی صراط مستقیم ہے یہ دنیا میں ہی نہیں بلکہ بروز حشر خدا کے حضور ہماری مغفرت کا ذریعہ بنیں گے۔انہیں اولیائے کرام کی صفات، عظمت اور کرامات وخدمات کو شعراء نے موضوعِ سخن بنایا ہے۔شفیقؔ صاحب کے نعتیہ دواوین میں مناقب بھی موجود ہیں جن کی کل تعداد ۲۰/ہے۔ان میں سے ۱۷/''قلزم انوار میں جبکہ ۳/کواکب النعت'' میں درج ہیں۔علاوہ ازیں منقبت کے اشعار آپ کے بہاریہ دواوین میں بھی موجود ہیں۔آپ کی مناقب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو اولیاء اللہ سے عقیدت ونسبت ومحبت غیر معمولی تھی۔

عہد رسالت میں صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین نے دینِ اسلام کے فروغ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔عہد رسالت کے چار اہم سطون حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت علی کرم اللہ کا تذکرہ شفیقؔ صاحب نے پورے جوش وخروش سے والہانہ انداز میں کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

ستارے ہوگئے جو صحبت سرکار میں آئے
جمال ہم نشیں کے وصف تو بس چار میں آئے

وہ تھے صدیق اکبر مونس وہمدرد لاثانی
کہ جنکو ساتھ لے کر ثور نامی غار میں آئے

ہوئے فاروقِ اعظم نام نامی تھا عمر جنکا
وہ گرجے اس طرح لرزے صف کفار میں آئے

وہ ذی النورین عثمانِ سخا فطرت حیا پیکر
غنی کی شان سے اسلام کے بازار میں آئے

جہاں میں جن سے ہر سو پرچم اسلام لہرایا
وہ جوہر ذوالفقار حیدرِ کرار میں آئے

ہے صحابہ میں بڑی شانِ ابوبکر وعمر — شانِ اسلام ہے ایمان ابوبکر وعمر
اپنے آقا کے لئے دین کی خدمت کے لئے — وقف تھا سب سامانِ ابوبکر وعمر

آپکی مناقب میں شانِ علیؓ کا جلوہ نمایاں ہے۔اشعار دیکھئے ؎

مشکل کے وقت جسکی زباں پر ہو یا علیؓ — امداد اس کی کرتے ہیں مشکل کشا علیؓ
شیرِ خدا ہو تم اسد اللہ بھی ہو تم — وہ شیر دل ہوئے ہو زمانے میں یا علیؓ
ہر پل تھا وقف خدمتِ اسلام کے لئے — اس دھن میں ختم کرتے تھے صبح ومسا علیؓ
ان کو شفیقؔ ایسے مراتب عطا ہوئے — مولیٰ ہیں علی تو ہیں مشکل کشا علیؓ

شفیقؔ صاحب غلام پنجتن پاک تھے۔حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے شیدائی تھے،جن کی شان میں آپ نے مسدسات اور مناقب تحریر کئے ہیں۔ان میں شانِ حسینؓ اور دردِ حسینؓ بدرجۂ اتم موجود ہے۔فرماتے ہیں ؎

علی کے نور ہیں سبط نبی امام حسنؓ — بلند سارے اماموں میں ہے مقام حسنؓ
ہمارے دل میں ازل سے ہے احترام حسنؓ — زبانِ جن وملک پر رواں ہے نام حسنؓ
چراغ بزم جہاں نور آفتاب حسینؓ — بہار گلشنِ دیں فخر بوتراب حسینؓ
جھکے نہ سامنے باطل کے جان بحق وہ ہوئے — یہ کام کر گئے عالم میں لاجواب حسینؓ

دین کے سالار وسرور ہیں حسینؓ ہاشمی خنجر کے جوہر ہیں حسینؓ
آسماں یہ دیکھکر تھرا اٹھا کربلا میں زیرِ خنجر ہیں حسینؓ
اللہ اللہ ان کا معراجِ وقار زینت دوشِ پیمبر ہیں حسینؓ
ملت کو آج بھی ہے ضرورت حسینؓ کی یہ دوَر چاہتا ہے قیادت حسینؓ کی
جوش وخروش سینوں میں ہوسُن کے مؤجزن واعظ بیان کرو وہ شجاعت حسینؓ کی

شفیقؔ صاحب کی اولیاء اللہ سے نسبت وعقیدت غیر معمولی تھی۔ آپ ہر سال گیارہویں شریف کی فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا کرتے تھے۔[1] حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت خواجہ حمید الدین چشتیؒ خراسانی گاگرونی کی خدمات اور کرامات شفیقؔ صاحب کی منقبتوں کا اہم موضوع ہے۔ چند اشعار تبرکاً ملاحظہ فرمائیں ؎

محی الدین جیلانی کا در ہے وہ زمانے میں سلاطیں فخر کرتے ہیں جہاں پر سر جھکانے میں
خدا نے اولیاء میں تم کو دی شانِ مسیحائی تمہارا نام بھی مشہور ہے مُردے جلانے میں
تمہارا ہی یہ صدقہ ہے کہ برق آسمانی بھی قدم رکھتی ہے ٹھنڈی ہو کے میرے آشیانے میں
جہاں پہ تم ہو مکیں خواجۂ معین الدینؒ میرا بھی دل ہے وہی خواجۂ معین الدینؒ
یہ آرزو ہے کہ اجمیر سر کے بل پہنچوں طلب کریں تو کہیں خواجہ معین الدینؒ
مرادیں ملتی ہیں جس کے حضور سے ہر دم سخی ہوا ایسے تمہیں خواجۂ معین الدینؒ

شفیقؔ صاحب نے کئی مناقب اس خطۂ ہاڑوتی کے کامل ولی اللہ حضرت خواجہ حمید الدین چشتیؒ عرف مٹھے مہاولی کی شانِ اقدس میں تصنیف کی ہیں۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

کون یہ مائلِ اکرام نظر آتے ہیں رند ہاتھوں میں لئے جام نظر آتے ہیں
آنکھیں پرنور ہوئیں سب کے دلوں میں ہے سرور مٹھے بابا کے یہ اکرام نظر آتے ہیں
پڑی ہے چادر زریں نگار مرقد پر ہے ابرِ رحمت پروردگار مرقد پر
تمہارے دم سے بہاریں ہیں وہ حمید الدین بہارِ خلد بریں ہے نثار مرقد پر

---

[1] مولانا الحاج عبدالوحید وحیدؔ صاحب سے دریافت ہوا۔ ۱۱؍دسمبر ۲۰۱۱ء رکارڈیڈ

شفیقؔ صاحب نے نعتیہ دواوین کے علاوہ بہاریہ دواوین میں بھی منقبت کے اشعار نظم کئے ہیں۔ان میں سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

بشر نے جب بشریت سے بڑھ کے کام کیا
وہ پایا مرتبہ اس نے فرشتے پا نہ سکے

جلوہ تمہارا اہلِ نظر کی نظر میں ہے
وہ جانتے ہیں کون لباسِ بشر میں ہیں

یہ آگے آگے مگر کون نیک نام چلے
کہ جن کے پیچھے زمانے کے خاص و عام چلے

میں سمجھتا ہوں کہ ہے یہ بھی خداداد صفت
جب کوئی مجھ کو جواں پیر نظر آتا ہے

بیعت اس کے ہاتھ پہ بوڑھوں نے خوب کی
صورت ہی جس جواں کی لگی پیر کی طرح

دنیا کے کام آتے ہیں سوتے ہوئے بھی وہ
پائی نظر سے چھپ کے مزاروں کی زندگی

ہوش نہیں خبر نہیں کس کی وہ بارگاہ تھی
سر بھی جہاں شفیقؔ نے گل کے عوض چڑھا دیا

وہ اپنی بزم خاص میں کرلیں طلب مجھے
دیکھیں گے کس وقار سے پھر سب کے سب مجھے

جھکی ہوئی ہے تیرے آستاں پہ جسکی جبیں
کہیں وہ چاہنے والوں میں تیرے میں تو نہیں

(۲) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی مسدس گوئی :-

مسدس اردو شاعری کی اہم اور مقبول صنف ہے۔ مسدس مرثیہ کی جدید ترین شکل ہے۔ لغت میں مسدس کے معنیٰ ہیں ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھ چھ مصرعے ہوں۔ لہٰذا مسدس اس نظم کو کہتے ہیں جس کے چھ چھ مصرعوں میں اولاً چار مصرعے ہم قافیہ اور بقیہ دو مصرعے خلاف قافیہ ہوں یا ہر بند کے آخری دو مصرعے مکرر ہوں [۱] اردو ادب میں تقریباً ہر شاعر نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ سوداؔ نے مرثیہ نگاری کے لئے سب سے پہلے مسدس کا استعمال کیا، پھر میر ضمیرؔ نے مسدس کو وہ عروج بخشا کہ مرثیے زیادہ تر مسدس کی شکل میں ہی لکھے جانے لگے۔ انیسؔ، دبیرؔ، چکبستؔ، اقبالؔ اور بہت سے شاعر ہیں جنہوں نے مسدس کی شکل میں نظمیں لکھی ہیں [۲]

حالیؔ کی نظم ''مدوجزر اسلام'' مسدس ہے۔ اور یہ اس قدر مقبول ہوئی کہ اسے ''مسدس حالی'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ مسدس حالیؔ کی مقبولیت کے بعد ہر شاعر نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور اس کے موضوع کو وسعت دی ہے۔

اردو ادب میں مسدس گو شعراء کی فہرست میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے غزل اور نعت کے علاوہ مسدس نگاری پر خاص توجہ مرکوز کی ہے۔ آپ کے دواوین اور بیاضات میں متعدد مسدسات موجود ہیں جن کی کل تعداد ۲۹ رہے۔ ان مسدسات کے ساتھ (زیادہ تر) ان کی تاریخ تحریر بھی درج ہے۔ مذہبِ اسلام کی عظیم شخصیتوں اور ملک کے اہم لیڈروں کو شفیقؔ صاحب نے اپنی مسدس گوئی کا موضوع بنایا ہے۔ علاوہ اس کے جشنِ آزادی و جشنِ جمہوریہ اور اپنے عہد کے اہم واقعات و حادثات کو شفیقؔ صاحب نے مسدس کی شکل میں پیش کیا ہے۔

آپ کی مسدسات قومی اور وطنی جذبات اور احساسات سے شرابور ہیں۔ جنہیں موصوف نے پوری سچائی

---

[۱] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ: ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرس، دہلی-۶ ۱۹۹۵ء ص-۴۳

[۲] تاریخ ادب اردو مرتبہ پروفیسر نورالحسن نقویؔ، مطبوعہ: ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، دہلی-۶ ۲۰۰۸ء ص-۵۲

کے ساتھ پیش کیا ہے۔آپ کی تمام مسدسات حقیقی واقعات وتاثرات کا ترجمان ہیں۔سہل ممتنع جو آپ کی شاعری کی اہم خوبی ہے مسدس گوئی میں بھی وہی انداز موجود ہے۔سلیس زبان اور بیان کی سادگی نے شفیقؔ صاحب کے کلام کو قبولِ عام کا درجہ دلوانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔شفیقؔ صاحب کی مسدسات کے درج ذیل عنوانات سے آپ کی وسیع النظری کا بھی پتہ چلتا ہے۔آپ خود ملاحظہ فرمائیں:

۱. مسدس ''سراپائے مقدس محبوب رب العالمین''
۲. مسدسِ برحلت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم صدر جمہوریۂ ہند
۳. سراپائے گاندھی
۴. مسدس آزادی
۵. ایک شہری کے فرائض
۶. مسدس بتقریب سدھاکر دِوَس
۷. مسدس بتقریب جشنِ جمہوریہ
۸. مسدس بمنقبت سیدنا حضرت امام حسینؓ
۹. پندرہ اگست
۱۰. ٹیچرس ڈے
۱۱. غالبؔ
۱۲. چین ہوش میں آ
۱۳. مذمتِ سنگباری
۱۴. مسدس بمنقبت حضرت امام حسینؓ عالی مقام
۱۵. یوم جمہوریہ
۱۶. مسدس بعنوان راجستھان
۱۷. مسدس بتقریب تشریف آوری بڑے ملا صاحب

۱۸. مسدس بتقریب رسم افتتاح سدھا کر بال مندر

۱۹. مسدس بتقریب تشریف آوری جناب چیف منسٹر آف راجستھان شری بھیرو سنگھ شیخاوت

۲۰. مسدس ''یہ جلوہ گاہ خاص ہے کچھ عام نہیں ہے''

۲۱. مسدس ''یا محمد ﷺ بمن بے سروساماں مدد ے''

۲۲. مسدس بتقریب عید میلا دالنبی ﷺ

۲۳. مسدس بتقریب عید میلا دالنبی ﷺ

۲۴. مسدس (پاکستان)

۲۵. مسدس انسان

۲۶. مسدس بیاد حضرت نیرنگؔ

۲۷. مسدس بتقریب جشن جمہوریہ

۲۸. امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ اور ایک بڑھیا

۲۹. قیصر روم کا قاصد خدمتِ عمرؓ میں

جناب شفیقؔ کی اہم مسدسات کا مختصراً تذکرہ :

(۱) مسدس ''سراپائے مقدس محبوب رب العالمین ﷺ'' (۱۳۸۷ھ)

شفیقؔ صاحب کے نعتیہ دیوان اوّل ''قلزمِ انوار'' میں موجود یہ مسدس ۳/ستمبر ۱۹۶۸ء کو لکھی گئی تھی[۱]
شفیقؔ صاحب نے مسدس میں ایک خواب بیان کیا ہے اور حضور پر نور محمد مصطفیٰ ﷺ کا سراپائے مقدس صفحۂ قرطاس پر اتار دیا ہے۔ حضور ﷺ سے سچی عقیدت ومحبت سے لبریز اس مسدس میں ۶۳ بند ہیں۔ یہ مسدس کریمی اسلامی بڑی تقدیم بمبئی بابت ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۸ء مطبوعہ کریمی پریس ممبئی ۱۰ کے صفحہ نمبر ۷ سے ۱۰ تک پر چھپ چکی ہے۔ مشہور ومعروف ادیب وشاعر جناب مفتوںؔ کوٹوی مسدس کے متعلق لکھتے ہیں ''شفیقؔ صاحب نے حضور ﷺ کا سراپا اس مسدس میں تحریر کیا ہے۔ اس کا تاریخی نام بھی خوب ہے۔ سراپائے مقدس محبوب رب العالمینؐ ۱۳۸۷ھ'' [۲]

۱. دیوان نعت اوّل ''قلزم انوار'' مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ سرِ ورق

۲. کلام شفیقؔ جھالاواڑی : ایک تاثر مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ شانِ ہند دہلی، ۳ جون ۱۹۷۲ء ص-۲۵

یہ مسدس آپ کی مذہبِ اسلام سے غیر معمولی واقفیت ظاہر کرتی ہے۔ حضور ﷺ کی عظمت اور بلندی اور اوصاف حمیدہ کا بیان بڑی سچائی اور وعقیدت سے کیا ہے۔ آپ ﷺ کی قد وقامت، چہرۂ مبارک، کاکل وگیسو، جبیں، ابرو، چشمانِ مبارک، دستِ اقدس، انگشت، قدم پاک، غرض کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کا بیان مسدس کی جان ہے اور شفیقؔ صاحب کی قادرالکلامی اور علمیت کا ثبوت بھی۔

مسدس میں کہیں کہیں فارسی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ تشبیہات وتلمیحات کے استعمال نے مسدس کی روانی، شیرینی اور دل آویزی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ آپ نے مسدس میں ۱۲ ویں بند سے ۱۹ ویں بند تک شیخ سعدیؒ کا شعر اپنے چار مصرعوں کی وضاحت کے لئے پانچویں اور چھٹے مصرعے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ شعر ملاحظہ کیجئے :

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسدس کا ہر بند اتنا رواں دواں اور دلکش ہے کہ مطالعہ سے یہ طے کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ کس بند کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ فی الحال مسدس کے کچھ بندوں سے ہی اکتفا کرنا ہوگا۔ تا کہ شفیقؔ صاحب کی قادرالکلامی اور علمیت وادبیت کا عالم ہم سب پر عیاں ہو سکے۔ مسدس کے ابتدائی اشعار جن میں آپ نے خواب کا منظر بیان کیا ہے ملاحظہ فرمائیں ؎

للہ! محمد کہ وہ خواب میں خواب آیا نظر بخت خوابیدہ چلا اپنا اٹھا کر بستر
جلوہ گر شب ہوئی یا مطلعِ انوار سحر روکشِ عرش معلیٰ ہے وہ پیارا منظر
ایسا نظارہ ہوا پیش نظر جلوہ نما
جو نظارہ نظر افروز ہوا روح افزا

دیکھ کر عالم حیرت میں تھا بزم انوار قابلِ دید ملی آج خدا داد بہار!!!
مرحبا پہنچا ہے کس اوج پہ بخت بیدار بڑھ کے آتے ہیں قدم لینے کو خود عزّ ووقار

ہے سخن سنج کے گھر لطفِ شبستانِ قدم

بارک اللہ کے مہمان ہیں رسول اکرم

حضور پرُ نور ﷺ کی عظمت اور سیرتِ طیبہ کے بیان کے لئے اللہ رب العزت سے درج ذیل چیزوں کو عنایت کرنے کی دعا کر رہے ہیں۔ لکھتے ہیں ۔

زحرف کلکِ فصاحت ہو عطا جنت سے　　شاخ طوبیٰ ہو قلم بہر ثنا جنت سے

تازہ مضمون عطا کر دے خدا جنت سے　　صاف وہ لکھوں کہ آیا ہو لکھا جنت سے

حق سے اتنی تو سفارش مرے مولیٰ کیجئے

کہ عطا لوح و قلم بہر سراپا کر دے

آپ ﷺ کی عظمت اور رفعت کا بیان شفیقؔ صاحب نے والہانہ انداز میں کیا ہے، دو بند ملاحظہ فرمائیں۔

ابنِ آدم ہے یہی ایک وہ اللہ کی شان　　حق کا عرفان ہوا ُسے جس کو ہو اس کا عرفان

اسکے باعث ہی خدائی کا ہوا ہے امکان　　نازل اس ذات مکرم پہ ہوا ہے قرآن

اللہ اللہ محمدؐ ہیں وہ محبوبِ خدا

بعد حق ذات دو عالم میں ہے جن کی یکتا

اے شہنشاہ عرب بادشہِ ملکِ عجم　　سید جنّ و بشر باعثِ فخر آدم

عالم نو رنظر آتا ہے تیرا عالم　　من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شفیقؔ صاحب نے حضور ﷺ کے جسم مبارک اور چہرۂ مبارک کا خاکہ مسدس میں پیش کیا ہے۔ بند ملاحظہ کیجئے۔

جسم اطہر ہے وہ سرچشمۂ انوار خدا　　جس کے ہر پہلو سے ہے حسن حقیقت پیدا

عرش سے فرش پہ جسکا نہیں سایہ آیا　　شانِ یکتائی ہے محبوب کو رکھا یکتا

ہے کہیں کوئی نہ محبوب خدا کا ہمسر

میرا دعویٰ ہے یہ قرآن کو رکھ کر سر پر

فکر کی عالمِ تشبیہہ میں تشبیہہ ملے کوئی تشبیہہ نہ پائی قدِ اقدس کے لئے

عقل کے عرصۂ تنزلیہ میں گھوڑے دوڑے کی بڑی دوڑ جھپٹ سعی میں ناکام رہے

راہ میں مل گئے شمشاد و صنوبر طوبےٰ

وہ کہاں اور کہاں قامتِ محبوب خدا

سنئے اب کاکل و گیسوئے معنبر کے صفات تازہ مضمون نکل آئے کوئی یا بات میں بات

جن کی ہر موج ہوا بن گئی بہر ظلمات صبح صادق کی کروبات کہاں باقی ہے رات

آپ کے کاکل و گیسو ہیں وہ اللہ اللہ

حوریں بھی دیکھ کے کہنے لگیں سبحان اللہ

آپ ﷺ کی صورتِ پاک کے طویل بیان کے بعد شفیقؔ صاحب کو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا اور آپ کو انعام و اکرام سے نوازے گا۔ دو بند ملاحظہ فرمائیں ۔

سُن کے خوش ہو سرِ محشر وہ خداوندِ قدیر اور فرمائے کہ یہ خوب کیا ہے تحریر

اپنی بخشش کی مبارک تجھے سوجھی تدبیر خلد میں تیری چمک اٹھےگی لوحِ تقدیر

تو جو مانگے تجھے ہم دیں ابھی مداح حبیب

اپنا بگڑا ہوا کیا خوب سنوارا ہے نصیب

بعد محسنؔ کے شفیقؔ ایسا سراپا لکھا سن کے ہر بند کو ہم نے بھی کہا صلِّ علیٰ

تحفہ دنیا سے ہمارے لئے اچھا لایا باغ فردوس تجھے اس کے صلہ میں بخشا

باادب پیش خداوند سراپا میں کروں

سر جھکا کر سندِ خلد بریں میں لے لوں

(۲) مسدس سراپائے مہاتما گاندھی :-

تحریک آزادی میں ہندوستان کی رہنمائی کرنے والی عظیم شخصیت مہاتما گاندھی کی ہلاکت پر پورا ملک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا حیران اور غمزدہ ہوئی، شفیق صاحب نے گاندھی جی کی عظمت کا اعتراف اس مسدس کے ذریعہ کیا ہے۔ اور ملک کے سب سے بڑے رہنما اور بے لوث خدمت گزار کو خراجِ عقیدت پیش کی ہے۔ یہ مسدس ۸ بندوں پر مشتمل ہے اور دیوان اوّل ''نیرنگ سخن'' میں موجود ہے۔ موصوف نے مسدس میں گاندھی جی کی شخصیت وعظمت اور نظریۂ حیات کا بیان بڑی سادگی اور دل آویزی سے کیا ہے۔ بقول جناب مفتوںؔ کوٹوی ''سراپائے گاندھی میں شاعر نے اپنے جذباتِ عقیدت اپنے ملک کے سب سے بڑے رہنما کی نذر اس انداز میں کئے ہیں کہ ہندوستان اور گاندھی ایک ہوکر رہ گئے ہیں''۔ [۱]

شفیقؔ صاحب مسدس کی ابتدا میں خود سے مخاطب ہیں۔ پھر گاندھی جی کی شان وعظمت، قومی اتحاد اور وسیع النظری کا بیان اس طرح کرتے ہیں کہ شخصیت کا خاکہ کھینچ دیتے ہیں۔ مسدس کے چند بند ملاحظہ فرمائیں۔

اے مری طبع رسا اپنا دکھادے جوہر صحن قرطاس پہ وردھا کا کھنچ آئے منظر
اس مرقع کو سر بزم دکھادے لاکر جس کے درشن کے طلبگار ہیں اربابِ نظر
شان جب ہی نظر آئے تیری عکاسی کی
ہو بہو کھینچ دے تصویر تو گاندھی جی کی

گلشن ہند میں تھا وہ قدِ رعنا اس کا جس کا شیدا دل وجاں سے تھا زمانہ سارا
اس کی پرنور جبیں سے وہ چمکتی تھی ضیا جس سے تاباں ہوا اس خاک کا ذرا ذرا
اس کی ابرو کے اشارے سے ہوا ہے وہ کام
تیغ وشمشیر سے جو کام نہ پاتا انجام

دونوں آنکھیں تھیں محبت کی وہ گنگا جمنا جنکی موجوں میں چمکتی تھی محبت کی ضیا
وہ مساوات کا آنکھوں پہ لگا تھا چشما جس سے دنیا کے مذاہب کو برابر دیکھا
جلوۂ چشم وہ پُر کیف نظر آتا تھا
دل جدھر سارے زمانے کا کھنچا جاتا تھا

---

[۱] کلامِ شفیق جھالاواڑی ایک تاثر مضمون نگاری مفتوںؔ کوٹوی۔ مطبوعہ شانِ ہند دہلی ۲/جون ۱۹۷۲ء ص-۲۵

اس کے ہاتھوں کی یہ تعریف ہے یہ ہے پہچان   ہر نفس رکھتا تھا ہاتھوں میں وہ گیتا قرآن
اس سے منظور اسے اپنی دکھانی تھی یہ شان   ہندوایماں ہیں مرے اور مسلماں ہیں جان
آج ان باتوں سے دنیا اسے اپناتی ہے
اے شفیقؔ اس کی طرف آپ چلی آتی ہے

۳) مسدس (پاکستان بابت)

شفیقؔ صاحب کا دل حبّ الوطنی جذبات سے معمور تھا۔ پاکستان نے ہندوستان کے خلاف جہاد کے نام پر جو سازشیں کیں اور کر رہا ہے۔ اس کی مذمت میں شفیقؔ صاحب نے یہ مسدس تحریر کی ہے۔ حالانکہ مسدس کو کوئی عنوان نہیں دیا ہے لیکن اس کو پڑھنے سے صاف ظاہر ہے کہ اس کو تحریر کرنے کے پیچھے مصنف کی کیا منشا ہے۔ آٹھ بندوں پر مشتمل اس مسدس میں جناب شفیقؔ نے پاکستان کے ذریعہ چلائے جا رہے مشن جہاد کی پُرزور مذمت کی ہے اور انہیں جہاد کا اصل مطلب سمجھایا ہے۔ لکھتے ہیں ؂

عقل و خرد سے کام لو باشندگانِ پاک   وہ کام تم کرو جو ہو شایانِ شان پاک
تم خار و خس سے پاک کرو گلستان پاک   ہو خوش نہاد و نیک نفس باغبان پاک
ہے ارض پاک کا وہ ہر اک مرد پاک باز
دنیا میں امن دوست ہو باحُسن امتیاز

جس قسم کی جنگ کے لئے ہے دعوئے جہاد   مذہب میں ایسی جنگ کا ہے صاف انسداد
کس طیش میں نبیؐ کا عمل بھی رہا نہ یاد   عالم میں ہو نہ جاؤ کہیں بانیٔ فساد
ہر امن دوست کا ہے پیغام صاف صاف
ہے یہ طریقہ دین کی تعلیم کے خلاف

مذہب میں جس جہاد کو جائز رکھا گیا   وہ ہے جہاد سب سے بڑا اپنے نفس کا
تاریخ سے ذرا نہیں چلتا ہے یہ پتہ   ایسا جہاد سرورِ دیں نے کبھی کیا
ناحق ہوا ہے جب کوئی امادۂ فساد
اس کی مدافعت میں کیا نعرۂ جہاد

(۴) مسدس بتقریب سدھاکر دِوَس:

والئی ریاست جھالاواڑ راجرانا راجیند رسنگھ (۱۹۰۰ تا ۱۹۴۳ء) اپنے والد مہاراجرانا بھوانی سنگھ کی طرح علم دوستی اور ادب نوازی کے لئے مشہور تھے۔مہاراجرانا راجیند رسنگھ نہ صرف ادب نواز تھے بلکہ شاعر اور کوی بھی تھے۔آپ اردو میں مخمورؔ کے نام سے اور ہندی میں ''سدھاکر'' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔آپ شعر وسخن میں ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔آپ کا دیوان شفیقؔ صاحب نے مرتب کیا ہے لیکن یہ غیر مطبوعہ ہے آپ کے تمام ہندی کاویہ سنگرہ شائع ہو چکے ہیں۔

شفیقؔ صاحب نے مذکورہ بالا مسدس ۲۹ راگست ۱۹۶۵ء کو تحریر کی اور سدھاکر دِوس کی تقریب کے موقع پر سنائی۔مسدس میں ۱۰ بند ہیں جس کا ہر شعر والئی ریاست کی ادب نوازی، اعلیٰ شخصیت اور شعری اوصاف کا بیان کرتا ہے۔زبان و بیان کی سادگی مسدس کا خاصہ ہے۔مسدس کے دو بند پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں ؎

ناموَر صدر میرے اور شرکائے جلسہ ہوگا نہ اس جلسے کا جلسہ کوئی ہمپایا
اس سخنور کی ہوئی یاد دلوں میں تازہ جس نے پایا شعراء میں بہت اعلیٰ پایا
جسکو قدرت نے کیا جام سخن سے مخمور
وہی مخمورؔ جہاں میں ہے 'سدھاکر' مشہور

قابلِ قدر حقیقت میں سدھاکر تھے کوی مایۂ نازوہ اردو کے تھے شاعر فطری
اردو ہندی پہ بھی قدرت انہیں حاصل تھی بڑی جس زباں میں جو لکھی بات بہت خوب لکھی
وہ بڑی شان سے کرتے تھے کوی سمّیلن
منعقد ساتھ میں ہوتی تھی مگر بزم سخن

(۵) مسدس ''ایک شہری کے فرائض'':

شفیقؔ صاحب نے متعدد مسدسات خاص مواقع اور تقریبات پر کسی خاص موضوع اور مقصد کے تحت تحریر کی ہیں۔جسکی اہم مثال یہ مسدس ہے آپ نے مسدس کے ذریعہ شہری کی عوام کو اپنے فرائض کی جانب متوجہ کرایا ہے۔اور ایک اچھے شہری ہونے کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔مسدس میں وطن پرستی اور وطن سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ

کر بھرا ہے۔ جس بامقصد ادب کی داغ بیل مہاراجرانا بھوانی سنگھ جی اور دانشؔ نے ڈالی تھی، اس پر بعد میں آنے والے شعراء خاص کر شفیقؔ صاحب نے بطور خاص توجہ مرکوز رکھی۔

یہ مسدس ۱۷/۱۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو لکھی گئی تھی جسے شفیقؔ صاحب نے کلچرل ویک کے مشاعرہ کی تقریب کے موقع پر بمقام گرلس اسکول ہال میں پیش کی۔ اس تقریب کی صدارت سابق دیوان تعلیمات جھالاواڑ ریاست رائے بہادر بھایا شادی لعل جی نے کی تھی۔ اس موقع پر ضلع کلکٹر کھیم چندر جی بھی موجود تھے۔ ''ایک شہری کے فرائض'' یہ موضوع ضلع کلیکٹر کا ہی دیا ہوا تھا۔ [1] اس مسدس میں ۱۳/ بند ہیں۔ زبان و بیان کی سلاست کے باوجود مسدس کے چھٹے بند کا آخری شعر فارسی الفاظ سے عبارت ہے۔

مسدس کے چار بند یہاں درج کرتی ہوں جن سے ایک اچھے شہری کے فرائض کی معلومات حاصل ہو سکیں۔ ؎

وہ سمجھتے ہیں فرائض جو ہیں شیدائے وطن　　وہ سمجھتے ہیں کہ ہیں عاشق لیلائے وطن
جانتے وہ ہیں جو ہیں قلب زلیخائے وطن　　ان کو معلوم ہے جو ہے چمن آرائے وطن
چشم لیلائے وطن پر وہ نظر رکھتے ہیں
رخ جدھر اس کا ہو رخ اپنا ادھر رکھتے ہیں

شور و غل ان کے یہاں شیوۂ نادانی ہے　　نعرے مستوں کی طرح ہیں نہ قدح خوانی ہے
نئے جھگڑوں کا نہ فتنوں کا کوئی بانی ہے　　ان کے دفتر میں نہ تفریق زبان دانی ہے
ضبط کے ساتھ فرائض وہ بجالاتے ہیں
بھول کر بھی نہ کبھی لب پہ گلا لاتے ہیں

جھوٹی باتوں پہ وہ کرتے نہیں بھولے سے نظر　　فرقہ بندی سے بچاتے ہیں وہ خود کو یکسر
وہ محبت کا پلاتے ہیں سبھوں کو ساغر　　ساری دنیا کو سمجھتے ہیں کہ ہے ایک ہی گھر

---

[1] ایک نوٹ بک جس پر Novelty لکھا ہوا ہے اس میں مسدس کے آخر میں یہ اہم معلومات درج ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ ہے صوبہ پرستی اک زہر
جس کے کھا جانے سے کھا جائے گا چرخ بے مہر

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے اپنا یہ فرضِ اول ملک کے امن واماں میں نہ پڑے کوئی خلل
گر اُمڑ کر کہیں آفات کے آئے بادل ان کو پھوکوں سے اڑاتے ہیں سمجھ کر کاجل
ہونے دیتے نہیں وہ امن اماں کو تاراج
دشمن امن کا کردیتے ہیں وہ ٹھیک مزاج

(۶) مسدس آزادی

یوم آزادی کے خوش گوار پلوٗں کو شفیقؔ صاحب نے اس مسدس میں پیش کیا ہے۔ بڑے ہی جوش وخروش سے آپ نے جشن آزادی کے موقع پر یہ مسدس بصدارت کلکٹر صاحب کالج میں سنائی تھی۔ مسدس میں کل ۱۱؍بند ہیں۔ ہر بند میں جشن آزادی کی منظر کشی کی ہے۔مسدس میں ملک کے رہنماؤں کی تعریف وتوصیف کے ساتھ قومی اتحاد اور ہندو مسلم بھائی چارے کی تصویر پیش کی گئی ہے۔نمونے کے طور پر مسدس کے کچھ بند ملاحظہ فرمائیں ؎

آج ہے میرے دلی جذبات پر پرتو ماہِ مسرت جلوہ گر
قلب میں تحریک نو کا ہے اثر اورخوشی سے گل بداماں ہے نظر
دیکھتا ہوں ہر طرف ایسا سماں
نطق سے دشوار ہے جس کا بیاں

جلوہ فرما ہے وہ آزادی کی حور جس کے رخ پر آب وتاب برق طور
جس کی آنکھوں میں رواں دریائے نور جس کا سینہ صاف ہے مثل بلور
پوجیہ گاندھی کررہے ہیں آرتی
اور نہرو نغمہ زن ہیں رگھو پتی

ایشور اللہ کے وہ بھجن شوق سے گاتے ہیں شیخ وبرہمن

کیف سب پر اور سب کے سب مگن　　ایک دھن میں ساری محفل نغمہ زن

ہے وہ عالم اور وہ جوشِ سرور

ذرہ ذرہ ہے وہاں کا غرقِ نور

(۸) مسدس غالبؔ :-

شفیقؔ صاحب کے بہار یہ دیوانِ ثانی ''تسلیم ادب'' میں مسدس بعنوان ''غالبؔ'' موجود ہے جس میں ہندوستان کے اس عظیم شاعر کو خراج تحسین پیش کی گئی ہے۔ مرزا غالبؔ شفیقؔ صاحب کے پسندیدہ شاعر تھے۔ غالبؔ کا فارسی اور اردو کلام دونوں آپ کے پیش نظر تھا۔ مرزا غالبؔ کی عظمت کے اعتراف میں مسدس لکھی گئی ہے۔ اس مسدس کے علاوہ آپ نے غالبؔ پر ایک نظم اور ایک مضمون بھی تحریر کیا ہے۔ مضمون بڑا ہی دلچسپ ہے جسکا عنوان ہے ''غالبؔ کے نام خط'' مرزا غالبؔ کی غزلوں پر شفیقؔ صاحب کی لکھی ہوئیں تضامین بھی قابل ستائش ہیں۔

اردو زبان وادب پر مرزا غالبؔ کے گرانقدر احسانات کے اعتراف میں شفیقؔ صاحب نے پوری سچائی اور ایمانداری سے یہ مسدس تحریر کی ہے اور غالبؔ کی شخصیت اور شاعرانہ عظمت کو ذہن نشین کروایا ہے۔ مسدس چھ بندوں پر مشتمل ہے۔ مسدس کے تین بند یہاں نقل کرتی ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

غالبؔ وہ جس کا نام ہے مشہور روزگار　　ہر شعر جسکا روشن گلہائے لالہ زار

غالبؔ وہ جس کے نطقِ گہر پاس پر نثار　　افلاک کے نجوم زمانے کے نامدار

غالبؔ وہ بے مثال فصیح البیاں ہوا

عالم قتیل جو ہر تیغ زباں ہوا

غالبؔ رہا ہے عشق وتصوف کا راز داں　　عنوان زلف ودار میں ہے جدت بیاں

اک نقش نو ہے شوخی تحریر میں نہاں　　مشکل سے ہو جو پیکر تصویر میں عیاں

ہے اس کے دم سے بہار گلستانِ حسن وعشق

اس کے قلم سے اور بڑھی شانِ حسن وعشق

اس نے عروس اردو کو آراستہ کیا　　اس نے دیا جو اس کو کسی نے نہیں دیا

دیتا رہا اردو کو جب تک کہ وہ جیا　　اردو نے اس کے در سے مقدر بنا لیا

غالبؔ سے اے شفیقؔ ہے اردو بہار پر

اس کی بہار رہے چمن روزگار پر

(۸) مسدس چین ہوش میں آ :

شفیقؔ صاحب کی مسدس گوئی کی اہم خوبی یہ ہے کہ آپ نے اپنے دوَر کے حالات اور واقعات کو اپنی مسدسات کا موضوع بنایا ہے۔ اس وجہ سے آپ کی شاعری اس دوَر کی عکاس اور حقیقت نگاری کی ترجمان کہی جا سکتی ہے۔ ہندوستان کی سرحد سے بہت سے ممالک جڑے ہوئے ہیں لیکن چین اور پاکستان یہ دونوں ایسے پڑوسی ملک ہیں جن کی طرف سے آئے دن سرحد پر ناقابل برداشت حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جس کا جواب ہمارے جانباز سپاہی بڑی مستعدی اور بہادری سے دیتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۶۲ء میں چین نے ہندوستان کے سرحدی علاقے پر قبضہ کرنے کی غرض سے حملہ کیا تھا لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ۲۰؍دسمبر ۱۹۶۲ء کو یہ مسدس لکھ کر شفیقؔ صاحب نے چین کو خبردار کیا ہے اور ہماری افواج کے جوانوں کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ مسدس میں کل سات بند ہیں۔ مسدس کے دو بند یہاں درج کرتی ہوں ملاحظہ کیجئے۔

حملہ آور چین کچھ اس بات کا بھی ہوش ہے　　تیری اس حرکت سے ہم لوگوں میں کتنا جوش ہے

بچہ بچہ آج بھارت کا کفن بردوش ہے　　بوالہوس کچھ یاد تجھ کو اپنا قولِ دوش ہے

ہوش میں آ ہوش میں آ چین کے افیون خور

کھودی ہے گویا تو نے اپنے ہاتھوں اپنی گور

تو نے ہم باشندگان ہند کو سمجھا ہے کیا　　بس پہاڑی مورچوں نے مورچہ تیرا رکھا

ہے بہت دس چینوں کو ایک سپاہی ہند کا　　ہے اگر ہمت پہاڑوں سے نکل میداں میں آ

دیکھ پھر تو شجاعت اہل ہندوستان کی

پھر پتہ چل جائیگا ہے کتنی تیری مردمی

(۹) مسدس مذمت سنگباری:

یہ مسدس ایک حقیقی تاریخی واقعہ پر منبی ہے۔ ہندوستان کی سابق وزیرِ اعظم محترمہ اندرا گاندھی بھونیشور کے دوَرے پر گئی تھیں۔ اس دوران وہاں کے لوگوں نے اپنے غصے اور احتجاج کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے قافلے پر پتھراؤ (سنگ باری) شروع کر دیا۔ گویا شفیقؔ صاحب نے اس حادثے کی مذمت کرنے کی غرض سے مسدس تحریر کی ہے۔ مسدس کی تاریخ تحریر ۱۲؍فروری ۱۹۶۷ء ہے۔ مسدس میں ۷ بند ہیں۔ زبان و بیان میں سادگی ہے، ہندی الفاظ کا استعمال بھی آپ نے مسدس میں کیا ہے۔ مسدس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں آپ کا لب ولہجہ طنزیہ ہو گیا ہے۔ بظاہر یہ طنز ہلکا پھلکا ہے لیکن اس میں بہت گہرائی اور تاثیر ہے۔ اشعار دیکھئے ۔

غیرت کا ہے مقام زمین بھونیشور پالے ہیں تو نے گود میں ایسے بھی اہل شر
بیہودگی نے جن کی جھکائے ہیں سب کے سر نیچی نظر کئے ہے ندامت سے ملک بھر
پیشانی پر لگا یا وہ ٹیکا کلنک کا
بدنام خود کو تیرے سپوتوں کر لیا

وہ اندرا گاندھی ملک کی پردھان منتری نہرو کی بیٹی، پوتی ہے یہ موتی لعل کی
گاندھی مہاتمہ کی رہی ہے یہ لاڈلی کی جس نے وقف ملک کی سیوا میں زندگی
برسائیں پھول غیر تو اس پر جہاں یہ جائے
پتھراؤ اس پر ہو جو وہ تیری زمیں یہ آئے

شفیقؔ صاحب ہندوستانی تہذیب اور تمدن کے دلدادہ تھے۔ اسی لئے مسدس میں بھونیشور کی عوام کو اپنے کلچر کی خوبیاں بھی ذہن نشین کروائی ہیں۔ لکھتے ہیں ۔

تہذیب تھی یہاں کی وہ رشکِ جہاں کبھی بد گوئی پر کسی کی نہ کھولی زباں کبھی
کوئی مخالفت میں دیا گر بیاں کبھی پہونچایا یوں کسی کو نہ درد نہاں کبھی
آزاد ہو کے ہائے وہ آوارہ ہو گئے
پتھر بھی پاگلوں کی طرح پھینکنے لگے

مانو نہ مانو بات مگر سب کی سن تو لو سنجیدگی کے ساتھ ہر ایک بات کو سنو
جس پارٹی کو چاہتے ہو ووٹ اس کو دو زیبا نہیں ہے یہ تو کہ پتھراؤ ہی کرو
لیکن وہ بھوت سر پہ الیکشن کا ہے سوار
جس میں نہیں تمیز گلستان و خارزار

(۳) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت رباعی نگار :-

صنف شاعری میں رباعی بڑی مشکل صنف ہے۔ اس میں طبع آزمائی کرنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ بقول جوشؔ ''یہ ریاض کے چالیسویں سال کہیں قبضہ میں آتی ہے'' ۱؎

رباعی کو دوبیتی بھی کہا جاتا ہے، چونکہ بیت کے معنیٰ ہیں شعر لہٰذا دوبیتی کا مطلب ہوا دوشعروں والی نظم۔ رباعی عربی کے لفظ ربع سے بنا ہے جسکے معنیٰ ہیں چار، اس طرح چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہا جاتا ہے۔ ۲؎ رباعی میں ان چاروں مصروں کے ذریعہ ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے۔ ۳؎ عام طور پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ اس کا مروج وزن ہے ۴؎ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اگر شاعر تیسرے مصرعے میں بھی قافیہ لائے تو کوئی عیب نہیں۔ رباعی کے چوتھے مصرعے پر پوری رباعی کا حسن، اثر اور زور کا دارومدار ہوتا ہے۔ ۵؎ اس لئے چوتھے مصرعے کو ''جان رباعی'' کہتے ہیں۔ ۶؎ پروفیسر نورالحسن نقوی نے رباعی کے لئے کچھ باتیں ضروری قرار دی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: اس میں جو مضمون بیان کیا جائے وہ اچھوتا ہو، جو خیال پیش کیا جائے وہ بلند ہو اور اندازِ بیان میں دلکشی پائی جائے، ضروری ہے کہ رباعی کا چوتھا یعنی آخری مصرعہ زیادہ پُر زور ہو اور محسوس ہو کہ رباعی کا پورا مضمون اس میں سمٹ آیا ہے''۔ ۷؎

۱؎ احمد کاوش: شخصیت فکر و فن مرتبہ جنید احمد خان مطبوعہ ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرس دہلی ۲۰۱۴ء ص ۲۰

۲؎ ، ۷؎ تاریخ ادب اردو مرتبہ پروفیسر نورالحسن نقویؔ، مطبوعہ: ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، دہلی-۶ ۲۰۰۸ء ص-۴۷، ۴۸

۳؎ ، ۵؎ اردو شاعری کا فنی ارتقاء مصنفہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری مطبوعہ عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی-۶ ۔ ۲۰۱۰ء ص-۳۰۸ تا ۳۱۰

۴؎ ، ۶؎ مولوی سلیم الدین تسلیمؔ جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا مطبوعہ ایم۔ امین بک بائنڈنگ اینڈ پرنٹنگ ورکس ٹونک بذریعہ کوٹہ والا آفسیٹ جے پور جون-۲۰۰۵ء ص-۱۴۷

فارسی رباعی نگاری کی تاریخ میں رودکیؔ کو رباعی کا موجد اور پہلا رباعی گو شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ فارسی کے مشہور رباعی گو شعراء میں عمر خیامؔ اور سرمدؔ کا نام سرِ فہرست ہے۔ رباعی فارسی سے اردو میں آئی۔ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں متعدد رباعیاں موجود ہیں۔ اس لئے محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا رباعی گو شاعر کہنا غلط نہ ہوگا۔ ۱؎ ولیؔ اور سراجؔ اورنگ آبادی کی رباعیات بھی دکنی رباعیات میں اہمیت کی حامل ہیں۔ وجہیؔ، غواصیؔ، نصرتیؔ اور عادل شاہ ثانی شاہیؔ بھی رباعی گو شعراء ہوئے ہیں۔ ۲؎

شمالی ہند میں دردؔ، میر سوزؔ میر حسنؔ اور میرؔ کی رباعیاں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ میرؔ نے اپنی غزلوں کی طرح اردو رباعیات کو سوز و گداز عطا کیا۔ میرؔ کے بعد فائزؔ، قائمؔ چاند پوری، نظیرؔ اکبر آبادی اور شاہ نصیرؔ دہلوی نے رباعی کے فن کو نئی آب و تاب بخشی۔ دورِ متوسط میں انشاءؔ، جراتؔ، مصحفیؔ، رنگینؔ، ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، ناسخؔ اور منیرؔ کی رباعیاں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں ڈاکٹر حسن آرا صاحبہ کے مطابق ان شعراء کی رباعیاں ''ادب برائے زندگی'' کی حامل ہیں۔ رباعی کو جن شعراء نے عروج بخشا ان میں انیسؔ اور دبیرؔ کا نام بھی اہم ہے۔ ۳؎

دور جدید میں حالیؔ اور اکبرؔ نے اخلاقیات کو شاعرانہ انداز سے رباعی کا موضوع بنایا۔ دونوں کی رباعیوں کا لہجہ یکسر ناصحانہ ہے۔ اسی دور میں یگانہؔ، امجدؔ حیدر آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فراقؔ گورکھپوری نے رباعی کے فن کو بلند و برتر کیا۔ ۴؎ اسی دوٗر کے ہمارے شاعر شفیقؔ جھالا واڑی نے بھی رباعی نگاری میں خاص جدّتِ طبع صرف کی ہے جس کا اندازہ آپ کی رباعیوں کی تعداد سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ جو تقریباً ایک سو پندرہ ہیں۔ آپ کے نعتیہ اور بہاریہ دواوین اور بیاضات میں رباعیاں موجود ہیں۔ دیوان اوّل، بہاریہ ''نیرنگ سخن'' میں بیس رباعیاں، دیوان چہارم ''یوسفستانِ غزل'' میں اکتیس، نعتیہ دیوان اوّل ''قلزم انوار'' میں چوبیس اور دیوان نعت ثانی

۱؎ ، اردو شاعری کا فنی ارتقاء مصنفہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری مطبوعہ عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی-۶ - ۲۰۱۰ء ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی-۶ ص-۳۱۵

۲؎، ۳؎ مولوی سلیم الدین تسلیم جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا مطبوعہ ایم۔ امین بک بائنڈنگ اینڈ پرنٹنگ ورکس ٹونک بذریعہ کوٹہ والا آفسیٹ جے پور جون-۲۰۰۵ء ص-۱۴۸، ۱۴۹

۴؎ تاریخ ادب اردو مرتبہ پروفیسر نور الحسن نقویؔ، مطبوعہ: ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، دہلی-۶ ۲۰۰۸ء ص-۴۸-۴۹

کواکب النعت میں تیرہ رباعیاں درج ہیں۔ ان دواوین کے علاوہ آپ کی گرے رنگ کی بیاض میں اکیس رباعیاں، براؤن رنگ کی چھوٹی بیاض میں چار رباعیاں اور ۱۹۸۰ء کے بعد کے غیر مرتبہ کلام کی بیاض میں دو رباعیاں موجود ہیں۔

شفیقؔ صاحب مذہبی قسم کے انسان تھے اور شریعت پر سختی سے عمل پیرا تھے لہٰذا آپ کی رباعیات کا خاص موضوع تصوف، اخلاق، قوم کی اصلاح اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے سچی عقیدت ومحبت کا اظہار ہے۔ رباعیوں کی زبان شستہ اور عام فہم ہے اور بیان میں تخیل کی گہرائی اور علمیت اور ادبیت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کے بہاریہ دواوین کی رباعیات میں کہیں کہیں اندازِ فکر نے طنزیہ لب ولہجہ اختیار کرلیا ہے۔ آپ نے رباعیات میں ضرب الامثال کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ ذوقؔ، غالبؔ، اقبالؔ، آتشؔ، ناسخؔ اور نیرنگؔ کا کوروی کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں لکھی گئیں رباعیاں حقیقت کی عکاس ہیں۔ آپ کے بہاریہ دواوین سے چند رباعیاں ملاحظہ فرمائیں۔

جلوہ تیرا پھول پھل میں پاتا ہوں میں
قدرت تیری ہر عمل میں پاتا ہوں میں
محدود نہیں ہے تو کسی عالم میں
ہر رنگ میں ہر محل میں پاتا ہوں میں

وہ قال نہیں ہے حال پیدا نہ کرے
وہ حسن نہیں جمال پیدا نہ کرے
ہے بات شفیقؔ جس میں ہے بات کوئی
انسان وہ نہیں کمال پیدا نہ کرے

غافل نہیں رات دن کا سونا اچھا
غفلت میں نہیں ہے وقت کھونا اچھا
کچھ کام کا ہو وجود جس کا نہ شفیقؔ
اس نام کے ہونے سے نہ ہونا اچھا

آلام جہاں کے جس کسی نے جھیلے
دکھ اس نے اٹھا کے دن بھی اچھے دیکھے
ہے اس کے لئے شفیقؔ صادق یہ مثل
جب جیٹھ تپے تو ساون برسے

انسان کی اللہ تک وتازتو دیکھو
پہنچا ہے سر ماہ یہ پروازتو دیکھو
جا کر سر ماہ خاک لے کر آیا
اس خاک کے لانے پہ ذرا نازتو دیکھو

ہر حال میں تھا فروغ ملت کا خیال
ہر قال میں قول میں تھا اس کے یہ مقال
یکتائے زباں تھا کون نام تو لو
وہ شاعر و فلسفی محمد اقبالؔ

وہ ذوقؔ کہ سلطان سخن جسکا خطاب
تھے اس کے تلامذہ کہ جن کا نہ حساب
سر چشمۂ فیض آج بھی ہے جاری
اس ذوقؔ کو اہلِ ذوق بھولے ہیں جناب

چلتی وہ ہوائے آسمانی دیکھی
اڑتی ہوئی جس میں زندگانی دیکھی
دریائے بقا کو دیکھنا بھول گئے
دریائے فنا کی جب روانی دیکھی

تاروں کو فلک پہ جگمگاتا دیکھا
کھیتوں کو زمیں پہ لہلہاتا دیکھا
دیکھی ہر چیز شاداں بروقت
ہر وقت بشر کو تلملاتا دیکھا

شفیقؔ صاحب کے نعتیہ دواوین میں شامل کردہ رباعیات کا اہم موضوع حضور سرورِ کائنات ﷺ کی مدح سرائی ہے۔ اُمت مسلماں کے دلوں میں عظمت مصطفیٰ ﷺ کا احساس دلانا اور آپؐ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کی تلقین ان رباعیوں کے ذریعہ کی گئی ہے آپ کی نعتیہ رباعیاں تبرکاً ملاحظہ کیجئے۔

تشبیہ خدا نہ کوئی تشبیہ حضور
یہ سایۂ نورِ حق وہ مطلق بے نور
منظور ظہور جب ہوا حق کو شفیقؔ
فرمایا سراپائے محمدؐ میں ظہور

اللہ کے ہیں رسولِ آخر سرکار
ہے جنکو بنایا دو جہاں کا مختار
رتبے کو شفیقؔ ان کے پہنچا نہ کوئی
ہیں سب کے امام انبیاء کے سردار

اے سید مرسلین و شہسوار معراج
ہے فرش زمیں سے عرش تک آپ کا راج
سب آپؐ کو تک رہے ہیں محشر میں حضور
اک آپؐ کے سر پہ ہے شفاعت کا وہ تاج

آنے کو تو بہت سے انبیاء بھی آئے
رتبے بھی بڑے بڑے خدا سے پائے
جو قرب خدا حبیب حق نے پایا
اس قرب کی تمثیل کوئی تو لائے

غالب تھا جہاں میں چار سو فسق و فجور
ہر سو تھا جہاں میں جرم و عصیاں کا وفور
تہذیب کا آفتاب اس دن چمکا
تشریف جہاں میں لائے جس روز حضور

آقا سا جہاں میں کوئی پایا نہ گیا
ایسا کوئی انبیاء میں آیا نہ گیا
جس شان سے پاس اپنے بلایا ان کو
اس شان سے کوئی بھی بلایا نہ گیا

ہیں صاف وہ آئینۂ اخلاق حضور
ہے اس میں مبالغہ نہ اغراق حضور
کردار و عمل ہیں شاہکار عالم
اس وصف میں ہیں شہرۂ آفاق حضور

شفیقؔ صاحب کی بیاضات میں بھی رباعیاں موجود ہیں۔ یہ رباعیاں آپ کے دواوین میں مرتب ہونے سے رہ گئیں ان رباعیوں میں سے چند مثال کے طور پر پیش ہیں۔ ملاحظ فرمائیں ؎

میں یہ کب کہتا ہوں یارب کہ مجھے راج ہی دے
میری یہ مانگ نہیں تخت ہی دے تاج ہی دے
مجھ سے سائل کی صدا ہے تیرے در پر داتا
کل کی ہے کس کو خبر دینا ہو جو آج ہی دے

ظالم کا جفاؤں سے جی سیر نہیں ہوتا
باتوں میں جفا گر کی کیا پھیر نہیں ہوتا
ہشیار رفو ہو جائے اللہ کے دفتر میں
کچھ دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا

پھول پڑھتے ہیں سرِ شاخ فسانہ تیرا　　بلبلیں گاتیں ہیں گلشن میں ترانہ تیرا
حمد کرتے ہیں نہالانِ چمن بھی تیری　　ہر زمانے میں غزل خواں ہے زمانہ تیرا

ہوں زینت سریر نہ شاہ و وزیر ہوں　　نواب ہوں کہیں کا نہ میر و امیر ہوں
ہے باعثِ شرف یہ شرف ہی مجھے شفیقؔ　　اللہ کے حبیب کے در کا فقیر ہوں

ہے نغمہ ریز ہر اک شوخ و شنگ ہولی ہے　　سرور و کیف کے بجتے ہیں چنگ ہولی میں
بتا رہا ہے یہ ہولی کا منظرِ دلچسپ　　چڑھا دلوں میں محبت کا رنگ ہولی میں

(۴) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی قطعہ نگاری :-

صنف شاعری میں ایسے چند اشعار کا مجموعہ جس میں کوئی خیال تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے'' قطعہ'' کہلاتا ہے لیکن قطعہ میں غزل یا قصیدہ کی طرح مطلع کا ہونا ضروری نہیں۔ [۱] قطعہ میں موضوع بیان کی پابندی نہیں ہے۔شاعر جس قسم کے خیالات وواقعات بیان کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے۔شرط یہ ہے کہ تمام اشعار معنوی اعتبار سے ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہوں۔عموماً قطعہ دو اشعار کا ہوتا ہے لیکن اردو شعراء کے یہاں طویل قطعات بھی کثرت سے موجود ہے۔دیگر اصناف کی طرح اردو میں قطعہ نگاری کا رواج بھی فارسی کے زیرِ اثر ہوا۔ قدیم شعراء سے لے کر آج تک جتنے بھی شعراء ہوئے ہیں، سبھی نے قطعہ کی شکل میں کچھ نہ کچھ کہا ہے۔لیکن اسے مقبولیت کا درجہ عطا کیا اکبرؔ الٰہ آبادی نے، ان کی ظریفانہ شاعری عموماً قطعہ ہی کی صورت میں ہے۔علامہ اقبال نے کثرت سے قطعات کہے ہیں اور ہر قسم کے سنجیدہ اور فلسفیانہ مضامین نظم کئے اکبرؔ اور اقبالؔ کے بعد جن شعراء نے قطعہ نگاری کو خاص طور سے فروغ دیا ان میں احسان دانشؔ، سیمابؔ اکبرآبادی، اخترؔ انصاریؔ، احمد ندیمؔ قاسمی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔[۲]

---

[۱] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ: ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرس، دہلی-۶ ۱۹۹۵ء ص-۴۹

[۲] اردو شاعری کا فنی ارتقاء مصنفہ: ڈاکٹر فرمان فتحپوری مطبوعہ: عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی-۶ ۲۰۱۰ء ص- ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۵

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے قطعہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔آپ کے قطعات کی کل تعداد ۳۷ ہے جن میں سے دس قطعات دیوان اوّل بہاریہ ''نیرنگ سخن'' میں اور ۱۸ قطعات نعتیہ دیوان ''قلزم انوار'' میں درج ہیں۔اس کے علاوہ آپ کی Grey رنگ کی بیاض سے نو قطعات دستیاب ہوئے ہیں جو آپ کے کسی بھی دیوان میں شامل نہیں کئے گئے ہیں۔دیوان اول ''نیرنگ سخن'' میں موجود قطعات کا موضوع اخلاق،تصوف اور زبان وسخن ہے۔ایک قطعہ ہولی پر بھی لکھا ہے۔ان قطعات میں تعلّی کے اشعار کے ساتھ دعائیہ اشعار بھی موجود ہیں۔قطعات کی زبان سادہ اور انداز بیان نہایت سلیس ہے۔چند قطعات بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

میری گھٹی میں ازل سے وہ پڑا فقر وغنا   لطف شاہی مجھے حاصل ہے تہی دستی میں
مجھ سے بڑھ کر ہو تونگر کوئی کیا دنیا میں   خاک ہو جاتا ہے سونا بھی میری مٹھی میں

یہ تیرگی سخن ہے کہ ہے سخن کی ضیا   مقامِ غور ہے اے مست ادعائے سخن
یہ خطرہ ہے نہ ہو نمرود کی طرح انجام   سخنور اور کرے دعوئے خدائے سخن

کتنا مرغوب ہے دلچسپ وپسندیدہ ہے   ہر زباں پر ہے رواں مدح بیانِ اردو
مجھ سے سن لیجئے سو بات کی ایک بات شفیقؔ   درحقیقت ہے زبانوں میں زبان اردو

دلوں سے دور ہوں بغض وعناد وفتنا وشر   نہ آئے کوئی بدی کا خیال ہولی میں
شفیقؔ رنگ محبت عیاں ہو چہروں سے   ہنسی خوشی سے اڑائیں گلال ہولی ہیں

دیوان نعت ''قلزم انوار'' میں مرتب کردہ تمام قطعات نعت ومنقبت کی شکل میں ہیں۔جن میں حضور اکرم ﷺ سے شفیقؔ محترم کی بے پناہ عقیدت ومحبت صاف عیاں ہوتی ہے۔اور اولیاء کرام سے آپ کی نسبت وقربت کا پتہ چلتا ہے۔دیوان میں ایک فارسی قطعہ بھی موجود ہے،دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ''مجموعہ فارسی'' میں شامل نہیں ہو سکا۔شفیقؔ صاحب نے مدینہ منورہ کی شان اور عظمت کا بیان بھی اپنے قطعات میں کیا ہے۔چند قطعات

یہاں درج کرتی ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

جس کا رساز دہر کا اللہ نام ہے　　اور نگ عرش پر وہی عالی مقام ہے
مبعوث وہ رسول کیا جس کی وجہ سے　　یہ عرش وفرش اور یہ کل اہتمام ہے

کوئی نہیں جو نارجہنم سے بچالے　　سب فکر میں اپنی ہیں کسے کون سنبھالے
محفوظ رہے گا وہ قیامت کی تپش سے　　جو آپ کو کر دیگا محمد ﷺ کے حوالے

شق سینۂ قمر بھی کیا اک اشارے سے　　پڑھوایا لاالہٰ بھی ہاں سنگ پارے سے
ان معجزات سے بھی ہے بڑھکر یہ معجزہ　　تاریک دل بنادئے روشن ستارے سے

وہ ہیں صفات خفی وجلی مدینے کی　　شمیم روح فزا ہر کلی مدینے کی
کسی زمیں کو ملا ہے کہاں شرف یہ شفیقؔ　　ہے رشک خلد بریں ہر گلی مدینے کی

کسی کو کون کہے بے سبب غریب نواز　　کرشمے تم نے دکھائے عجب غریب نواز
امیر تم نے بنایا بہت غریبوں کو　　اسی سبب سے ہوا ہے لقب غریب نواز

فارسی زبان میں لکھا ہوا قطعہ ملاحظہ فرمائیں

فکر را در ہوش آر اے شاعر مدحت نگار　　بزم ایں بزیست ہر سو ابرِ رحمت لطف بار
ایں ندا آمد ز اوجِ لامکاں در گوش من　　با خدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

شفیقؔ صاحب کے دواوین میں مرتب کردہ قطعات کے علاوہ آپ کی Grey رنگ کی بیاض سے راقمہ نے ۹ ر ایسے قطعات تلاش کئے ہیں جو کسی دیوان میں شامل نہیں ہوئے ان قطعات میں سے تین یہاں پیش کرتی ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

جب میرے حال پہ ساقی کا کرم ہوتا ہے کم میرے جام سے پھر ساغرِ جم ہوتا ہے
دیکھتا ہوں حرم و دیر کا جو راز شفیق راز ان کا وہی عنوان قلم ہوتا ہے

خدا جانے نظر میں منعکس نظارہ کس کا تھا سراپا بقعہ انوار تھا منظر نرالہ تھا
سعادت ریز نغمے کی صدا آئی یہ کانوں میں سخنور وہ محی الدین جیلانی کا روضہ تھا

شاعر ہوں میں نہ شعر و سخن میں ہوں نامور نقادِ فن ہوں میں نہ سخن ور شمار ہوں
حاصل یہ افتخار تعارف ہے اے شفیق محبوبِ کردگار کا مدحت نگار ہوں

قطعہ تاریخ :-

محققین کے مطابق کسی مشہور واقعے کی تاریخ معین کرنے کو تاریخ گوئی یا قطعہ تاریخ کہا جاتا ہے یہ بڑے بڑے کارناموں کو تاریخ میں محفوظ رکھنے کا فن ہے۔ کتابوں کے علاوہ عمارتوں، مقبروں پر کندہ تحریریں اس بات کا ثبوت ہیں۔ اہم واقعات و حادثات کو یاد رکھنے کے لئے عدد کا رشتہ موزوں الفاظ سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ فن دنیا کی بیشتر زبانوں میں رائج ہے۔ اردو شاعری میں تاریخ گوئی کی روایت بہت پرانی ہے۔ حسرت عظیم آبادی کو اس فن میں سنگ میل کا درجہ حاصل ہے۔ موجودہ دوَر میں رئیس انور، عبدالمنان طرزی، قمر سنبھلی، رزاق افسر، ڈاکٹر واحد نظیر، خداداد مونس، مغیث الدین فریدی وغیرہ کے قطعات تاریخ خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ [1]

شفیق صاحب کو مادۂ تاریخ نکالنے کا بھی شوق تھا لہٰذا آپ نے قطعہ تاریخ بھی تحریر کئے ہیں۔ آپ کے دیوان اول نیرنگ سخن میں ایک طویل قطعہ تاریخ اور ۱۹۸۰ء کے بعد کے غیر مرتبہ کلام کی بیاض میں تین قطعہ تاریخ موجود ہیں۔ شفیق صاحب کی تاریخ گوئی کے سلسلے میں جناب مفتون کوٹوی لکھتے ہیں ''تاریخیں جو کچھ بھی کہیں ہیں بہت خوب کہیں ہیں، اپنے استاد نیرنگ مرحوم کے انتقال کی تاریخ مرحوم کے دیوان کی ایک غزل کے مقطع کے مصرعے آخر سے بغیر کسی تجزیہ یا تعمیہ سے بے لاگ نکالی ہے ؎ چلا دامنِ فشاں اس خاک داں سے (۱۳۶۷ھ)

[1] تبصرہ ''مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ مصنفہ شیخ عقیل احمد''، مبصر احمد کفیل، مطبوعہ اردو دنیا نئی دہلی، جون ۲۰۰۵ء ص-۱۷

حضرت محسنؔ کاکوروی کے مشہور قصیدے 'سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل' پر شفیقؔ صاحب نے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے اس کا تاریخی نام بھی بڑا پسندیدہ ہے۔''قصیدۂ نعت خیر المرسلین'' (۱۹۶۰ء) حضور کا سراپا ایک مسدس میں تحریر کیا ہے اس تاریخی نام بھی خوب ہے ''سراپائے مقدس محبوب رب العالمین ﷺ (۱۳۸۷ھ)''۔[۱]

شفیقؔ صاحب کے دیوانِ اول ''نیرنگ سخن'' میں موجود قطعہ تاریخ کا عنوان ہے ''قطع تاریخ برحلت حضرت ملک الشعرا جناب نیرنگؔ'' اس کا مادۂ تاریخ شفیقؔ صاحب نے نیرنگ مرحوم کے دیوان کی ایک غزل کے مقطع کے مصرعہ ثانی سے نکالا ہے۔اس قطعہ تاریخ میں کل ۱۵/اشعار ہیں جس کا ہر شعر حضرت نیرنگؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتا ہے، یہ قطعہ تاریخ لکھکر شفیقؔ صاحب نے اپنے استاد کو خراجِ عقیدت پیش ہے۔قطعہ تاریخ کے ابتدائی پانچ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

شفیقؔ خوش طبیعت سُست کیوں ہے　　ہوئی کیا بات آخر کہہ زباں سے
نظر آتا نہیں شوقِ سخن وہ　　زباں عاری ہوئی حسن بیاں سے
یہ آخر وجہ رنج وغم بھی کچھ ہے　　جو وجہ غم ہو کہہ اپنی زباں سے
زباں سے یہ کہا با دیدۂ تر　　گیا استاد وہ آج اس جہاں سے

اس قطع تاریخ کے آخری تین اشعار ملاحظہ فرمائیں جس میں دو مقطع ہیں،ایک شفیقؔ صاحب کا اور دوسرا نیرنگؔ صاحب کا، نیرنگؔ صاحب کے مقطع کے مصرعہ ثانی سے مادۂ تاریخ رحلت نکلتا ہے۔ ؎

خیال آیا لکھوں تاریخ رحلت　　کہا مجھ سے کسی نے آسماں سے
شفیقؔ غمزدہ سن سال رحلت　　کہا خود مرنے والے نے زباں سے
یہیں چھوڑا یہاں کا رنگ نیرنگؔ　　چلا دامن فشاں اس خاکداں سے

۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۷ء

۱۹۸۰ء کے بعد کے غیر مرتبہ کلام کی بیاض سے دستیاب تین قطعات تاریخ میں سے دو مع عنوان درج کرتی ہوں ملاحظہ فرمائیں:

---

[۱] کلام شفیق جھالاواڑی-ایک تاثر،مضمون نگار مفتوں کوٹوی، مطبوعہ شانِ ہند دہلی، جون ۱۹۷۲ء ص-۲۵

۱. قطعۂ تاریخ خانقاہ حضرت پیر طریقت شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ بمقام اجمیر۔

خانقاہ جناب عبدالحق ہے زمیں پر مثال قصر بہشت
دیکھ کر معتقد یہ کہتے ہیں دیکھو کیا ہے بہار گلشن چشت

۱۴۰۲ھ

۲. قطعۂ تاریخ تیاری گنبد مزار حضرت شاہ صدیق حسن صاحبؒ

اس شفیقؔ قطعہ گو کو فکر تھی تاریخ کی درگہہ صدیق حسن کی جو رفیع الشان ہے
مُلہم غیبی یہ بولا مادہ جوڑا اب دیکھنا مرقد کا گنبد کیا عظیم الشان ہے

مطابق ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء

(۵) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی قصیدہ نگاری:

شعری اصناف میں قصیدہ اس صنف سخن کا نام ہے جس میں کسی کی مدح یا ہجو بیان کی جائے اس اعتبار سے قصیدہ کی دو قسمیں ہیں: خطابیہ اور تمہیدیہ۔ عام طور پر قصائد تمہیدیہ ہوتے ہیں جس کے چار اجزاء ہیں: تشبیب، گریز (تخلص)، مدح ممدوح، دعا یا خاتمہ [۱]

قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنیٰ ''مغز'' یعنی غلیظ کے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ قصیدہ لفظ ''قصد'' سے نکلا ہے اور اس کے معنیٰ ہیں ''ارادہ کرنا'' اصطلاحاً قصیدہ اس نظم مسلسل کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں اور جس میں مدح یا ذم نصیحت وموعظت یا مختلف کیفیات وحالات وغیرہ کا بیان ہو۔ قصیدہ کا پہلا شعر تو مطلع ہوتا ہی ہے لیکن قصیدے کے درمیان میں بھی مطلع کہے جاسکتے ہیں۔ [۲] صنفِ سخن کی حیثیت سے قصیدہ قدیم زمانے سے ہی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ عربی اور فارسی قصیدہ نگاری فنی اعتبار سے مداحی نقطۂ نظر رکھتی ہے۔ لیکن عربی قصائد صدق جذبات و

[۱] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی۔ مطبوعہ ایم۔ کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی-۶، ۱۹۹۵ء ص-۳۲

[۲] اردو شاعری کا فنی ارتقاء مصنفہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری مطبوعہ عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی ۶، ۲۰۱۰ء (ناشر ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی-۶) ص-۲۰۸، ۲۰۹

مشاہدات اور فطری احساسات کے ترجمان ہیں۔ جبکہ فارسی قصیدہ نگاروں نے تشبیب، گریز، مدح ممدوح اور اس کی سیرت وکردار کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ قاآنیؔ اور خاقانیؔ نے فارسی قصیدہ نگاری کو درجۂ کمال عطا کیا ہے۔ [1]

اردو کی تمام اصناف شاعری کی طرح قصیدہ نگاری کی ابتداء بھی دکن میں ہوئی جہاں ادبی نقطۂ نظر سے محمد قلی قطب شاہ کے قصیدے قابل ذکر ہیں جس نے قصیدے کو مبالغہ آمیز مدح صرائی کا آلہ نہیں بننے دیا۔ [2] نصرتیؔ اور ولیؔ کے قصائد بھی کافی اہم ہے۔ لیکن قصیدہ نگاری کو جس شاعر نے بامِ عروج عطا کیا وہ دیو پیکر شخصیت صرف سوداؔ کی ہے۔ سوداؔ نے کثرت سے قصیدے لکھے ہیں جن میں حمد ونعت، مدح، ہجو، شہر آشوب سبھی کچھ شامل ہے۔ میرؔ، مصحفیؔ اور انشاؔ نے بھی قصیدے لکھے ہیں لیکن وہ قصیدہ گوئی کی تاریخ میں کوئی اہم اضافہ نہیں کرتے۔ سوداؔ کے بعد ذوقؔ نے قصیدہ نگاری میں اہم مقام حاصل کیا۔ ذوقؔ کے قصائد شاندار اور مکمل ہیں لیکن ان میں بھی واقعہ نگاری کی کمی ہے۔ مومنؔ، داغؔ اور غالبؔ کے یہاں بھی قصائد ملتے ہیں۔ لکھنؤ کے قصیدہ گو شعراء میں منیرؔ شکوہ آبادی، امیرؔ مینائی، جلالؔ لکھنوی خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ نعتیہ قصائد میں محسن کاکورویؔ کا نام اہمیت کا حامل ہے [3]

دورِ جدید میں حالیؔ اور اسماعیلؔ میرٹھی نے قصیدہ نگاری کو حقیقت کے قریب لا کھڑا کیا ہے نظمؔ طباطبائی نے قصیدے میں نعت ومنقبت اور اسلاف کے کارناموں کو مرقع کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ صفیؔ لکھنوی، محشرؔ لکھنوی، عزیزؔ لکھنوی، ثابتؔ لکھنوی، شفقؔ جونپوری، تسلیمؔ جے پوری کے نام قصیدہ گو شعراء میں قابل ذکر ہیں۔ [4]

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے بھی قصیدے لکھے ہیں اور آپ کے یہ نعتیہ قصائد ادبیات عالیہ کی بزم میں پیش کئے جانے کے مستحق ہیں۔ آپ نے کل چار قصائد لکھے ہیں جو آپ کے نعتیہ دیوان اول ''قلزم انوار'' میں شامل ہیں۔ ان میں سے دو قصیدے اردو اور دو فارسی زبان میں ہیں۔ فارسی کے دونوں قصائد مجموعہ ''کلام فارسی'' میں بھی موجود ہیں۔ ابتدائی تین قصیدے حضورؐ کی شان میں ہے اور چوتھا قصیدہ در مدح مدینہ منورہ لکھا ہے۔

---

[1]، [3] مولوی سلیم الدین تسلیم جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا صاحبہ مطبوعہ کوٹہ والا آفسٹ جے پور، جون ۲۰۰۵ء ص ۱۲۲، ۱۲۳۔ ص-۲۹

[2] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ ایم۔ کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی-۶ ۱۹۹۵ء، ص-۳۳، ۳۴

[4] مولوی سلیم الدین تسلیم جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حسن آرا صاحبہ مطبوعہ کوٹہ والا آفسٹ جے پور، جون ۲۰۰۵ء۔ ص-۱۲۹

دیوان میں موجود پہلا قصیدہ بعنوان ''قصیدہ نعت خیر المرسلین'' ہے یہ تاریخی نام ہے جس سے قصیدے کی تاریخ تحریر ۱۹۶۰ء مرتب کی جاسکتی ہے۔ یہ نعتیہ قصیدہ آپ نے حسان الہند محسنؔ کاکوروی کے مشہور زمانہ قصیدہ ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' کی طرز پر بہ طرح لکھا ہے۔ یہ طویل قصیدہ ایک سو چھ اشعار پر مشتمل ہے۔

اس قصیدے کی تشبیب کے ذریعہ شفیقؔ صاحب نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد سے قبل معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی منظرکشی کی ہے اور آپؐ کے آنے کے بعد عدل و انصاف کا بول بالا ہوا اور ظلمت کا اندھیرا چھٹ گیا اس کا بیان موصوف نے بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا ہے۔ تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

آسماں صاف ہوا چھٹ گئے کالے بادل ظلمت کفر کا اٹھنے کو ہوا دخل و عمل
ہر طرف فرش بریں پر وہ بہار آئی باغ سے باغ نظر آتے ہیں جنگل جنگل
ہو گئے بند سلاسل میں شیاطین اسیر بعد مدت کے وہ ابلیس بھی ہارا دنگل
ایک اللہ کی قدرت کے ہوئے سب قائل کوئی بوجھل سا مشکل سے ملیگا اڑیل
دختروں کی ہوئی ماں باپ کے دل میں الفت ان کا ہونا نہ سمجھنے لگے ذلت کا محل
لڑنے مرنے کو جو تیار رہا کرتے تھے بیٹھکر ایک جگہ کرنے لگے وہ کونسل
خون ناحق کے لئے تیغ کا کھنچنا ہے محال کوئی بے وجہ نہیں لاتا ہے پیشانی پہ بل
شادمانی و مسرت کی بہار آئی ہے باغ تو باغ ہیں جنگل میں ہوا ہے منگل

گریز کے اشعار میں شفیقؔ صاحب نے حضورؐ کی مدح سرائی کی سعادت حاصل ہونے کے جذبات عیاں کئے ہیں اس کے بعد حضور ﷺ کی عظمت اور تعریف بیان کر دعائیہ اشعار پر قصیدہ مکمل کیا ہے۔ قصیدہ کے ان تینوں اجزاء سے چنندہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

گریز: اس سعادت سے شرف یاب ہوا ہے طبع رسا مدح حاضرین بھی کر پیش کوئی تازہ غزل
طبع ناچیز سخنور نے دعا یہ مانگی یہ بھی مشکل میری آسان ہو خداوندِ ازل
شکر صد شکر کہ الطاف خداوندی سے یہ ہوا مطلعِ انوار بعنوان غزل

مدح:

آپ ہیں مطلع انوارِ خداوند ازل — نورالانوار کیا آپ کو سب سے اول
چہرۂ پاک سے وہ آئینہ حسن حسیں — جس میں آتی ہے نظر خوبی صناع ازل
آپ کی شان ہے ممتاز رسوالانِ سلف — آپ سا آیا نہ آئیگا نبی آج نہ کل
آپ کے نور سے روشن ہوئی معراج کی رات — آپ ہیں محفل خلوت کے وہ تابندہ کنول
اس خوبی سے وا اللہ سر عرش گئے — جانے آنے میں لگا آپ کو اک وقفہ نہ پل
اسم اعظم ہے یہی آپ کا نام نامی — جن وانساں کا وضیفہ ہے فرشتوں کا عمل
آپ فرمائیں گے جب تک نہ شفاعت مولٰی — کام آئیگی کسی کی نہ عبادت نہ عمل
شافع روز جزا آپ ہی ہیں کوئی نہیں — آپ کے پیچھے نظر آئینگے سارے مرسل

دعا:

یہ تمنا ہے چلوں سوئے مدینہ پیدل — پاؤں جب ساتھ نہ دیں سر سے کہوں اب تو چل
جب نظر آئے مجھے روضۂ رشک فردوس — دل میں ہو شوقِ بقا اور زباں پر یہ غزل
درگزر کیجئے گا آپ خطاؤں سے میری — آپ دنیا کے لئے ہیں کرم عز وجل
ہو کرم ساقی کوثر لب کوثر اتنا — خوب جی بھر کے بھروں میں میری دل کی بوتل
ہے گزارش رہے سرسبز گلستان ضمیر — تا ابد پھولتی پھلتی رہے کو پل کو پل
جب سر حشر لگے مسندِ محمود شفیق — جلوہ فرما ہوں وہاں شاہد رب رب ازل
بہرِ پرُسش کو وہاں مجھکو بلایا جائے — اور دریافت کیا جائے کہ کیا لایا عمل
عرض کروں گا میرے پاس کوئی چیز نہیں — تیرے محبوب کی ہاں مدح میں لایا ہوں غزل
اپنی قسمت پہ کروں ناز جو ہو یہ ارشاد — ہم سنیں وہ غزل نعتِ نبیؐ مرسل
میں کروں شوق سے یہ اپنا قصیدہ آغاز — آسماں صاف ہوا چھٹ گئے کالے بادل

دیوان میں موجود دوسرا (اردو زبان میں) اور تیسرا (فارسی زبان میں) قصیدہ بھی حضور ﷺ کی شان میں ہے جب کہ فارسی زبان میں لکھا چوتھا قصیدہ مدینۂ منورہ کی عظمت وشان میں ہے جسکا عنوان ''در وصفِ

مدینۂ منورہ‘‘ ہے۔اوریہ ۱۸؍اشعار پر مشتمل ہے۔اس قصیدہ کی تشبیب کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

در شہر مدینہ چو گنہگار در آید — از بحر خطا مثل گہر صاف بر آید
گلزار جناں ہم شدہ مرہون ہواش — محفوظ بہارش کہ نسیم سحر آید
آن نور فشاں گنبدِ خضرائے معلّٰی — کز جلوۂ آں جلوہ حق جلوہ گر آید
ازمقام آں عرش نشیں اوج شرف یافت — جبریل براں فرش زمیں ہم بسر آید
از سرحد ادراک بروں اوج تقدس — با شرط وضو خلد دریں باغ در آید

چونکہ راقمہ فارسی زبان سے نا آشنا ہے لہٰذا ان فارسی قصائد کے بارے میں مزید کچھ لکھنے سے قاصر ہے۔

(۶) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت تضمین نگار :-

تضمین اردو شاعری کی وہ صنف ہے جس میں شاعر کسی دوسرے شاعر کے پسندیدہ مصرعہ یا شعر پر مصرعے لگاتا ہے۔ تحقیق کاروں کے نزدیک تضمین کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً ایک مصرعہ پر مصرع لگانا، ایک شعر پر مصرعے یا ایک مصرع پر شعر لگا کر مثلث کرنا، شعر پر شعر لگا کر مربع کی شکل دینا، شعر پر تین مصرعے لگا کر مخمس کرنا۔شعر پر چار مصرعے لگا کر مسدس کرنا۔اسی طرح شعر پر بہت سے اشعار لگا کر قطع بند کرنا۔[۱]

تضمین اردو ادب کی بہت ہی مشکل صنف کہی جاتی ہے کیونکہ اس میں شاعر کے جذبات واحساسات اور اسلوب فکر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ڈاکٹر حُسن آرا صاحبہ کے مطابق ’’ کچھ لوگ تضمین کا مطلب صرف مصرعہ لگانا ہی سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔تضمین کا مقصد شاعر اور شعر کے مفہوم کو مزید وسعت دینا بھی ہوتا ہے۔اصل میں تضمین نگاری کی معراج یہ ہے کہ اصل شعر پھیکا اور تشنہ محسوس ہونے لگے۔طرحی زمین میں غزل کہنے پر مصرعہ طرح کی گرہ لگانا بھی اسی قبیل میں ہے۔۔۔تضمین نگاری اصل میں ایک انتہائی محنت اور ریاضت کا فن ہے۔‘‘[۲]

---

[۱] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ: ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی-۶، ۱۹۹۵ء ص-۴۴

[۲] مولوی سلیم الدین تسلیم جے پوری حیات اور کارنامے مصنفہ ڈاکٹر حُسن آرا، مطبوعہ: کوٹہ والا آفسیٹ جے پور، ۲۰۰۵ء ناشر: سامی مارکیٹنگ نیا پورہ کوٹہ۔ص-۱۵۳، ۱۵۴

تضمین نگاری کی تاریخ بہر حال راقمہ کو دستیاب نہ ہوسکی لیکن چند شعراء کے نام ضرور مطالعہ میں آئے ہیں جن میں داؤدؔ عباسی، تسلیمؔ جے پوری کے نام لئے جاسکتے ہیں۔مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کو بھی اس فن میں مہارت حاصل تھی۔آپنے کل ۳۴ر تضمینات لکھی ہیں جن میں سے ۱۳ر دیوان اوّل ''نیرنگ سخن'' میں، ایک تسلیم ادب میں، ۱۸ قلزم انوار میں اور دو کواکب النعت میں موجود ہیں۔آپ نے اپنے استادالاستاد حسان الہند محسنؔ کاکوروی کی غزلیں اور نعتیہ قصائد خاص طور سے تضمین کئے ہیں۔آپ نے جن شعراء کا کلام تضمین کیا ہے ان کے نام ہیں: علامہ اقبالؔ، حافظؔ شیرازی (فارسی)، صائبؔ تر شیزی (فارسی)، مرزا غالبؔ (فارسی واردو)، سیمابؔ اکبرآبادی، عزیزؔ لکھنوی، آرزوؔ لکھنوی، بہادر شاہ ظفرؔ، اعلیٰ حضرت احمد رضاؔ بریلویؒ، بیدمؔ وارثی، قدسیؔ، نواب اسماعیل علی خاں تاجؔ، (والیٔ ریاست ٹونک)، شیخ سعدیؔ (فارسی)، سیدنا امام زین العابدین، پیر طریقت حضرت امام مولانا عبد الحق صاحب، نیرنگؔ کاکوروی (استاد شفیقؔ)، راجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ (والیٔ ریاست جھالاواڑ)، تسلیمؔ جھالاواڑی (والد شفیقؔ)۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلویؒ کے کلام پر شفیقؔ صاحب کی تضمین بعنوان ''خاکِ پاک''، علمی وادبی ڈائجسٹ ''استقامت'' کانپور سے اپریل ومئی کے شمارے میں ۱۹۷۷ء میں صفحہ ۷۰ پر شائع ہوئی۔اس کا پہلا اور دوسرا بند ملاحظہ فرمائیں۔

اقبال سرِ خاک وہ چمکا ہے ہمارا ہے خاک بسر چرخ وہ خاکہ ہے ہمارا
ہیں خاک نشیں دعویٰ یہ سچا ہے ہمارا ہم خاک میں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جسدِ اعلیٰ ہے ہمارا

ہوں خاک محبت میں یہ ہر دم ہوں دعائیں دھُن شام وسحر ہم تو سرِ خاک یہ رکھیں
اس خاک کو لیں آنکھوں پہ فردوس میں حوریں اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

شفیقؔ صاحب نے تضمین نگاری پر بطورِ خاص توجہ مرکوز کی ہے۔آپکی تمام تضمینات مخمس کی شکل میں ہیں۔آپ نے غزلوں، قصیدوں (نعتیہ)، سلام، مناجات اور رباعیات کو تضمین کیا ہے۔زبان وبیان کا انداز سادہ

اور رواں دواں ہے۔ چند تضمینیں بطور نمونہ پیش ہیں ؎

مرزا غالبؔ کی مشہور غزل:

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے　　کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

پر شفیقؔ صاحب کی تضمین کا پہلا اور آخری بند ملاحظہ کیجئے ؎

ماجرائے غم پنہاں تو چھپائے نہ بنے　　سوز دل زخم جگر اس کو دکھائے نہ بنے

آ پڑی بات کچھ ایسی کہ بتائے نہ بنے　　نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

نہ ہوئی آہ و فغاں اور نہ نالش غالب　　آگ پر ہو نہ سکی اشکوں کی بارش غالب

ہے قیامت کی مرے قلب میں سوزش غالب　　عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ

کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

استاد الاستاد حسان الہند جناب محسنؔ کاکوروی ؒ کی غزل:

مصحف کا ایک صفحہ جبیں ہے جناب کی　　تقریظ حق نے لکھی ہے اپنی کتاب کی

پر آپ کی تضمین کے دو بند دیکھئے ؎

عارض کی مدح اور مثال آفتاب کی　　دریائے نور میں نہیں وقعت حباب کی

بیضاوی سحر سے یہ فصل انتخاب کی　　مصحف کا ایک صفحہ جبیں ہے جناب کی

تقریظ حق نے لکھی ہے اپنی کتاب کی

تقدیر جاگ اٹھی ہے جہانِ خراب کی　　دنیا نے شانِ خلد بریں اکتساب کی

ہر ذرہ میں دُرّ آئی ہے شانِ آفتاب کی　　اُٹھتی ہے لامکاں سے جو چلمن حجاب کی

آمد ہے کس پیمبر عالی جناب کی

ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی کی نعتیہ غزل ؎

بہار آفرینش زینتِ ارض و سما تم ہو　　رموز کن فکاں کے اصل مقصد مدعا تم ہو

اس غزل پر شفیقؔ صاحب کی تضمین کے دو بند ملاحظہ کیجئے ؎

محمد مصطفےٰ شمس الضحےٰ بدرالدجےٰ تم ہو طلوع صبح امکاں رونق ہر دوسرا تم ہو
ضیائے شمع وحدت جلوۂ نورِ خدا تم ہو بہار آفرینش زینتِ ارض وسما تم ہو
رموز کن فکاں کے اصل مقصد مدعا تم ہو

بروز حشر سارے عاصیوں کے آسرا تم ہو شفیع المذنبیں ہو شافع روزِ جزا تم ہو
غرض دنیا میں عقبیٰ میں بھی سب کچھ مصطفےٰ تم ہو کریم و کارساز و چارہ گر مشکل کشا تم ہو
خدا تو ہو نہیں سکتے مگر شانِ خدا تم ہو

اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے سلام ؎

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

پر شفیقؔ صاحب کی لکھی تضمین کے تین بند ملاحظہ فرمائیں ؎

تاجدار رسالت پہ لاکھوں سلام شہر یار شفاعت پہ لاکھوں سلام
سرورِ باغ جنت پہ لاکھوں سلام مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس کے سر ختم نبوت کا سہرہ بندھا انبیا کی امامت کا سہرا بندھا
جس کے سر عفو و رحمت کا سہرا بندھا جس کے ماتھے شفاعت کا سہرہ بندھا
اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام

خشک کھیتی پہ ابرِ کرم چھا گیا آبِ حیواں اشارے میں برسا گیا
روح تازہ سی ہر مردہ دل پا گیا جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

شفیقؔ صاحب نے فارسی کے مشہور شعراء حافظؔ شیرازی، صائبؔ تبریزی، مرزا غالبؔ اور شیخ سعدیؔ کی فارسی غزلوں پر تضامین لکھیں ہیں۔ جو فارسی مجموعہ ''کلام فارسی'' میں بھی درج ہیں۔ ان فارسی تضامین کی تعداد چار

ہیں۔صائبؔ ترشیزی کی فارسی غزل ۔

بہ مطلب می رسد جویائے کام آہستہ آہستہ
زِ دریا می کشد صیاد دام آہستہ آہستہ

پر شفیقؔ صاحب کی تضمین کے دو بند نمونہ کے طور پر ملاحظہ کیجئے ۔

به عالم می شود مشهور نام آہستہ آہستہ بشد مشہور نام جم ز جام آہستہ آہستہ
سکندر یافت آں عالی مقام آہستہ آہستہ بہ مطلب می رسد جویائے کام آہستہ آہستہ
زِ دریا می کشد صیاد دام آہستہ آہستہ

کمال عشق حاصل می شود از الفتِ صادق بیار دز یر پائے خویش منزل آنچناں عاشق
بجان و دل کہ دارد جوشِ خالد ہمتِ طارق بمغرب تو اندرفت در یک روز از مشرق
گزارد ہر کہ چوں خورشید گام آہستہ آہستہ

(۷) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی مخمس نگاری :-

اصنافِ شاعری میں مسمّط (بندوں پر مشتمل نظم) کی وہ قسم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں، مخمس کہلاتی ہے۔مخمس کے معنیٰ ہی ''پانچ کونوں والا ہے'' اس مناسبت سے اس کا نام مخمس قرار پایا[۱] مخمس میں پہلے بند کے پانچوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔اس کے بعد ہر بند کے پہلے چار مصرعے خلاف قافیہ ہوتے ہیں لیکن پانچویں مصرعے کا قافیہ پہلے بند کی پیروی کرتا ہے۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مصرعہ ہر بند کے آخر میں پانچویں مصرعے کے طور پر دہرایا جاتا ہے۔ [۲] اردو شاعری میں مخمس نگاری کی روایت قدیم ہے۔میر تقی میر نے مخمسات لکھے ہیں۔نظیرؔ اکبرآبادی کی نظمیں مثلاً ہولی کی بہار، مفلسی اور سوداؔ کے شہرآشوب اکثر مخمس کی شکل میں

---

[۱] رسالہ ''ادیب'' (سہ ماہی) مدیر مرزا خلیل احمد بیگ۔مضمون اقسام نظم و نثر از شفیع احمد صدیقی، جلد-۱۸، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۴ء جامعہ اردو علی گڑھ ص-۱۵

[۲] تاریخ ادب اردو مرتبہ پروفیسر نورالحسن نقویؔ مطبوعہ ایم۔کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی-۶ ۲۰۰۸ء ص-۴۲،۷۹،۹۱

ہیں۔ مخمس کی صورت میں سوداؔ نے ہی سب سے پہلے مرثیہ لکھا۔[1] اردو میں متعدد شعراء نے مخمس نگاری پر طبع آزمائی کی ہے۔

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے دیگر اصناف شاعری کی طرح مخمسات بھی تحریر کی ہیں۔ جن کی کل تعداد ۸ ہے۔ ان میں سے دو نیرنگ سخنؔ میں، دو قلزم انوار میں، ایک کواکب النعت میں، دو Novelty بیاض میں، اور ایک Grey رنگ کی بیاض میں درج ہے۔ متفرق دواوین اور بیاضات میں موجود مخمسات کا مختصراً تذکرہ اس طرح ہے :

دیوان اوّل ''نیرنگ سخنؔ'' میں موجود دونوں مخمسات کا پانچواں مصرعہ مکرر ہے ان دونوں مخمسات میں حب الوطنی جذبات بیان کیئے گئے ہیں ان کے عنوان ہیں ۔

۱. پندرہ اگست کی بہار پندرہ اگست کی بہار (تاریخ تحریر ۱۲/اگست ۱۹۶۲ء۔)

۲. میرے وطن کے نوجواں میرے وطن کے نوجواں۔

اوّل الذکر مخمس کا پہلا بند ملاحظہ کیجئے ۔

ابر کرم ہے لطف بار دشت ہوئے ہیں لالہ زار
حسنِ وطن پہ ہے نکھار رنگ چمن ہے طرفہ کار
جام بہ کف ہیں شاخسار شاد ہیں مست و ہوشیار
طوطی و قمری و ہزار گا رہی ہیں یہ بار بار
پندرہ اگست کی بہار پندرہ اگست کی بہار

''قلزمِ انوار'' میں موجود دو مخمسات میں سے ایک کا پانچواں مصرعہ مکرر ہے ۔ ''شمع جمال مصطفٰے صلّ علیٰ محمدٍ'' لیکن دوسری مخمس کا پانچواں مصرعہ ہر بند میں الگ الگ ہے، دونوں مخمسات کا موضوع رسولِ اکرم ﷺ کی مدح سرائی ہے۔ نمونۂ کلام مخمس دوم ۔

---

[1] اردو ادب کی تاریخ مرتبہ عظیم الحق جنیدی مطبوعہ ایم۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز دہلی-۶، ۱۹۹۵ء ص-۴۲، ۷۹، ۹۱

دل ہے مرا افسردہ مرا خستہ ہے سینہ ہے خاک زمانے میں مرا جینے میں جینا
دم خشک ہے دشوار ہے جینے کا قرینہ آنکھوں میں ہیں آنسوں تو ہے ماتھے پہ پسینہ
فرمایئے امداد شہنشاہِ مدینہ

دیوان نعت ثانی ’’کواکب النعت‘‘ میں ایک مخمس درج ہے جسکا پانچواں مصرعہ ہر بند میں دوہرایا گیا ہے۔ یہ بہت ہی شیریں اور دلپسند مخمس ہے۔اسکا مکرر مصرعہ ہے

ع نور ہی نور ہے تا حد نظر آج کی رات

شفیقؔ صاحب کی ایک بیاض جس پر Novelty لکھا ہے اور جس میں حب الوطنی کلام (غزلیں، نظمیں، مسدسات وغیرہ) درج ہے اس میں دو مخمسات موجود ہیں ایک مخمس کا عنوان ’’ٹیچر‘‘ ہے جسے آپ نے مورخہ ۳؍ستمبر ۱۹۶۷ء، بوقت ۷ بجے صبح بمقام پلیٹ فارم چھوٹی لائین سوائی مادھو پور میں تحریر کیا۔اس مخمس میں کل ۷؍ بند ہیں۔ پہلا بند خاص طور سے ملاحظہ کیجئے

مصلح ملک و چارہ گر ٹیچر قوم کا خاص راہبر ٹیچر
ہر صفت میں ہے خوب تر ٹیچر ہر جماعت میں با اثر ٹیچر
حسن فطرت سے بہرہ ور ٹیچر

اسی بیاض میں موجود دوسری مخمس کا پانچواں مصرعہ بھی مکرر ہے

ع زمیں پر وہ تو ہے زمین وطن

Grey رانگ کی بیاض جس میں ۱۹۸۰ء کے بعد کا کلام درج ہے، ایک مخمس شامل ہے۔جسکا پانچواں مصرعہ ہر بند کے بعد دہرایا گیا ہے ع پتھر کو بھی چمکایا تیری جلوہ گری نے

اس مخمس کے سات بندوں میں سے پہلا اور تیسرا بند ملاحظہ فرمائیں

اس بات سے انکار کیا ہے نہ کسی نے اس بات کو مانا ہے زمانہ میں سبھی نے
تائید کی اس بات کی صوفی نے، منی نے تسلیم کیا سنت نے، سادھو نے، رشی نے
پتھر کو بھی چمکایا تیری جلوہ گری نے

ذرات زمیں کے ہوں کہ افلاک کے تارے کیسے ہی کنائے ہوں حسینوں کے اشارے
صحرا ہوں کہ دریا ہوں کہ دریا کے کنارے گاتے ہیں یہی شام وسحر راگ تو سارے
پتھر کو بھی چمکایا تیری جلوہ گری نے

درج بالا سبھی مخمسات کی زبان سادہ اور سلیس ہے جو آپ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ بہت ہی نیک خیالات اور پاکیزہ جذبات ان مخمسات کے ذریعہ ادا ہوئے ہیں۔ بیان میں شیرنی اور شگفتگی کا خاص پہلو نمایاں ہے۔

(۸) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی نظم نگاری :-

نظم دوَرِ جدید کی سب سے کارآمد صنف ہے۔ موجودہ دوَر میں غزل کے بعد نظم ہی ایک ایسی صنف ہے جو عالمی سطح پر اردو شاعری کی نمائندگی کر رہی ہے۔ نظم کے لغوی معنیٰ ''موتی پرونے'' کے ہیں یعنی جس طرح مالا بنانے کے لئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرویا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح نظم میں بھی کسی خاص موضوع سے متعلق ربط و تسلسل کے ساتھ اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ اس طرح نظم غزل کے برعکس ہوئی۔ ؎۱

صنفِ سخن کے لحاظ سے نظم نگاری کی ابتداء نظیرؔ اکبرآبادی کے کلام سی مانی جاتی ہے۔ ان کی شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت کے قیام نے نہ صرف ملک کے سماجی معاملات اور مسائل کو متاثر کیا، بلکہ زبان وادب پر بھی مغربی سماج اور ادب کا گہرا اثر پڑا جسے سرسید احمد خاں نے وقت رہتے محسوس کیا۔ آپ نے فطری شاعری کو فروغ دئے جانے کی حمایت کی۔ آپ کی اس خواہش کے تحت حالیؔ اور آزادؔ نے متعدد نظمیں لکھیں۔ انجمن پنجاب کی بنیاد ڈالی گئی جس کے مشاعروں میں مصرعہ طرح کے بجائے نظموں کے عنوانات دئے جاتے تھے اور شعراء انہیں عنوانات پر طبع آزمائی کرتے تھے۔ آزادؔ اور حالیؔ کے اس قدم نے جدید نظم کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ آزادؔ، حالیؔ، شبلیؔ، چکبستؔ اور سرورؔ جہاں آبادی نے عام زندگی کے مساوات اور قومی وطنی جذبات کو نظم نگاری کا موضوع بنایا۔ علامہ اقبالؔ نے اپنی نظموں کے ذریعہ سوتی ہوئی قوم کو جگایا اور جوشؔ نے انقلابی نظمیں لکھ کر اردو شاعری کو نئی سمت عطا کی۔ فیضؔ، فراقؔ، مجروحؔ، اخترالایمان، احسان دانشؔ، خلیل الرحمٰن اعظمی وغیرہ نے نظم گوئی کو بطور خاص اپنایا اور ہر طرح کے

؎۱ شعور فن مصنفین ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی۔ مطبوعہ اصیلہ آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی۔ دہلی ۲۰۰۴ء (تیسرا ایڈیشن) ص-۱۲۰

موضوعات کو اپنی نظموں میں پیش کیا۔ [1]

ریاست جھالاواڑ میں بھی ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانشؔ (وفات ۱۹۲۹) نے حالیؔ کی پیروں کرتے ہوئے نظم نگاری پر خاص توجہ صرف کی اور نظموں کو اصلاحی و اخلاقی درس کا آلہ بنایا۔ اس روش کو جھالاواڑ کے بعض شعراء نے آگے بڑھایا جن میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا نام بھی اہم ہے۔ چونکہ آپ اردو فارسی کے ٹیچر تھے لہٰذا آپ نے یوم آزادی اور یومِ جمہوریہ کے جشن کے مواقع پر متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ جن میں حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان نظموں میں اپنے دلی جذبات کی عکاسی کے ساتھ آپ نے ملکی حالات کا بیان بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے۔ آپ کی نظموں کا ایک موضوع ملک کے لیڈر، شاعر اور آپ کے دوست واحباب بھی ہیں جن سے آپ بہت متاثر نظر آتے ہیں۔

شفیقؔ صاحب کی نظم نگاری آپ کے کلام کے تیسرے حصے یعنی قومی اور وطنی کلام پر مبنی ہے۔ یہ نظمیں آپ کی مختلف بیاضات میں موجود ہیں۔ نظموں کے عنوانات اس طرح ہیں۔ نظم بیادنہرو، نظم بتقریب جشن آزادی، ۲۶/جنوری ۱۹۶۱ء، جشن آزادی، ۲۶/جنوری ۱۹۶۲ء، ۲۶/جنوری ۱۹۶۷ء، مسٹر جگن ناتھ کول وغیرہ۔

ان نظموں کے عنوانات سے ہی ظاہر ہورہا ہے کہ شفیقؔ صاحب کا دل وطن پرستی کے جذبات سے معمور تھا۔ یہ جذبات ہونا بھی لازمی تھا کیوں کہ ایک طرف آپ اردو فارسی کے ٹیچر تھے تو دوسری طرف آپ نے انگریزوں کی غلامی کا دوٗر اور آزادی کی سعادت کا زمانہ دیکھا تھا آپ کی نظمیں آزاد ہندوستان کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ ان نظموں کی زبان اور بیان میں سلاست و روانی موجود ہے۔ چند اہم نظموں کا تذکرہ اس طرح ہے :

---

[1] نظم جدید کا ارتقاء مضمون نگار محمد علی جوہر۔ مطبوعہ رسالہ ادیب سہ ماہی، جلد ۱۸، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۴ء، نمبر ۱ تا ۴، جامع اردو علی گڑھ (مدیر مرزا خلیل احمد بیگ) صفحہ ۳۰ تا ۳۵

نظم بتقریب جشنِ آزادی :

شفیقؔ صاحب نے یومِ آزادی کے موضوع پر متعدد مسلسل غزلیں اور نظمیں لکھی ہیں۔آپ نے درج بالہ نظم جشنِ آزادی کی تقریب کے موقع پر بصدارت کلکٹر عبدالمعید صاحب کالج میں سنائی تھی نظم میں ۱۹/اشعار ہیں۔نظم میں آپ نے یومِ آزادی کی مبارک باد پیش کی ہے اور حصولِ آزادی کے لئے مہاتمہ گاندھی کے ذریعہ چلائی گئی اہنسہ وادی مہیم اور تدابیر کو یاد کیا ہے۔نظم کے متفرق اشعار دیکھئے ؎

مبارک ساکنانِ ہند کو یہ جشنِ آزادی دیارِ ہند کی مسرور و خوش ہے ساری آبادی
یہ ہے وہ جشنِ آزادی کہ جس کی آن پر قرباں بہارِ زندگانی اور دل کی سیکڑوں خوشیاں
اندھیری رات تھی دریا تھا اور طوفان تھے حائل مگر وہ شیر دل سیدھا رواں تھا جانبِ ساحل
اگر غصہ میں آکر کوئی بھی آنکھیں دکھاتا تھا اہنسا کا بڑی نرمی سے وہ اپدیش دیتا تھا
دلائی اس نے ایسی شان سے بھارت کو آزادی نہ خونریزی ہوئی برپا نہ خونخواری نہ سفاکی
دیا ہے اس نے ہم کو ایک دستور العمل اہنسا اگر اس پر عمل رکھا تو نام ہوجائے گا اپنا

اس نظم میں شفیقؔ صاحب نے آزادی کی سعادت اور اس کی اہمیت کا بیان کیا ہے۔آپ کی زبان اس قدر سلیس اور بیان اتنا سادہ ہے کہ طبیعت کہیں رکتی نہیں ہے۔

نظم ۲۶/جنوری ۱۹۶۱ء :-

شفیقؔ صاحب نے بطور معلّم اپنی ذمہ داریاں بڑی ایمانداری اور خوش اخلاقی کے ساتھ انجام دیں ہیں۔ ہمارے ملک میں جشنِ آزادی اور جشنِ جمہوریہ کی تقریبات نہ صرف قدیم زمانہ میں بلکہ آج بھی بڑے ذوق وشوق سے منائی جاتی ہیں۔شفیقؔ صاحب نے متعدد نظمیں ان مواقع پر لکھی ہیں۔

۲۶/جنوری ۱۹۶۱ء کو منائے گئے جشنِ جمہوریہ کے موقع پر آپ نے یہ نظم لکھی تھی۔نظم میں شفیقؔ کی اپنے وطن سے محبت صاف نظر آتی ہے۔اور ملک کے جمہوریہ نظام میں آپ کی عقیدت صاف طور سے جھلکتی ہے۔لکھتے ہیں ؎

ہے بہاروں پہ گلستانِ وطن آج کے دن غنچۂ گل کی نرالی ہے پھبن آج کے دن

ہر گلی کوچہ ہوا رشکِ چمن آج کے دن ہے حقیقت کہ بڑھی شانِ وطن آج کے دن
دورِ جمہوریت آیا ہے، آئی ہے بہار پھول ہے آنکھ میں ہر خارِ چمن آج کے دن
وہ روایات سلف زندۂ جاوید رکھیں عہد کر لیں یہ جوانانِ وطن آج کے دن
بے بہا لعل و گہر سے میں سمجھتا ہوں انہیں منہ سے جو نکلتے تھے نہرو کے سخن آج کے دن
نور ہی نور کا عالم ہے ہر اک سمت شفیقؔ روز روشن سے بڑھی شام وطن آج کے دن

نظم مسٹر جگناتھ کول :-

مسٹر جگناتھ کول شفیقؔ صاحب کے دوست واحباب میں سے تھے آپ شفیقؔ صاحب کے ساتھ جھالاواڑ انٹر کالج میں انگریزی کے لیکچرر تھے۔ کول صاحب ایک عرصے سے جھالاواڑ میں مقیم تھے۔ آپ کا تبادلہ جھالاواڑ سے الور ہو گیا تھا۔ شفیقؔ صاحب نے اپنے دوست جناب جگناتھ کول کی جھالاواڑ سے رخصتی کے موقع پر یہ نظم لکھی تھی۔ یہ نظم شفیقؔ صاحب کی مہرون رنگ کی بیاض میں موجود ہے۔ شفیقؔ صاحب نے نظم کے ذریعہ کول صاحب کی شخصیت کا بڑا خوبصورت خاکہ پیش کیا ہے۔ پیش ہے نظم کے چند اشعار ۔

ہیں شری جے- این- کول اک کاشمیری نوجوان ہونہار اقبال ہندو ذی خرد شیریں زبان
نوجوانی میں یہ وہ سرچشمۂ اخلاق ہیں حسیں سیرت ہو رہا ہے شان وصورت سے عیاں
لیکچرر اچھے ہیں اور ہے قابلیت بے مثال آپ کے دل میں تکبر کا نہیں نام ونشاں
ایم۔اے۔ انگلش میں ہیں اور ساتھ ہیں ایل۔ایل۔بی۔ قابلِ صد فخر یہ رکھتے ہیں اپنی ڈگریاں
ہو کہ یہ تبدیل الور جا رہے ہیں ہم سے دور اسکا جو افسوس ہے دشوار ہے اسکا بیاں
یہ مسرت ہے ترقی کی بڑی منزل ہے وہ کیا تعجب لیکچرر سے یہ کلکٹر ہوں وہاں
آرزو یہ ہے برائے کول اپنی اے شفیقؔ یہ جہاں جائیں رہیں مانند ماہِ آسماں

نظم بیادِ نہرو :-

ہندوستان کے سابق وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کی یاد میں شفیقؔ صاحب نے یہ نظم تحریر کی جس پر تاریخ تحریر ۷؍جون ۱۹۶۴ء درج ہے۔ نظم میں ۱۱؍اشعار ہیں۔ نظم میں چاچا نہرو کا سراپا کھینچتے ہوئے ان کی عظیم شخصیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

تھی وہ دنیا میں شخصیت جواہر لعل نہرو کی — زمانہ کرتا تھا عزت جواہر لعل نہرو کی

دلوں میں بسی صورت جواہر لعل نہرو کی — قیامت ہوگئی رحلت جواہر لعل نہرو کی

ضمیر آئینہ تھا اخلاق اعلیٰ کا خزینہ تھا — کروں کیا کیا بیاں مدحت جواہر لعل نہرو کی

وزیرِ اعظم اپنے دوَر کا انسان اعظم بھی — وہ شخصیت تھی با عظمت جواہر لعل نہرو کی

نظم میں جواہر لعل نہرو کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا ہے ساتھ ہی آپ کے اوصاف حمیدہ کا بیان بہت سچائی اور عقیدت سے کیا گیا ہے۔

(۹) شفیقؔ صاحب کی مرثیہ نگاری :-

مرثیہ عربی لفظ ''رثا'' سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں رونا یا اظہار غم کرنا، لہٰذا مرثیہ اس صنفِ سخن کا نام ہے جس میں کسی مرنے والے شخص کی اچھائیوں، کارناموں اور پاک دامنی کا ذکر کر اس شخص کی یاد تازہ کی جائے [۱] اردو شاعری میں صنفِ مرثیہ کا اطلاق صرف شہدائے کربلا کی تعریف و توصیف اور واقعاتِ شہادت کے بیان تک محدود تھا۔ لیکن دوَرِ جدید میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور اپنی شناخت قائم رکھنے کی غرض سے مرثیہ نے جدید اثرات قبول کئے ہیں۔ اور قدیم و جدید اثرات کے امتزاج سے مرثیہ کی جو نئی شکل ابھر کر آئی ہے اس اعتبار سے اُسے شخصی مرثیہ کہا جاتا ہے۔ اب ان مرثیوں میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور قومی رہنماؤں اور لیڈروں کی موت پر اظہار غم اور ان کی خدمات پر خراج تحسین پیش کی جاتی ہے۔ اس طرح کے مرثیوں میں غالبؔ کا مرثیہ ''زین العابدین''، حالیؔ کا مرثیہ ''غالبؔ'' اقبال کا مرثیہ ''داغؔ'' اور چکبست کے

---

[۱] نئے تنقیدی زاویے مصنفہ ڈاکٹر خوشحال زیدی ص-۷۷

مرثیے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ [1]

شخصی مرثیہ نگاروں میں مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔آپ نے صرف ایک مرثیہ بعنوان ''مرثیہ پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم ہندوستان'' تحریر کیا ہے۔ ۱۵ر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ "Novelty" نوٹ بک میں موجود ہے۔

شفیقؔ صاحب نے ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے انتقال پر بطور خراجِ تحسین یہ مرثیہ تحریر کیا تھا۔مرثیہ کے اشعار سے پنڈت جی کی وفات کی تاریخ اور وقت کا پتہ چلتا ہے جو کہ دو پہر دو بجے، ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء ہے۔اس کے اگلے ہی دن جھالاواڑ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے ایک جلسہ منعقد ہوا جہاں شفیقؔ صاحب نے یہ مرثیہ پیش کیا تھا۔مرثیہ کی تاریخ تحریر ۲۸ر مئی ۱۹۶۴ء درج ہے۔

آپ نے زبان و بیان کی سادگی وسلاست اور روانیٔ بیان اشعار کے ذریعہ مرثیہ میں اپنے پاکیزہ اورصدق جذبات کا اظہار کیا ہے۔مرثیہ میں ذاتی غم کے ساتھ قومی اور ملکی نقصان کی جھلک بھی نمایاں ہے۔مرثیہ کے کچھ بند ملاحظہ فرمائیں جن کے ذریعہ شفیقؔ کی مرثیہ نگاری کی خوبیاں اور پنڈت جواہر لال نہرو کی عظمت وشخصیت کے اوصاف عیاں ہوتے ہیں ؎

المخاطب حاضرین مجلس اندوہ وغم　　مبتلائے غم نظر آتے ہیں کتنے آپ ہم

سینوں میں امڑا چلا آتا ہے دریائے الم　　نالۂ غم سے ہوئیں جوئے رواں چشمانِ نم

نظم وہ پر درد پڑھتا ہوں بجائے واہ واہ

ہر لبِ مغموم سے نکلے گا شورِ آہ آہ

نامبارک کتنی ستائیس مئی کی صبح تھی　　آ گئی انیس سو چوسٹھ یہ ساعت بری

ریڈیو سے نشر جس میں یہ خبر ہر سو ہوئی　　غمکدہ جس نے بنادی ہند کی اک اک گلی

ہائے ایسی نامبارک صبح جس کے چھ بجے

مبتلا اک لا دوا سے درد میں نہرو ہوئے

---

[1] شعور فن مصنفین ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی اور ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی مطبوعہ اصیلا آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی ۲۰۰۴ء ص ۱۱۷-

ہر جگہ فوراً ہوئی اس کی علالت کی خبر — بن گیا تصویر اندوہ والم ہر اک بشر

سخت حملہ تھا ہوئے مایوس سارے ڈاکٹر — ہو گئی بیکار ان کی ہر دوائے کارگر

دو بجے دن کے گیا دنیا سے وہ غمخوار قوم

رہ گئی بے یار قوم اور اٹھ گیا وہ یار قوم

غمگسار قوم تھا۔ تھا حامیٔ ہندوستاں — کارواں سالار تھا۔ تھا وہ امیرِ کارواں

مانتے تھے مصلح ہندوستاں اہل جہاں — ملک کے ہر فرد کا تھا وہ شفیق و مہرباں

موت کیا شے ہے ہزاروں میں سے اس کو لے گئی

سینۂ ہندوستاں پر داغِ فرقت دے گئی

تو نے سمجھی تھی سوا اکسیر سے خاک وطن — تیری کوشش سے ہوا آراستہ صحن چمن

فکر تھی ہر سوں رواں ہوں دودھ کی گنگ و جمن — ہو عروسِ ارتقاء ہر بام سے جلوہ فگن

تجھ سا مخلص تجھ سا خادم آج بھارت سے اٹھا

سچا شیوائے وطن تھا تو وطن سے چل بسا

(۱۰) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت چار بیت نگار :-

چار بیت اگرچہ اردو شاعری کی اصناف میں شامل نہیں مگر ایک مخصوص شکل میں چار بیت کا رواج ہندوستان کے چند شہروں میں آج بھی قائم ہے۔ یہ ٹونک کی مخصوص صنف سخن ہے۔ فنی اعتبار سے چار بیت کا پہلا شعر مطلع ہوتا ہے پھر تین مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور چوتھا مصرعہ مطلع سے ہم قافیہ ہوتا ہے یہ چوتھا یعنی آخری مصرعہ نہایت بلند و برجستہ ہونا چاہیے ۔ [۱]

جناب مفتوںؔ کوٹوی اپنے مضمون ''کلام شفیقؔ جھالاواڑی: ایک تاثر'' میں چار بیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اس میں (قلزم انوار) ایک خاص صنف سخن بھی درج ہے جسے چار بیت کہا جاتا ہے جو کتابی نہ سہی، لیکن اسے ادبی شمار کیا جانا چاہیے اور اس لحاظ سے کتابی بھی ہونا چاہیے۔ اسی طرح جس طرح اب سانیٹ اور ٹرائلے

---

[۱] راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات مصنفہ: ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی مطبوعہ جلال پرنٹرنگ پریس دہلی-۶، ۱۹۸۵ء ص-۲۳۸

اردو ادب میں رواج پاتے جارہے ہیں اس کا انداز یہ ہے کہ پہلا مطلع اس کا چہرہ ہوتا ہے بعد کے بند چار مصرعوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ بند کا چوتھا مصرعہ مطلع کے موافق ہوتا ہے جوش وخروش اسکا عنصر ہے لکھنے کے لئے بھی اور پڑھنے کے لئے بھی۔ مطلع (چہرہ) ہر بند کے بعد دہرایا جاتا ہے۔۔عشقیہ،نعتیہ، بہاریہ ہر قسم کے جذبات وخیالات اس میں بیان کے جاسکتے ہیں۔رامپور اور ٹونک میں اس کا کافی رواج ہے۔'' [1]

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب نے چار بیت کے متعلق مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ'' چار بیت مشاعروں میں پیش نہیں کی جاتی۔شاعر اپنے مجموعہ کلام میں بھی عام طور پر اسے شامل نہیں کرتے بلکہ چار بیت پیش کرنے کے لئے مخصوص پارٹیاں ہوتی ہیں جو دف کی تال پر عوامی مجموں میں مخصوص انداز میں پیش کرتے ہیں۔اسے آج کی اصطلاح میں ''لوک گیت'' میں شمار کیا جاسکتا ہے۔اس کا رواج رامپور، بھوپال، حیدر آباد اور ٹونک جیسے قدیم مسلم شہروں میں آج بھی قایم ہے، جہاں آزادی سے پہلے مسلم ریاستیں قایم تھیں اور چونکہ ریاست ٹونک کے حکمرانوں کا جھالاواڑ ریاست کے حکمرانوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات تھے اور ٹونک کے چند شعراء جھالاواڑ میں مہاراجہ کے دربار سے وابستہ تھے ان میں حافظ محمد عالمگیر خاں کیفؔ ٹونکی کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے جو چار بیت بھی لکھا کرتے تھے۔اس طرح جھالاواڑ میں بھی چار بیت کی روایت پہنچ چکی تھی۔جسکے موضوعات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ [2] ان موضوعات میں نعت بھی شامل ہے اور شفیقؔ صاحب نے نعتیہ چار بیتیں کہی ہیں۔

شفیقؔ صاحب کے نعتیہ دیوان ''قلزم انوار'' میں کل ۱۳ر چار بیت ہیں جن کی نوعیت نعتیہ اور دعائیہ ہے ان چار بیتوں کا موضوع رسول ﷺ کی ولادت، آپ ؐ کی عظمت وشان، آپ ؐ کے اوصاف حمیدہ، واقعہ شبِ معراج اور حضرت حسین ؓ کی شہادت ہے۔دیوان میں ایک چار بیت دعائیہ ہے۔جو ۱۹۶۸ میں نظم کی گئی تھی جب جھالاواڑ میں ستمبر کے مہینے تک بارش نہیں ہوئی اور لوگ پانی کو ترس رہے تھے۔اس چار بیت کے بارے میں خود شفیقؔ صاحب نے دیوان قلزم انوار میں لکھا ہے کہ'' ۱۹۶۸ء میں بارش نہیں ہورہی تھی فصلیں خشک ہوتی جارہی

---

[1] مضمون ''کلام شفیقؔ جھالاواڑی: ایک تاثر'' مضمون نگار مفتوں کوٹوی' مطبوعہ شانِ ہند دہلی، جون ۱۹۷۲ء ص-۲۶

[2] ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب سے دریافت ہوا۔ جے پور مورخہ ۱۸ر مئی ۲۰۱۳ء

تھیں۔ ہندو مسلم شہر کے اپنے اپنے عقائد کے موافق بارش کے لئے دست بدعا تھے۔ مسلمان علم سبز لیکر شہر میں پھرے اور عیدگاہ پر جا کر مقام کیا اور یہ التجا کی کہ جب تک پانی نہیں برسے گا گھر واپس نہیں ہونگے۔ ۱۶ر ستمبر کو بوقت دو پہر اس چار بیت کا مطلع موزوں ہوا۔ بوندیں آنا شروع ہوئیں اور چار بیت ختم ہونے تک بارش ہونے لگی''[1] سبحان اللہ سبحان اللہ

اس چار بیت کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؂

ناکام نہ لوٹیں یہ پیاسے تیرے در سے اے رحمتِ عالم وہ گھٹا بھیج کہ برسے

اے ساقیٔ کوثر بہ ادب ہے یہ گزارش

فرمایئے مقبول ہماری یہ نگارش

ہو جائے اسی وقت بڑے زور کی بارش

ہاں دیکھئے درخواست کو رحمت کی نظر سے

یہ آپ کی بزرگی اور عبادت وریاضت کا ہی طفیل تھا کہ آپ کے قلم سے یہ اشعار نظم ہوئے اور اللہ کا کرم ہوا اور بارش ہونے لگی۔

شفیقؔ صاحب کی تحریر کردہ چند اور چار بیتوں کا ایک ایک بند یہاں درج کرتی ہوں ملاحظہ کیجئے ؂

زمیں خوش ہو زماں خوش ہو رسول اللہ آتے ہیں مبارک ہو دو عالم کو رسول اللہ آتے ہیں

خدا کی رحمتیں ہیں مولد محبوب داور پر

ہوا ہے جلوۂ انوار حق پر سو ضیا گستر

ہوا جن و ملک کو بھی یہ حکم خالقِ اکبر

منادی ہر طرف کر دو رسول اللہ آتے ہیں

آپ کے اوصاف کا ذکر ہے قرآن میں مصحف حق کی ہے شان آپ کی ہر شان میں

---

[1] قلزم انوار مصنفہ: مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ چار بیت نمبر ۱۲ر پر نیچے نوٹ یہ درج ہے

آپ نے پایا لقب خاتم پیغمبراں
آپ کو کہتے ہیں سب سرورِ ہر دو جہاں
آپ کے ہیں ماہ وخور آپ کے ہفت آسماں
کوئی نہیں جو نہ ہو آپ کے فرمان میں

ایک چار بیت سے پہلا اور آخری بند ملاحظ فرمائیں ؎

مست سا مست ہوا مئے لب کوثر پیکر   میں تو دیکھا ہی کیا روئے پیمبر پیکر
مجھکو قسمت سے ملے ہیں وہ پلانے والے
دین ودنیا کی ہیں بگڑی کے بنانے والے
اپنی امت کو ہیں جنت کے دلانے والے
اُن کے ہاتھوں سے چلا بادۂ اطہر پیکر

مست سا مست ہوا مئے لب کوثر پیکر   میں تو دیکھا ہی کیا روئے پیمبر پیکر
سرا فلاک شفیقؔ اسکو پڑھا کرتے ہیں
حور وغلماں سے اسے ہم تو سنا کرتے ہیں
نقل اس کی تو فرشتے بھی کیا کرتے ہیں
نعت لکھے مئے کوثر جو سخنور پیکر

(ب) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ بحیثیت نثر نگار :-

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کو عام طور پر ایک شاعر کی حیثیت سے ہی پہچانا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی گرفت اردو نثر پر بھی ایسی ہی تھی جیسی اردو شاعری پر۔ چنانچہ آپ کے مضامین، آپ کے خطوط، آپ کی تقاریض، تراجم وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے مضامین میں تاریخی اور تحقیقی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ دیوانِ اوّل بہاریہ ''نیرنگ سخن'' کا دیباچہ اور دیوان نعت اوّل ''قلزم انوار'' میں تحریر ''عرض حال'' عمدہ نثر کی بہترین مثال ہے۔

شفیقؔ صاحب فارسی میں منشی اور کامل تھے لہٰذا آپ نے فارسی کتب اور دستاویزات کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ [1] انڈین کاؤنسل آف ہسٹوریکل ریسرچ، نئی دہلی کے تحت ''جودھپور راجہ کے کھیات'' ریسرچ پروجیکٹ کے لئے شفیقؔ صاحب کا تقرر فارسی منشی کے عہدے پر کیا گیا۔ ۱۵ستمبر ۱۹۷۴ء سے ۳۰؍جون ۱۹۷۵ء تک نٹ ناگر شودھ سنستھان سیتامؤ ضلع مندسور مدھیہ پردیش میں رہ کر آپ نے ترجمہ نگاری کا کام انجام دیا۔ [2] آپ کی اس خدمت کے لئے آپ کو تین سو روپے مہینے کی تنخواہ دی گئی۔ [3] کتاب ''جودھپور راجیہ کے کھیات'' کا Preface جس کے صفحہ ۳؍ پر پیراگراف ۳؍ کی نقل دیکھئے جس پر مکمل معلومات درج ہے۔:

" Molvi Abdul Salam Beg, Munshi Kamil of Jhalawar, was appointed the persian Munshi on this project on 15th September 1974 and he worked in that capacity till end of this project on 30th june 1975. During that period he prepared nots from all the persian sources relating to relevant references to the Histary of Marwar and its Rulers."

---

[1] سیتامؤ کے قاضی جناب آیات اللہ قاضی صاحب سے بذریعہ موبائیل دریافت ہوا۔ مورخہ ۸؍ستمبر ۲۰۱۴ء۔ راقمہ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۳ء کو شفیقؔ صاحب کی ترجمہ نگاری کے سلسلے میں مواد کی تلاش کے لئے سیتامؤ کے نٹ ناگر شودھ سنستھان بھی گئی تھی جہاں سے بہت کچھ معلومات فراہم ہوئیں۔

[2] [illegible] Preface By Raghubir singh) [illegible]

[3] ۱۹؍نومبر ۱۹۷۴ء کے ''آرڈر نمبر ۴، ۱۹۷۴ء'' از ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ ڈائریکٹر پروجیکٹ ''جودھپور راجیہ کے کھیات''۔

چونکہ شفیق صاحب نے ترجمہ نگاری کا کام ہندی رسم الخط میں کیا ہے لہٰذا اس کی تفصیل آئندہ کبھی بیان کی جائے گی۔

شفیقؔ صاحب کی نثر نگاری سے متعلق آپ کے تحریر کردہ مضامین کے عنوان درج ذیل ہیں:

۱. راجستھان میں اردو ادب کے سو سال

۲. انسانی قدروں کا محرک: ادب، فنون لطیفہ اور ڈرامہ

۳. طریقِ اصلاح حضرت نیرنگؔ مرحوم

۴. حضرت غالبؔ کے نام خط

۵. مخمورؔ

۶. جناب والد ماجد صاحب قبلہ مرزا رفیق بیگ صاحب تسلیمؔ مرحوم

۷. سخاوت

۸. صوفیہ بزرگ

۹. جناب معین الدین مفتوںؔ کوٹوی

شفیقؔ صاحب کے ہزاروں اشعار کے سامنے یہ کچھ مضامین اونٹ کے منہ میں زیرہ معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ کی علمیت اور نثر نگاری کا لوہا منوانے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کی نثر نگاری کے بارے میں مولانا عبدالوحید صاحب خیاطؔ فرماتے ہیں کہ ''شاعری کی طرح آپ کی تحریر بھی بہت اچھی ہوتی تھی۔ نثری حصّہ بہت عمدہ تھا۔''[۱]

شفیقؔ صاحب کے تحریر کردہ تمام مضامین قلمی ہیں اور متفرق اوراق اور بیاضات میں موجود ہیں، درج بالا مضامین میں سے چند مضامین کا تذکرہ اور نمونہ نثر یہاں پیش کرتی ہوں تا کہ شفیقؔ صاحب کی نثر نگاری پر بھی روشنی ڈالی جا سکے:

---

[۱] مولانا عبدالوحید خیاطؔ (تلمیذ شفیقؔ) صاحب دریافت ہوا مورخہ ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۲ء رکارڈیڈ

ا. راجستھان میں اردو ادب کے سو سال :-

شفیق صاحب کا تحریر کردہ ۱۹۶۴ء کا یہ مضمون ہمارے پیش نظر ہے جس کے مطالعہ سے جھالا واڑ کی ابتدائی ادبی تاریخ کی تصویر نمایاں ہوتی ہے اس مضمون میں جھالاواڑ کے نامور شعراء و ادباء کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔اصل میں نومبر ۱۹۶۴ء میں جودھپور میں انجمن ترقی اردو کے زیرِ اهتمام ایک کل ہند مشاعرہ اور سمپوزیم منعقد کیا گیا تھا۔سمپوزیم میں شفیق صاحب کو مدعو کیا گیا تھا لیکن موصوف اپنی کسی ذاتی مصروفیت کے باعث اس سمپوزیم میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔اس سمپوزیم کی مطبوعہ روداد جب شفیق صاحب کو موصول ہوئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ راجستھان کے جن ادیبوں کے مقالات اس رپورٹ میں شامل ہیں ان حضرات نے اپنے شہر کی ادبی تاریخ کی جتنی وضاحت کی ہے وہ دوسرے مقامات میں نظر نہیں آتی۔ بہر حال مقالہ نگار حضرات نے راجستھان میں اردو ادب سے متعلق اپنی اپنی معلومات پیش کی ہیں۔لیکن ان میں جھالا واڑ سے متعلق تفصیلات نہیں ہے شاید اس لئے کہ مقالہ نگاروں میں جھالاواڑ کے کوئی صاحب نہیں تھے۔ بہر حال اس کمی کو پورا کرتے ہوئے شفیق صاحب نے جھالاواڑ میں اردو شعر و ادب کے ارتقاء سے متعلق ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جس میں شاعروں کے علاوہ نثر نگاروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔اس مضمون کے مطالعے سے جھالا واڑ کی ادبی تاریخ کی ایک نمایاں تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شفیق صاحب کے اس مضمون کا کچھ حصہّ یہاں پیش کر دیا جائے:

’’میں اس وقت جھالاواڑ کی جغرافیائی و تاریخی حیثیت بیان کرنا بنظر طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔ قیام ریاست جھالاواڑ (۱۸۳۸ء) کے بعد کیا ادبی ماحول رہا اسکو ملاحظہ فرمائیں۔ ریاست کوٹہ سے علیحدگی اختیار کرنے پر اس ریاست کے جو اولین یا انکے بعد جو دو تین رئیس ہوئے انکے لئے یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے یا نہیں۔مگر یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی یہاں شعر و شاعری کا ذوق رکھنے والے نیز اہل قلم موجود تھے۔دفاتر اردو اور فارسی میں ہونے کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اسوقت ریاست کے عہدوں پر فائز تھے اردو فارسی کے قابل لوگ تھے اور وہ حضرات الہٰ آباد،فرخ آباد،لکھنؤ،رامپور اور یوپی کے مختلف مقامات نیز نزدیکی علاقہ بھرتپور کے آئے ہوئے تھے۔اس لئے ان کا میلان طبع شاعری کی طرف ہونا

ممکنات میں سے ہے۔

(۱) نثر نگاروں میں پتہ چلتا ہے کہ بھیکن خاں صاحب بھی پرانی طرز کی اردو نثر لکھنے والے تھے جنھوں نے چار چمن لکھی جسمیں جھالا واڑ کی مفصل تواریخ ہے۔

(۲) قاضی قطب الدین صاحب تخلص نا معلوم، کلام دستیاب نہیں۔ اخیر عمر میں ہائی اسکول جھالا واڑ میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر رہے۔

(۳) عبدالنبی خانصاحب تحصیلدار تخلص جاویدؔ، رامپور کے رہنے والے تھے۔ اپنی قابلیت سے عہدۂ تحصیلدار حاصل کیا۔ اس وقت کے اچھے شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے اور یہاں ان کے شاگرد بھی تھے۔

(۴) فیروز شاہ عرف سنجھلے میاں صاحب تخلص معلوم نہیں ہوسکا۔ یہ بہادر شاہ ظفر کے قریبی عزیزوں میں تھے۔ زمانۂ غدر میں اس ریاست میں پناہ گزیں ہوئے۔ رئیس وقت نے شاہی خاندان سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کی اور ماہوار کا وظیفہ گزر بسر کے لئے عطا کیا۔ یہ بھی شعر کہتے تھے مگر اشعار نایاب ہیں''۔

سترہ صفحات پر مشتمل اس مضمون میں شفیقؔ صاحب نے جھالا واڑ کی ابتدائی شعری وادبی تاریخ اور شعراء وادباء (کل ۲۰) کے احوال ومعلومات بیان کی ہیں۔ مشاعروں کے ابتدائی حالات اور مہاراجرانا بھوانی سنگھ کے عہد کی تصویر کشی کی ہے۔ ساتھ ہی ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کا کوروی کے ۴۷ر تلامذہ اور افتخار الشعراء حافظ محمد عالمگیر خاں کیفؔ ٹونکی کے ۶ر تلامذہ کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ شفیقؔ صاحب کا یہ مضمون جھالا واڑ کی ادبی تاریخ کے لئے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲. مضمون حضرت غالب کے نام خط :-

شفیقؔ صاحب نے یہ خط غالبؔ کے انداز میں ہی لکھا ہے اور کہیں حد تک آپ کو اس میں کامیابی بھی ملی ہے۔ مرزا غالبؔ کے نام لکھے اس خط میں آپ نے نہ صرف غالبؔ سے سچی محبت کا اظہار کیا ہے بلکہ ان کی عظمت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ یہ خط شفیقؔ صاحب کی نثر نگاری کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے کیوں کہ اس میں آپ نے مزاح کی چاشنی سے شیریں گھول دی ہے اور طنز کے ہلکے پھلکے نشتر سے اپنے جذبات بھی ہم تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے یہ خط ۴ر اگست ۱۹۷۶ء کو تحریر کیا تھا۔ خط سے ابتدائی اور چنندہ سطور ملاحظہ فرمائیں:

''نجم الدولہ دبیر الملک عالیجناب غالبؔ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج مبارک! عالم آب وگل سے عالمِ ارواح تشریف لے جائے ہوئے عرصہ ہو چکا۔ وہاں پہ کیسی گزر رہی ہے آپ ہی جان سکتے ہیں۔ زہد وتقویٰ کی طرف طبیعت راغب نہیں تھی جیسا کہ آپ ہی نے فرمایا ہے ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد

پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اس لئے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہاں بھی گرفت سخت نہیں ہوئی ہو۔ زندگی بھی کچھ سازگار نہیں ہوئی یہ بات آپ کی سوانح حیات سے معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ایسی فارسی انشا پردازی کی کہ ابوالفضل اور ظہوری وغیرہ جیسے کتنے ہی انشا پرداز جنت میں بھی تڑپ گئے ہوں گے۔ شاعری وہ کی کہ نظیریؔ، صائبؔ، بیدلؔ، اپنا کلام عجب نہیں سچ سمجھنے لگے ہوں گے۔ اردو میں بھی نام پیدا کیا ہے مگر وقت نے جتنی کرنی چاہیئے وہ قدر نہیں کی۔۔۔۔ شاید آپ کا معجزہ ہی ہے۔ خاک بدنم کیا آپ نبیوں سے بھی بڑھ گئے کہ انہوں نے زندگی میں معجزے دکھائے آپ مر کر یہ معجزہ دکھا رہے ہیں۔ سرکار بھی آپ کی مداح اور آپ کے زاویۂ نظر کو وسیع تر بنانے میں کوشاں ہے۔ آپ کی صد سالہ رسم بھی منائی گئی۔ بڑا روپیہ خرچ کیا گیا۔ تقریباً ایک کروڑ سے سوا ہی اٹھا ہوگا۔ ہندوستان کا کوئی شہر ایسا ہو جہاں غالبؔ ڈے نہ منایا گیا ہو، بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ بڑی اسپیچیں اور تقریریں ہوئیں جن سمپرک وبھاگ پوری حرکت میں آ گیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صدر ہندوستان نے غالب اکادمی کا افتتاح کیا۔۔۔''

''۔۔۔ کبھی خواب ہی میں اس راز کو تو سمجھا دیجئے کہ وہ کیا مر کر آپ نے پھونک ماری کہ دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ وہ کون سے خیالات آپ کے پسند کئے گئے جنکی بدولت آپ اتنے سراہے جا رہے ہیں کہ کسی شاعر کو مر کر بھی یہ بات نصیب نہیں۔ میرؔ ہوں کہ سوداؔ، ذوقؔ ہوں کہ مومنؔ، داغؔ ہوں کہ امیرؔ، وزیرؔ ہوں کہ تسیمؔ لوگ سب کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی ہر یونیورسٹی کا پروفیسر صرف آپ ہی کو یاد کرتا ہے آپ ہی کا دلدادہ ہے۔ اللہ جانے کیا جادو کون سا سحر آپ کے اشعار نے کیا کہ تمام اساتذۂ سلف کی شاعری شاعری نہ رہی۔ کسی وقت ہو سکے تو عالم ارواح سے عالم روبا میں آ کر ان لوگوں کو متنبہ کر دیجئے کہ بھائی میرے ساتھ دوسروں کو بھی یاد کر لیا کرو۔ مجھے سورج

مانتے ہوتو مانومگران کو چاند ستارے ہی مان لو۔دن اگر سورج سے روشن ہوتا ہےتو رات چاند ستاروں ہی سے روشن ہوتی ہے۔۔۔۔''

اپنی اس شکایت کومرزا غالبؔ کے حضور میں پیش کرنے اور غالبؔ کے مداحوں پر طنز ومزاح کی چٹکیاں لینے کے بعد شفیقؔ صاحب نے اپنا تعارف بھی غالبؔ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے لکھتے ہیں:

''شاید آپ آج کل عالم ارواح میں خوش ہوں کہ میرا ڈھول خوب پیٹا جارہا ہے مگر میرا ڈھول کہیں میرے بعد پیٹا گیا تو اپنی تو اس سے وہاں کی آرام کی نیند حرام ہوگی۔آپ سے میں تو دعا کا متمنی ہوں کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ میری زندگی میں ساہتیہ اکادمی راجستھان پوری طرح متوجہ ہواور میرے کلام کو چھپوادے۔باقدرت اتنا مالدار کردے کہ میں یہ سب اپنا کلام اپنی زندگی میں چھپوا سکوں یہ بھی نہیں تو یہ دعا دیجئے کہ پریم شنکر شری واستو ایڈیٹر نخلستان میرے اس خط کو نخلستان میں چھپوادیں کہ زندگی میں لوگ کچھ آپ کے کچھ میرے حال سے آگاہ ہوجائیں''۔

۳. مضمون انسانی قدروں کے محرّک :ادب،فنون لطیفہ اور ڈرامہ :-

شفیقؔ صاحب کا لکھا ہوا ۱۹۸۱ء کا یہ مختصر مضمون ہمارے پیش نظر ہے۔۷اور۸جنوری ۱۹۸۱ء کو دو روزہ ''راشٹریہ پُستک میلا'' کے موقع پر راجستھان کی سبھی اکادمیوں کے زیرِ اہتمام جے پور کے رویندر منچ پر مختلف تقاریب کا انعقاد ہوا تھا جس میں ۷/جنوری ۱۹۸۱ء کو سیمنار منعقد کیا گیا اس کا موضوع تھا''انسانی قدروں کے محرک:ادب،فنون لطیفہ اور ڈرامہ''۔شفیقؔ صاحب نے بھی اس مضوع سے متعلق اپنا مضمون پیش کیا تھا۔ اس موقع پر راجستھان اردو اکادمی کی جانب سے پہلی اشاعت کے طور پر شفیقؔ صاحب کے منتخب کلام''انتخاب کلام شفیقؔ'' کے اجراء کی رسم بھی ادا کی گئی [۱] شفیقؔ صاحب نے اپنے مضمون میں انسانی قدروں کے محرک کے طور پر ادب،فنون،لطیفہ اور ڈرامہ کے حوالے سے بعض اہم ذریں خیالات کا اظہار کیاہ اور چونکہ آپ کا مضوعِ سخن ادب ہے لہٰذا ادب نیز اردو ادب کا انسانی قدروں کے محرک کے طور پر اہم رول ہونے کی وضاحت کی ہے۔آپ کے اس مضمون سے کچھ چنندہ سطور یہاں درج کرتی ہوں :

''قدرت اپنی مخلوق کا اقدار بڑھانے میں اپنی قوت کام میں لیتی رہی ہے۔ یہ بات اقوام عالم کی تاریخ

---

[۱] اخبار دینک نوجیوتی کے ۹/جنوری ۱۹۸۱ء کی شائع کردہ رپورٹ سے معلوم ہوا جسکی زیروکس راقمہ کے پاس موجود ہے۔

کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے۔قدرت نے انسانی اقدار بڑھانے کا کام اپنے برگزیدہ بندوں سے لیا ہے۔ان برگزیدہ بندوں میں انبیاء علیہم السلام اوران کی پیروں (جن میں علماء اور فلاسفر آتے ہیں) نے انسانی قدروں کا محرک اپنی ادبی صلاحیت یا اپنے ادب کو کیا۔اس میں لاطینی،سریانی،انگریزی،عبرانی،عربی،فارسی،سنسکرت ادب مشہور ومعروف ہیں۔ان علوم میں بزرگ کے خطبات،وعظ و پند،اپدیش،بھجن،غزل وقصیدہ،نظم ونثر،ادبی لحاظ سے قابلِ قدر اورانسانی قدر افزا ہیں۔ادب نے آدمی کو مؤدب بنانے میں وہ کردار ادا کیا ہے جس کو بیان کرنا بھی دشوار ہے۔۔۔۔۔غدر سے پہلے اورغدر کے بعد بالخصوص انسانی قدریں کن ناقدریوں کا شکار ہورہی تھیں۔ناقدری کے بادل اپنی تاریکی میں انسانی قدروں کو گھیرے ہوئے تھے۔اغیار نے اپنی گرفت انسانی قدروں پر سخت کررکھی تھی۔

اس ناقدری کے دوَر میں اردوادب ہی ایسا محرک ہوا جس سے انسانی قدریں ابھرنے کی امید ہوئی۔۔۔۔اس میں رہنمایانِ ملک کے ساتھ سرسید،شبلی،حالی،سرشار،منشی پریم چندر کا نام سرِفہرست ہے۔شعراء میں حالی،چکبست اوراقبال کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ان ادیبوں اورشاعروں نے لوگوں میں آزادی کی وہ امنگ وہ شوق پیدا کیا کہ عوام مہاتما گاندھی اوران کے ساتھیوں مولانا آزاد،علی برادران،پنڈت جواہرلال نہرو کی سرکردگی میں میدان عمل میں آگئے۔۔۔۔۔مولانا ابوالکلام آزاد کا قلم اورادب وہ زندہ و پائندہ ہے کہ تاریخ ادب میں یادگار رہیگا۔اس ادبی صلاحیت سے اہلِ ہند مستفید ہوئے ان نامور رہنماؤں کے دوش بدوش رہکر ادیبوں اورشاعروں نے بھی کام کیا۔اوراہلِ ہند میں وہ جذبۂ آزادی دلوں میں مؤجزن کردیا کہ ہندوستان ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوگیا۔دنیا ہمیں قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگی یہ ہے انسانی قدروں کا محرک ادب،ادب برائے زندگی اورزندگی برائے ادب کا عمل جاری رہا ہے اورجاری رہے گا‘‘۔

۴. مضمون طریقِ اصلاح حضرت نیرنگ مرحوم :-

۲۰/ویں صدی کی ابتدائی چار دہائیوں کو جھالاواڑ میں اردوشاعری کا سنہرہ دوَر تسلیم کیا جانا چاہیے۔اس دوَر میں مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کی آمد سے جھالاواڑ میں شعروشاعری کا چرچا عام ہوا۔مشاعروں کا آغاز ہوا۔آپ کاکوروی ضلع لکھنؤ سے بسلسلۂ ملازمت جھالاواڑ تشریف لائے اوریہیں آباد ہوئے۔آپ کی اصلاحِ

شاعری سے جھالاواڑ کے باشندوں میں شعری ذوق اس قدر پیدا ہوا کہ بچہ بچہ شعروشاعری کا شوق رکھنے لگا۔جن شعراء نے نیرنگؔ مرحوم سے باقاعدہ اصلاح لی ان کی تعداد شفیقؔ صاحب کے مطابق ۵۴ ہے۔جھالاواڑ میں سب سے زیادہ آپ کے ہی تلامذہ تھے۔اور آپ کو استادالشعراء تسلیم کیا گیا اور ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ کے ارشد تلامذہ اور سچے جانشین مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے آپ کے طریقۂ اصلاح پر ایک مضمون تحریر کیا ہے۔جس کا عنوان ہے''طریقِ اصلاح حضرت نیرنگؔ مرحوم'' یہ مضمون کب لکھا گیا اس بارے میں کوئی تاریخ دریافت نہ ہوسکی، جناب شفیقؔ کی کالے رنگ کی بیاض میں موجود یہ مضمون نوصفحات پر مشتمل ہے۔

مضمون کی ابتداء میں شفیقؔ صاحب نے شاعری کو قدرتی عطیہ قرار دیا ہے اور عالم وجاہل کی شعری صلاحیت کا موازنہ پیش کر علم وعروض کی پابندی کو نہایت ضروری قرار دیا ہے اور شعریت اور موزونیت کے حوالے سے بہت ہی اہم اور زریں خیالات کا اظہار کیا ہے۔آپ نے شعری ذوق رکھنے والوں کو ہر وقت شاعری میں اصلاح لینے کی ہدایت کی ہے۔اس کے بعد آپ نے جھالاواڑ کے استاد شاعر ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوری کا تعارف پیش کر آپ کے اصلاح کے طریقوں کو بیان کیا ہے۔شفیقؔ صاحب نے اپنی ابتدائی غزلوں کے چند اشعار بھی درج کئے ہیں جس میں نیرنگؔ صاحب نے اصلاحاً قلم چلائی تھی۔اس طرح حضرت نیرنگؔ کاکوروی کے طریقِ اصلاح کے موضوع پر تحریر کردہ یہ مضمون نہایت مفید اور معلومات افزا ہے۔مضمون کے ابتدائی سطور اور طریقِ اصلاح نیرنگؔ سے متعلق چند لائینس یہاں درج کرتی ہوتی ہوں:-

''ملکۂ شاعری ایک قدرتی عطیہ ہے عالم وجاہل کی اس میں قید نہیں ہے تعلیم سے آراستہ انسان اس عطیہ سے مستفید ہوکر اپنی زبان وادب کی وہ بہترین خدمت کرجاتا ہے جس سے اس زبان وادب کا سرمایہ قابلِ فخر ہوتا ہے اور اہلِ زبان اس پر ناز کرتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔۔۔۔''

''۔۔۔۔بیشک موزونیت اور شعریت قدرتی دین ہے اور علم اس دین کو عملی لباس پہنانے والا ہے مگر لباس کی وضع اور قطع وبرید اگر خیاط کامل الفن کے ہاتھوں نہیں ہوئی ہے تو قبا تو تیار ہوجائے گی مگر وہ قبائے سجل نہیں ہوگی نہ پہننے والے کے بدن پر وہ کپڑا درست معلوم ہوگا نہ اس کی قطع وبریدی فائلِ تعریف ہوگی۔اس لئے ایسے درزی کو کسی اچھے خیاط کی صحبت میں رہ کر اس کو خیاط گری سیکھنی ہوگی۔یہی حال شاعری کا ہے،ازمنہ قدیم

سے یہی سلسلہ جاری ہے کہ قابل ہستیوں کو اپنا استاد کسی کامل الفن شاعر کو بنانا پڑا ہے۔۔۔۔۔۔حضرت نیرنگؔ مرحوم نے طریق اصلاح کا یہ ڈھنگ ڈالا تھا کہ روزانہ شب کو تمام تلامذہ آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوتے اور اس نشست میں آپ کوئی مصرعے طرحی دیتے۔مصرع کے ساتھ وقت بھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دیتے۔اسی وقت میں جس سے جتنے شعر کہے جاتے وہ کہتا اور استاد کو پیش کرتا۔ہر ایک غزل اسی وقت مناسب اصلاح سے فریں کر دیتے اور جو عیوب فنی و ادبی نظر آتے بالتفصیل شاگرد کو سمجھا دیتے یہ ایسا لیکچر ہوتا تھا کہ اس سے ہر شاگرد مستفید ہوتا۔ استاد کے دیکھنے کے بعد پھر سب آپس میں اپنی غزلوں کو سناتے اس کا نام وقتیہ مشاعرہ تھا۔اس طریق اصلاح سے تلامذہ کو کافی فائدہ ہوا اور جلد ادبی خوبیوں اور صلاحیتوں سے شاگردانِ نیرنگؔ واقف ہو گئے‘‘۔

باب ششم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے معاصر شعراء اور تلامذہ

(الف) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے معاصر شعراء

(ب) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے تلامذہ

باب ششم

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے معاصر شعراء اور تلامذہ

باب ششم میں ہم مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالا واڑی کے ہم عصر شعراء اور تلامذہ کی حیات اور شخصیت کا تذکرہ مع نمونۂ کلام باعتبار سنِ پیدائش کریں گے۔

(الف) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے معاصر شعراء :-

تحقیقی مقالہ میں شاعر کے ہم زمانہ شعراء کا تذکرہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے ایسا کرنے سے نہ صرف شاعر کے ادبی دوَر کی پوری تصویر ہمارے پیشِ نظر ہو سکے گی بلکہ اس علاقے کی ادبی تاریخ متعین کرنے میں بھی آسانی رہے گی۔ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے زمانۂ شاعری کے دوران آپ کے ہم عصر شعراء آپ کے ساتھ مل کر جھالا واڑ کے ادبی گلشن کو مہکائے ہوئے تھے۔ ان ہم عصر شعراء میں آاپ کے عہد کے بزرگ شعراء اور ہم عمر شعراء کے نام لئے جا سکتے ہیں جو مستقل لگن سے شعر وادب کی خدمت میں مشغول تھے اور مشاعروں میں اپنی قابلیت اور ذوقِ شاعری کی بدولت داد وتحسین وصول کر رہے تھے۔ ان میں اہم نام یہ ہیں: سید یوسف علی یوسفؔ، منشی وشمبھر ناتھ سکسینہ نشترؔ، منشی عزیز الرحمٰن قریشی عزیزؔ جھالا واڑی، جلیل خان جلیلؔ، منشی ظہور الدین ظہورؔ محترمہ کمل شبنم کپور، منشی معز الدین شائقؔ جھالا واڑی، منشی سکندر خان اثرؔ، قاضی احمد رضا خان بیدلؔ، منشی عبداللہ خاں خوشؔ وغیرہ۔

درج بالا مقامی شعراء کے علاوہ بیرونی شعراء کے نام بھی اہم ہیں کہ جن کی وجہ سے جھالا واڑ کی ادبی فضا کی رونق دوبالا ہو گئی تھی وہ ہیں: جناب غلام معین الدین مفتونؔ کوٹوی، عشرت حسین عشرتؔ دھولپوری، اور صاحبزادہ محبت علی خاں محبتؔ ٹونکی۔ بیرونی شعراء کے قیام جھالا واڑ کے سلسلے میں راحتؔ گوالیاری اپنے مضمون ''جھالا واڑ کے موجودہ اردو شاعر'' میں مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اتفاق اور فخر کی بات ہے جھالا واڑ کی بستی حسب دستور سابقہ آج بھی بیرونی شعراء کا پیش خیمہ ہے۔ حضرت مفتونؔ کوٹوی بسلسلۂ ملازمت تقریباً چھ سال یہاں رہ کر یہاں کی ادبی محفلوں کو رونق بخش چکے ہیں اور جب کہ یہ مضمون سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ ملازمت سے سبکدوش ہو

کر بعمر ۵۵؍سال وطن لوٹنے کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔صاحبزادہ محبت علی خاں محبتؔ ٹونکی اپنی آراضی و کاشت کی نگرانی کے سلسلے میں یہیں آ کر بس گئے ہیں اور قریب قریب مقامی شمار کئے جانے لگے ہیں۔حال ہی میں نئے ذہن کے نوجوان شاعر عشرت حسین عشرتؔ دھولپوری میونسپل بورڈ میں اگیزیکیوٹو آفسر کے عہد پر تبدیل ہو کر تشریف لے آئے ہیں۔'' ۱

شفیقؔ صاحب کے عہدِ شاعری کو جھالاواڑ میں اردو شاعری کا دوَرِ ثانی تسلیم کیا جانا چاہئے کیوں کہ دوَرِ اوّل تو ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کے انتقال (۲۵؍دسمبر ۱۹۴۷ء) کے ساتھ ہی ختم ہو گیا اس دوَر اوّل میں جھالاواڑ میں شعراء کی کثیر تعداد موجود تھی اور روسائے وقت کی ادب نوازی کی بدولت جھالاواڑ علم و ادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اسی بناء پر جناب پریم شنکر شریواستو صاحب نے اپنے مقالے ''ملک الشعراء منشی شمبھو دیال دانشؔ'' میں جھالاواڑ کو ''راجستھان کا لکھنؤ'' لکھا ہے۔ ۲ لیکن استحصال آزادی نے شعراء سے ان کا ملک چھین لیا اور انضمام ریاست نے اردو زبان و ادب کے سر سے والیانِ ریاست کی سرپرستی کا ہاتھ اٹھ گیا۔اور ایک گہرا سناٹا سا جھالاواڑ کی ادبی فضا میں پسر گیا۔

جھالاواڑ کی سرد پڑ چکی ادبی زمین کو مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے اپنی کوششوں کے ذریعہ دوبارہ نئ جان عطا کی۔جناب شفیقؔ جھالاواڑ کے استاد شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔آپ نے جھالاواڑ میں ادبی ماحول قائم کرنے کے لئے نہ صرف نئے شعراء کی اصلاح اور تربیت کا ذمہ لیا بلکہ اپنے ہم عصر شعراء کی رُکی ہوئی قلم کو بھی روانی عطا کی۔آپ نو عمر شعراء کی حوصلہ افزائی فرمانے کے ساتھ ہم عصر شعراء کی غزلوں پر بھی نظر ثانی کرتے رہے۔بقول مظفر حسین مظفرؔ ''آپ کے ہم عصر شعراء جناب منشی ظہور الدین ظہورؔ، جناب شریف الحسن شریفؔ، عبد اللہ خاں جوشؔ، جناب منشی سکندر خاں اثرؔ، جناب مصطفیٰ حسین رضوی، جناب جلیل خاں جلیلؔ، فیاض الدین صاحب فیاضؔ اور دیگر شعراء اپنی غزلوں پر نظر ثانی کرواتے رہے۔'' ۳

---

۱ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری، مطبوعہ رہنمائے تعلیم-دہلی، فروری ۱۹۷۳ء ص- ۳۸

۲ جرنل جلد ۷ شمارہ اوّل مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی خاں مطبوعہ APRI ٹونک بابت سال ۱۹۸۹ء ص ۱۰۹،

۳ مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیقؔ صاحب سے دریافت ہوا۔مورخہ ۱۰؍جنوری ۲۰۱۲ء۔

اس بات کا اعتراف خود شفیقؔ صاحب نے اپنے الفاظ میں کیا ہے، لکھتے ہیں ''وفات حسرت آیات استاد نیرنگؔ مرحوم کے بعد احباب اور بزرگوں نے ایک بوجھ اور بھی ڈالا کہ میں ان کی غزلیات بھی دیکھا کروں خیر احباب اور ہمعصروں تک تو کوئی مضائقہ نہیں تھا مگر بزرگوں کا یہ خلوص کہ وہ اپنی فرسودات کو بغیر مجھے دکھائے مشاعروں میں نہیں سناتے تھے۔ اور میرے مشورہ کو بہ نظرِ تحسین دیکھا میں ان کی اس حوصلہ افزائی کا ممنون رہا۔'' [1]

آپ کے ہم عصر شعراء کا کلام زیادہ تر غزل، نظم اور نعت گوئی تک محدود رہا جب کہ شفیقؔ صاحب نے شاعری کی تمام اصناف پر طبع آزمائی کی ہے اور ساتھ ہی چند نثری مضامین قلم بند کر اپنی قادر الکلامی اور جدّتِ طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے شاعری کو فطری رنگ اور حقیقی جذبات کا آئینہ بنایا۔ شفیقؔ صاحب کی حیات اور شعری و ادبی خدمات سے واقف ہونے کے بعد یہ ضروری خیال ہوتا ہے کہ آپ کے معاصر شعراء کا تذکرہ (حالات اور کلام ،جس قدر بھی دستیاب ہوسکا ہے) پیش کر آپ کے عہد کی ادبی اور فنی خصوصیات کا مختصر جائزہ لیا جائے۔

سید یوسف علی یوسفؔ (سنِ پیدائش ۱۸۸۰ء۔ سنِ وفات ۱۹۷۴ء)

آپ کی جائے پیدائش پھپھوند ضلع اٹاوہ یوپی اور سنِ پیدائش ۱۸۸۰ء ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید یعقوب علی تھا۔[2] آپ کی ابتدائی تعلیم پھپھوند ضلع اٹاوہ اور جھالاواڑ میں اردو فارسی اور عربی میں ہوئی۔ ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں آپ نے دربار ہائی اسکول جھالاواڑ سے آگرہ جا کر میٹرک کا امتحان دیا اور سوئے اتفاق حرفِ علم ریاضی کی وجہ سے ناکامیاب رہے۔ بعد تعلیم دربار ہائی اسکول میں مدرس ہوئے۔ چونکہ اس زمانے میں انگریزی جاننے والے کم تھے لہٰذا رئیس الوقت نے آپ کو دربار میں افسر کا عہدہ عطا کیا۔ تقریباً ۴۰؍سال ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں رٹائرڈ ہو کر پینشن یاب ہوئے۔[3] اور بتیس سال پینشن لینے کے بعد ۱۹۷۴ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ [4]

---

[1] دیباچہ نیرنگِ سخن مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ۔ غیر مطبوعہ ص-۳۵

[2] ہاڑوتی کے اردو شاعر مرتبہ راحتؔ گوالیاری ۔ مطبوعہ سودیسی آفسیٹ خیرادی واڑہ ادے پور ۲۰۰۲ء ص-۲۶ ،

[3] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔ قسط اول جنوری ۱۹۷۳ء، ص-۳۹

یوسفؔ صاحب اپنے دوست واقارب میں افسر صاحب کے نام سے مشہور تھے ۔ کیوں کہ اس زمانے میں آپ سب سے زیادہ پڑھے لکھے مانے جاتے تھے۔،آپ کے اسلاف بھی توپ خانہ میں عہدہ دار رہے۔ آپ کو علم وادب سے خاص دلچسپی تھی۔آپ کی طرز گفتگو بے انتہا پسند کی جاتی تھی۔لوگ آپ کی بات چیت سننے کے شائق تھے۔آپ کو ہندی زبان کی معلومات بھی کافی تھی چنانچہ پورا شہر آپ کی ہندی معلومات سے استفادہ کرتا تھا۔ [1]

جھالاواڑ کی ادبی فضا میں یوسفؔ صاحب نے ہوش سنبھالا ۔ ہرطرف شعر وشاعری کا چرچہ عام تھا۔ حضرت نیرنگؔ جھالاواڑ تشریف لا چکے تھے۔ایسے ماحول میں آپ کو شعر وشاعری کا شوق ہوا آپ نے حضرت نیرنگؔ سے اصلاح سخن کیا اور علم عروض سے پوری واقفیت حاصل کی اور اپنے ہم عصر شعراء کے ساتھ مل کر شاعری کے وہ گل کھلائے کہ جھالاواڑ کی ادبی فضا مہک اُٹھی۔آپ نے نعتیہ کلام زیادہ کہا ہے اور بہاریہ شاعری موقع ومحل کے مطابق اور مشاعروں میں شرکت کی غرض سے کی۔آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ آپ کسی بھی شعر کی تشریح وتقطیع بآسانی کردیا کرتے تھے۔آپ کی تمام عمر زہد وتقویٰ،عبادت وریاضت میں گزری۔آپ نے ۹۴ ؍سال کی عمر پائی لیکن کبھی بھی کسی وقت کی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ [2] آپ کی تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ سید اسحاق علی اسحاقؔ تھے۔آپ کی ایک صاحبزادی کا نکاح مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ سے ہوا تھا۔[3]

یوسفؔ صاحب کی غزلوں سے چند منتخب اشعار بطور نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں ۔

طور پر جانے میں موسیٰ کو ملا فاضلع کا حکم
عرش پر پہنچے رسول اللہ کی پاپوش ہے

کروں کیا وصف ان کا جن کا خود خالق ثناخواں ہو
خدا کے بعد ان کے مرتبہ کو کوئی کیا پہنچے

شبِ معراج جب اللہ نے مدعو کیا ان کو
نا جانے کس بلندی پر محمد مصطفیٰؐ پہنچے

مرے دل میں ازل سے جاں گزیں عشقِ محمدؐ ہے
گنا جاتا ہوں قسمت سے محمدؐ کے غلاموں میں

[1،2] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری،مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔قسط اول جنوری ۱۹۷۳ء،ص-۳۹

[3] مولوی اسحٰق صاحب کے پڑوسی عبدالغفور صاحب سے دریافت ہوا۔مورخہ ۱۱؍اگست ۲۰۱۳

وہ تخلیۂ خاص وہ اللہ کا تکلم
کل رازِ خفی، حق نے بتایا شبِ معراج

اللہ رے تقریب کہ جہاں فصل بہ پردہ
اللہ ہی اللہ نظر آیا شبِ معراج

نفس اور شیطان کے دھوکوں سے رہتا ہے بچا
معرفت کی راہ میں سالک اگر باہوش ہے

عاقبت کی فکر سے یوسفؔ نہ اب غافل رہو
عمر گزری جارہی ہے کچھ بھی تمکو ہوش ہے

توڑے تھے یوں اویس نے حبِ نبیؐ میں دانت
ایسا نہ ہو کہ حق محبت ادا نہ ہو

یارب یہ التجا ہے تیری بارگاہ میں
یوسفؔ کا خاتمہ میرے مولا برا نہ ہو

جس کی آتی ہے قضا بچ نہیں سکتا ہرگز
خواہ جا کر چھپے کیسے ہی وہ تہہ خانوں میں

روز و شب فکر ہے دنیا میں جسے عقبہ کی
سچ تو یہ ہے وہی انسان ہے انسانوں میں

منشی محمد عزیز الرحمٰن قریشی عزیزؔ جھالاواڑی (سنِ پیدائش ۱۸۸۵ء۔ سنِ وفات ۱۹۷۴ء)

''ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی: افسوس جناب عزیزؔ جھالاواڑی'' کے عنوان سے ہندوستان کے مشہور و معروف ادیب جناب مفتوںؔ کوٹوی نے اپنے دوست عزیزؔ جھالاواڑی کے انتقال پر یہ تعزیتی مضمون لکھا تھا اس مضمون میں عزیز جھالاواڑی کی تاریخی رحلت ۶ ؍فروری ۱۹۷۴ء اور عمر ۸۶؍سال درج ہے۔ جس کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۱۸۸۵ء نکلتی ہے۔[۱] آپ کی جائے پیدائش جھالاواڑ ہے۔ ملازمت کے سلسلے میں مفتوںؔ صاحب تقریباً چھ سال جھالاواڑ میں مقیم رہے۔ اُس وقت عزیزؔ صاحب آپ کے خاص کرم فرماں اور مددگار رہے۔ اس کا اظہار مفتوںؔ صاحب نے خود کیا ہے لکھتے ہیں'' دورانِ قیام جھالاواڑ آپ میرے بے حد خصوصی کرم فرماں رہے جھالاواڑ کے متعلق کئی مضامین کی تسوید و تسطیر میں مرحوم سے مجھے کافی امداد ملی۔''[۲]

عزیزؔ صاحب کے والد اور دادا اسٹیٹ کی جانب سے حاکم کارخانہ جات رہے۔ بعد میں عزیزؔ صاحب بھی جھالاواڑ اسٹیٹ سے وابستہ ہو گئے۔[۳] اپنی محنت وکوشش اور دیانت داری و وفاداری کے باعث آپ

---

۱ بزم نیرنگؔ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یومِ نیرنگؔ، قسط-۲ از مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی، اگست ۱۹۷۴ء، ص-۱۶

۲ عروج و خیال: ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک کی نثری نگارستات کا مجموعہ مصنفہ مفتوں کوٹوی غیر مطبوعہ، ص-۳۵۴

۳ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔ قسط اول جنوری ۱۹۷۳ء، ص-۴۰

''منصرم'' کے عہدہ تک پہنچے۔آپ نے اپنے والد اور دادا کے نام اور وقار کو بھی برقرار رکھا۔راجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ نے تو آپ کو اپنا مصاحب خاص بنایا تھا۔اپنی ملازمت، درباداری اور حاضر باشی کے واقعات عزیزؔ صاحب بڑی شیفتگی و دلکشی سے بیان کیا کرتے تھے۔ ؎ بقول راحتؔ گوالیاری ''عزیز صاحب نے اپنی آنکھوں سے ۳ راجاؤں کا عروج و زوال دیکھا تھا۔اس زمانے میں آپ مصاحب خاص میں شمار کئے جاتے تھے۔راجرانا بھوانی سنگھ اور ان کے صاحبزادہ راجیند رسنگھ مخمورؔ والئ ریاست جھالا واڑ عزیزؔ صاحب کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔آج بھی عزیزؔ صاحب ان دونوں سابق فرمارواین ریاست کا احترام ان کے شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔''۲

راجرانا بھوانی سنگھ کے عہد میں ہر طرف شعر و شاعری کا چرچہ عام تھا۔ ایسے ماحول میں عزیزؔ صاحب کو بھی شعر و شاعری کا شوق پیدا ہونا لازمی تھا لہٰذا آپنے ابتداء میں عبدالصمد صاحب شوقؔ سے اصلاح لی اور بعد میں جب تک استاد نیرنگؔ کا کوروی حیات رہے، انہیں سے مشورہ سخن کرتے رہے۔۳ عزیزؔ جھالا واڑی نے نعت، غزل، رباعی، قطعہ، قصیدہ، مرثیہ، بھجن، گیت سب کچھ لکھے ہیں۔عزیزؔ صاحب نے اپنے وقت میں زندگی کے خارجی اور داخلی تقاضے شعر و سخن کے ذریعہ اجاگر کئے۔پرانی وضع و قطع کے انسان تھے۔

مفتونؔ صاحب اپنے خاص کرم فرما عزیزؔ جھالا واڑی کی شخصیت اور ذاتی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں ''مرحوم کو یادداشتوں اور پرانے کاغذوں کی حفاظت کا بیحد شوق تھا۔اس سلسلے میں ایک ایک پرزہ انہیں عزیز تھا۔انہوں نے بڑی محتاط اور باوضع زندگی گزاری۔اپنی آمد و خرچ کا حساب رکھتے تھے۔خاطر و مدارت کے سلسلے میں جب کبھی جو کوئی چیز پیش کی باسلیقہ و پرخلوص انداز میں پیش کی۔ڈبیہ بٹوہ ہمیشہ موجود رہتا۔بازار میں بغیر شیروانی کبھی نہیں نکلتے۔ان کی شریک حیات آپ کے انتقال کے چار پانچ سال پہلے ہی انتقال کر چکی تھی۔ان کا ذکر شیفتگی کے ساتھ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔یہ جذبات محبت شعری پیکر میں بھی تھے۔ خط پختہ و شستہ تھا۔مرحوم کو باغبانی کا بھی شوق تھا۔سات آٹھ میل دور موضع سکیت میں ان کا ایک باغیچہ تھا۔مکان کا مردانہ حصہ مختلف

---

۱ عروج و خیال: ۱۷۱۹ء سے ۱۹۷۵ء تک کی نثری نگارستات کا مجموعہ مصنفہ مفتوں کوٹوی غیر مطبوعہ، ص-۳۵۴-۳۵۵

۲ جھالا واڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔قسط اول جنوری ۱۹۷۳ء، ص-۴۰

۳ راجستھان کے موجودہ اردو شاعر، مصنفہ پریم شنکر شری واسطو، مطبوعہ راجستھان ساہتیہ اکیڈمی ادے پور ۱۹۶۶ء ص-۴۳۸

رنگین پھولوں کے پودوں سے سجا ہوا تھا۔'' ۱؎

مفتوںؔ صاحب نے آپ کی وفات پر ایک قطع رحلت درج ذیل عنوان سے لکھا ہے ملاحظہ کیجئے ؎

تاریخ مرگ طوطی بیان جناب عزیزؔ جھالاواڑی (۱۹۷۴)

کر گئی زیروز بر بزم خیال ا طلاع ا رتحال پر ملال

وہ عزیزؔ خوش نوا رخصت ہوے جو تھے بزم دوستوں میں خوش مقال

جنت الفردوس ان کو ہو نصیب مغفرت فرمائے ربِ ذوالجلال

شہر جھالاواڑ میں مشاعروں کا دوَر جاری تھا۔ مفتوں صاحب نے ایک مضمون ''جھالاواڑ کا ایک نعتیہ مشاعرہ'' کے نام سے لکھا ہے۔ یہ مشاعرہ جناب عزیز الرحمٰن عزیزؔ جھالاواڑی کے مکان پر ۲۷؍ جون ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا تھا۔ طرحی مصرعہ تھا۔ ''اللہ نے خلوت میں بلایا شب معراج'' اس مشاعرے میں عزیزؔ جھالاواڑی نے کیفؔ ٹونکی کی نعت بطور مخمس تضمین کر پیش کی تھی۔ ۲؎ اس خمسہ کے دو بند ملاحظہ ہوں ؎

تھا قلز مِ الفت تلاطم شب معراج اور حق کو ہوا شوق تکلم شب معراج

بخشا وہ پھولوں میں تقدم شب معراج تھا نام بھی شرکت کا جہاں گم شب معراج

تھے فضل الٰہی سے وہاں تم شب معراج

دارین میں جتنے بھی کہ درجات کرم تھے مخصوص وہ حضرتؐ کے لئے جاہ وحشم تھے

الطاف خداوند وعالم کے یہ کم تھے بے پردہ فقط طالب ومطلوب بہم تھے

پردہ تھا نہ پردے کا توہّم شب معراج

جناب عزیز الرحمٰن عزیزؔ جھالاواڑی نے واقعہ معراج ایک علیحدہ مسدس میں بھی نظم کیا ہے۔ انچاس ۴۹؍ بندوں پر مسدس میں یہ واقعہ معراج مکمل آیا ہے۔ اس کا ایک بند ملاحظہ کیجئے ؎

حضرت یوسفؑ و یعقوبؑ و مسیحؑ و مریمؑ خضرؑ والیاسؑ تھے خوش حضرت حق آدمؑ

۱؎ عروج وخیال : ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک کی نثری نگاستات کا مجموعہ مصنفہ مفتوں کوٹوی غیر مطبوعہ، ص ۳۵۶، ۳۵۷

۲؎ مضمون جھالاواڑ کا ایک نعتیہ مشاعرہ از مفتوں کوٹوی ،مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۲۵-۲۶

ہودؑ وایوبؑ تھے موسیٰؑ بھی تھے شادوخرم　　لوطؑ وادریسؑ خوشی سے تھے بغلگیر بہم

انبیاء سب ہی کہتے تھے خوشی سے پیہم
عرش پر آئیں گے محبوبؐ خدا آج کی رات

عزیزؔ جھالاواڑی نے والیٔ ریاست راجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ کے حالاتِ زندگی اور شاعری پر ایک مضمون مرتب کیا ہے۔اس کا نام ''سوانح حیات مہاراج رانا شری راجیند رسنگھ مخمورؔ'' ہے یہ غیر مطبوعہ ہے۔[1]

عزیز صاحب کا یہ شعر عہد مخمورؔ کی یاد تازہ کر دیتا ہے، لکھتے ہیں ؎

کبھی وہ دن بھی آئیں گے عزیزؔ اس خستہ حالی میں
کہ جو دن بزمِ میں مخمورؔ کی رہ کر گزار آیا

نمونۂ کلام عزیزؔ جھالاواڑی ؎

ہمیں وہ لطف بزم یار حاصل ہے کہ جیتے جی　　نہ محفل دل سے نکلے گی نہ دل محفل سے نکلے گا
بگولوں سے تھی دشتِ نجد میں امید مجنوں کو　　کہ اب لیلیٰ کا چہرہ پردۂ محمل سے نکلے گا
تیری تصویر میری آنکھوں میں ہر دم پھرتی　　کچھ عجب لطف ترا دردِ جدائی دیتا
میری خاک تربت سے پرہیز اتنا　　اٹھائے ہوئے دامن آتا ہے کوئی
ساتھ لایا نہ کرو غیر کو تم محفل میں　　ورنہ اک روز یہ جھگڑا سر محفل ہوگا
دل میں رہ رہ کریادِ مژگاں ہے　　مبتلا ہم ہیں درد پیہم میں
مہمان کا جس طرح سے کرے میزباں لحاظ　　ہے لطف اسی طرح سے کرے مہماں لحاظ
اندیشۂ عقبہ نے مزا زیست کا چھینا　　ہر دم یہی کھٹکا ہے وہاں دیکھئے کیا ہو
وعدہ کی وفا میں ہے ابھی شام کا وقفہ　　اپنی نہیں دم بھر کی خبر دیکھیے کیا ہو
سن لیا ذکرِ عدو، چھوڑو بھی لاحول پڑھو　　ہر گھڑی ذکر مناسب نہیں شیطانوں کا

---

[1] راجیند رسنگھ مخمورؔ والئی جھالاواڑ کی اردو شاعری مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ شانِ ہند دہلی، دسمبر ۱۹۷۲، ص-۳۲

فتنہ گر اپنی چال ڈھال کو دیکھ پھر کسی اپنے پائمال کو دیکھ

دل ہم نے دیا ان کو عزیز اپنا سمجھ کر اب آگے مقدر ہے وفا ہو کہ جفا ہو

منشی وشمبھر ناتھ سکسینہ نشترؔ (سنِ پیدائش ۱۸۹۳ء۔سنِ وفات دستیاب نہ ہوسکی)

آپ ۱۸۹۳ء میں بمقام جھالاواڑ پیدا ہوئے۔تعلیم وتربیت کے حصول کے بعد سرکاری عہدے پر فائز ہوئے اور بعد میں ہیڈ کانسٹیبل کے عہدے سے رٹائرڈ ہوکر پینشن یاب ہوئے۔[۱] نشترؔ صاحب نے اس زمانے میں شاعری کی ابتداء کی جب جھالاواڑ میں ادبی وشعری ماحول عروج پر تھا لہٰذا آپ کی طبیعت میں شعری ذوق کا ہونا فطری عمل تھا۔آپ نے مشورۂ سخن عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی سے کیا اور شعر کہنے لگے۔[۲] اس زمانے میں داغؔ دہلوی کی شاعری کا رنگ اور چرچہ عام تھا۔ان کی شاگردی باعثِ فخر سمجھی جاتی تھی ان کی طرز پر شعر کہنا شعراء نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ نشترؔ صاحب نے بھی مسلسل مشق سے اس فن میں مہارت حاصل کی اور داغؔ دہلوی کے نقشِ قدم پر چلے اور انہیں کی طرز پر شعر کہنے لگے۔[۳] بطور نمونۂ کلام آپ کی غزل کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

نظر بدلے ہوئے پردے میں وہ چلمن کے بیٹھے ہیں
ستم دیدہ دلوں میں تیر کیا چھن چھن کے بیٹھے ہیں

وہ ابرو وہ نگہ سرما و نبالہ داران کا
کمان و تیر و خنجر لے کے کیسے تن کے بیٹھے ہیں

فریب و مکر و بدعہدی دغا،سب ان سے پیدا ہیں
خدا رکھے وہ کیا کیا شوخ بچے،جن کے بیٹھے ہیں

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی صاحب تحقیق وتدوین کے سلسلے میں جب ۱۹۶۸ء میں جھالاواڑ آئے اور نشترؔ صاحب سے ملے تو آپ نے درجہ بالا آخری شعر کے بارے میں عثمانی صاحب کو بتایا تھا کہ اس میں انہوں نے انگریزوں کی چالاکی ومکاری کی طرف اشارہ کیا ہے جوکہ شعر پڑھنے سے خودعیاں ہے۔[۴]

---

[۱]، [۳]، [۴] راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی۔مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی۔ ۱۹۸۵ء ص- ۲۵۲ ، [۲] دیباچہ نیرنگ سخن،مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ غیر مطبوعہ، ص-۲۶

آپ بہت خوش فہم اور خوش خلق انسان تھے۔طبیعت کی روانی اور خوش مزاجی کی وجہ سے آپ کی شاعری میں مزاحیہ رنگ بھی غالب ہے۔اس لئے ۱۹۳۰ء سے چھ،سات برس تک آپ طنز ومزاح کے تیر چلاتے رہے جو ''اودھ پنچ'' میں شامل ہوتے تھے۔[۱]

نشتر صاحب کا مزاحیہ رنگ ملاحظہ فرمائیں ؎

متانت : عروس ملک باتوں سے نہیں آتی ہے پہلو میں
لب شمشیر جو چومے حکومت اسکو ملتی ہے

مزاح : عروس ملک باتوں سے نہیں آتی ہے پہلو میں
جو چومے بوٹ حاکم کا حکومت اسکو ملتی ہے

آپ کا زیادہ تر کلام جھالاواڑ کے مقامی رسالہ ''آفتاب'' میں شائع ہوتا تھا۔آپ کی اہلیہ کے انتقال کے بعد آپ کا ذہن تصوف کی طرف مائل ہوا۔ آپ جھالاواڑ کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوئے۔اپریل ۱۹۷۱ء میں یومِ نیرنگ کے موقع پر ہوئے مشاعرے میں آپ ضعف بصارت کے باعث شریک نہ ہو سکے۔[۲] ۱۹۷۱ء کے بعد آپ کب تک حیات رہے اور آپ کا وصال کب ہوا اس بابت کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی۔

نمونہ کلام نشتر ؎

زمیں پر ہے جگہ ہم کو نہ گھر بالائے گردوں ہے
ہم اس دنیا میں بستے ہیں مقیم لامکاں ہو کر
کوئی روباہ بازی ہمسے کیا کرتا بھلا نشتر
نیستان سخن میں ہم رہے شیرِ زباں ہو کر

۱۔ راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی۔مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی۔ ۱۹۸۵ء ص۔ ۲۵۲

۲۔ مضمون بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ قسط ۱۲ از مفتوں کوٹوی،مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔اگست ۱۹۷۱ء ص۔۱۶

راجا رانا راجیند ر سنگھ مخمورؔ (سنِ پیدائش ۱۹۰۰ء سنِ وفات ۱۹۴۳ء)

سابق راجپوتانہ کی ریاست جھالا واڑ کے پانچویں حکمراں (۱۹۲۹ء تا ۱۹۴۳ء) مہاراج رانا راجیند ر سنگھ مخمورؔ بھی اپنے والد مہاراج رانا بھوانی سنگھ کی طرح علم دوست، ادب نواز، شاعری کے دلدادہ اور سخنوروں کے گرویدہ تھے۔ آپ کے دوَرِ حکومت میں شاعروں اور کویوں کو اعلیٰ درجات حاصل تھے۔ گویا کہ آپ کو اردو زبان و ادب کی خدمت کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ آپ خود بھی شاعر تھے اور مخمورؔ کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ آپ نے حضرت نیرنگؔ کاکوروی کی شاگردی اختیار کی۔ مہاراجہ موصوف کی علم دوستی کے متعلق جناب ڈاکٹر ابوالفیض عثمانیؔ لکھتے ہیں '' مہاراج رانا بھوانی سنگھ کے بعد ان کے فرزند مہاراج رانا راجندر سنگھ مخمورؔ مسند نشین ہوئے۔ یہ خود شاعر تھے اور اپنے والد کی طرح علم دوست بھی، لہٰذا جو ادبی کام ان کے پدر بزرگوار کے زمانے کے ادھورے رہ گئے تھے ان کو پورا کرانے کی کوشش کی، مثلاً نیرنگؔ کاکوروی کا دیوان طبع کروایا، ''تذکرہ شعرائے جھالاواڑ'' کی ترتیب وتدوین کے لئے کمیٹی مقرر کی۔ ایک بزم سخن بھی ''انجمن راجیند ر'' کے نام سے قائم کی جس کے زیر اہتمام ماہانہ طرحی مشاعرے ہوتے تھے۔ مصرعہ طرح خود مہاراجہ تجویز کرتے تھے اور پابندی کے ساتھ اس میں شریک ہوتے تھے۔ ان کو اس بزم سے اس قدر دلچسپی تھی کہ جب اپنی اہلیہ کے علاج کی غرض سے وہ ولایت گئے تو وہاں سے بھی طرحی غزلیں بھیجتے رہے۔ قدر دانی کا یہ عالم تھا کہ کیفؔ ٹونکی علیل ہو کر اپنے وطن چلے گئے تو وہاں سے علاج کے لئے ان کو جھالاواڑ خود لائے۔'' [1]

مہاراج رانا راجیند ر سنگھ مخمورؔ کی تاریخِ پیدائش ۱۹۰۰ء ہے۔ آپ نے بہت کم عمر پائی محض ۴۳ رسال کی عمر میں اچانک دل کا دورا پڑنے پر ۱۹۴۳ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ [2] آپ کی تعلیم و تربیت میؤ کالج اجمیر اور ایسے ہی اعلیٰ مدارس نیز انگلینڈ میں ہوئی۔ چونکہ جھالاواڑ کی بول چال کی زبان اردو تھی لہٰذا آپ کو اردو بولنے اور لکھنے کا ملکہ تھا۔ اردو شعر گوئی کی طرف آپ کی طبیعت فطری طور پر مائل تھی۔ [3]

---

[1] راجستھان میں اردو زبان ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات، مصنفہ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانیؔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس، دہلی-۶، ۱۹۸۵ء ص-۲۴۵

[2] [illegible]

[3] مضمون ''مخمورؔ'' مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی، غیر مطبوعہ۔ ص-۱۵، ۱۶۔ یہ مضمون شفیقؔ صاحب کی کالی ڈائری میں موجود ہے۔

اردو میں آپ کا ایک دیوان ’’دیوان مخمورؔ‘‘ غیر مطبوعہ ہے جسے آپ کی انتقال کے بعد شفیقؔ صاحب نے مرتب کیا۔ ’’سوانح عمری‘‘ کے نام سے آپ کی سوانح حیات منشی عزیز الرحمٰن عزیزؔ جھالاواڑی نے مرتب کی۔ یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔[۱] مہاراجہ موصوف نے ہندی میں ’’سدھاکر‘‘ کے نام سے کویتائیں لکھیں ہیں جن کے مجموعے بعنوان ’’سدھاکر کاویہ شالہ‘‘ ، ’’شنکر شتک‘‘ ، اور ’’رمدھو بالہ مدھوشالہ‘‘ شائع ہو چکے ہیں۔[۲] جناب مخمورؔ کا اصل رنگ شاعری صوفیانہ، ناصحانہ اور اصلاحانہ ہے۔ آپ کی طبیعت کو وحدانیت اور تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ آپ نے اپنی غزلوں میں متصوفانہ خیالات نظم کئے ہیں۔ متصوفانہ کلام کے اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا میں کیا رکھا ہے کہیں عقبہ کی فکر کر　　مخمورؔ تو بھی اب تو کیا کر خدا کی یاد
حرم نہ دیر کہیں بھی پتہ نہیں ملتا　　خودی مٹائے نہ جب تک خدا نہیں ملتا
نگاہ معرفت ہوتی تو ہم اسکا پتہ پاتے　　وہ ہم سے دور کب تھا پتے پتے میں نمایاں تھا
معجزن عشق حقیقی قلب میں اتنا تو ہو　　ایک قطرہ سے بپا دریا میں طوفاں کیجئے
کر و مخمورؔ قطع تعلق اہلِ دنیا سے　　کہیں یاد خدا میں بیٹھ کر مدہوش ہو جانا

مخمورؔ کی نظر انسانی اقدار پر بڑی گہری تھی لہٰذا آپ کی غزلوں سے نصیحت آمیز اشعار ملاحظہ کیجئے۔

خاک ہو کر فلک پہ پہنچا ہوں　　انکساری کا یہ کمال تو دیکھ
رکھتا ہے بھروسہ تبھی کہتا ہے کوئی　　افشانہ کرو راز کسی کا بھی کسی سے
کس لئے نازاں ہے غافل ایک دم کی بات ہے　　زندگی ایسی ہے جیسے بلبلا کچھ بھی نہیں
احسان کر کے خلق پہ دنیا میں نام کر　　پھر لوٹ کر جہاں میں آیا نہ جائے گا

والیٔ ریاست مخمورؔ کے دل میں حب الوطنی جذبات موجود تھے۔ آپ اپنے وطن کو بہت جلد آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کو اپنی رئیسانہ شان وشوکت برقرار رہنے کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ آپ پہلے رئیس تھے جنہوں نے جنم اشٹمی کی تقریب پر ہریجنوں کو دوارکادھیش مندر میں چڑھا دیا تھا اور لوگوں کی خفگی کی بھی پرواہ نہیں کی تھی اور یہ عہد کیا

---

[۱] مضمون راجندر سنگھ مخمورؔ والیٔ جھالاواڑ کی اردو شاعری، مضمون نگار مفتونؔ کوٹوی، مطبوعہ شانِ ہند دہلی۔ دسمبر ۱۹۷۲ء ص-۲۸

[۲] [illegible]

کہ اگر ہریجن مندر میں نہیں جائیں گے تو وہ بھی مندر میں نہیں جائیں گے اور آپ تاحیات مندر نہیں گئے۔[1] ایسے ہی وطنی جذبات اور ترقی پسند خیالات کا مظہر آپ کی شاعری ہے۔ اور ان کے یہ اشعار اس بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

وطن کی خاک کحلُ الجواہر سے بھی بڑھ کر ہے — ہر ایک ذرہ یہاں کا غیرت خورشید انور ہے

یہی ہے مخمورؔ اب اپنا کہنا نہ دیکھو اب تم پرانا سپنا — سنبھالو اس طرح ملک اپنا کہ اور جیسے سنبھل رہے ہیں

صیاد کا گلشن کنج قفس اک دن ہے وہاں کا ایک برس — یوں رہ کے جئے تو خاک جئے جب اپنا وطن آزاد نہیں

ہو اگر آپس کے جھگڑوں سے یہ ہندوستان صاف — پھر ترقی کے لئے ہو جائے گا میدان صاف

آخر میں مخمورؔ صاحب کا رنگ تغزل دیکھئے ؎

تصور سے رخ روشن کے دل اپنا درخشاں تھا — ہمیشہ چودھویں کا چاند میرے گھر میں مہماں تھا

ایک بار بعد مردم آتے میری لحد پر — گو میں نہیں رہا تھا ارمان تو رہے تھے

تصویر یار آنکھوں میں مخمورؔ کی ہے قید — تار آنسوؤں کا ان کو نہ سمجھو یہ جال ہے

جو آکے گھڑی بھر بیٹھتے، سنتے میری دل کی — یہ کیا آنا ہوا، آنا نہ آنا ان کا یکساں تھا

حسن کی رنگینیوں پر جس کا دل مائل نہیں — وہ حقیقت میں میرے نزدیک اہلِ دل نہیں

چوٹی لپٹ گئی جو زلفوں کے ہار میں — گویا کہ شام پھولی ہے صبح بہار میں

جناب مخمورؔ کے کلام میں زبان کی سادگی اور بیان کی ادائیگی کا خاص انداز موجود ہے۔ جو کہ عام فہم اور شستہ ہے۔ آپ کے جذبات اور افکار میں حقیقت کا رنگ نہاں ہے۔ اگر آپ کا دیوان شائع ہو جاتا تو آپ کے بلند و بالا خیالات سے مزید استفادہ کیا جا سکتا تھا۔

---

[1] مضمون "مخمورؔ" مضمون نگار مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی، غیر مطبوعہ۔ ص-۱۵، ۱۶۔ یہ مضمون شفیقؔ صاحب کی کالی ڈائری میں موجود ہے۔

جلیل خاں جلیلؔ (سنِ پیدائش ۱۹۱۳ء ۔سنِ وفات ۱۹۹۳ء)

جلیلؔ صاحب کے آباؤ اجداد اندر گڑھ، لاکھیری (راجستھان) کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد کا نام احمد خاں تھا۔ جھالا واڑ دربار کے ایماء پر احمد خاں صاحب جھالا واڑ آئے اور یہیں آباد ہو گئے ۔احمد خان صاحب دربار میں خانسامہ کی خدمات انجام دیتے تھے۔جلیلؔ صاحب کی تاریخ پیدائش ۲۱/جون ۱۹۱۳ء اور تاریخ وفات ۲۴/جنوری ۱۹۹۳ء بمقام جھالا واڑ ہے۔[۱]

جلیلؔ صاحب، مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے ہم عصر شعراء اور خاص دوستوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جلیلؔ صاحب نے ابتدا میں اصلاحِ سخن ملک الشعراء مولوی عبدالوحید صاحب نیرنگؔ کاکوری سے حاصل کیا۔اور استاد کے انتقال کے بعد شاعری میں نظرِ ثانی شفیقؔ صاحب سے کروانے لگے۔آپ کو شاعری کا شوق صحبت کے اثر سے پیدا ہو۔اس بابت آپ کے پوتے رئیس احمد رئیسؔ ولد حنیف خان حنیفؔ بیان کرتے ہیں کہ ''دادا صاحب مرحوم (جلیل صاحب) کی جو شاعری ہے وہ دراصل صحبت کا اثر تھا۔مولوی عبدالسلام بیگ صاحب اور حکیم امانت الرحمٰن کی صحبت سے آپ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ چونکہ آپ کے ساتھیوں میں تمام دوست واحباب مزاحیہ مزاج کے حامل تھے لہٰذا آپ کی طرزِ شاعری میں مزاحیہ اور طنزیہ رنگ غالب ہے۔''[۲]

جلیلؔ صاحب جھالا واڑ اور اس کے دُور- دُور کے علاقوں میں خان صاحب کے لقب سے مشہور تھے اور اپنے دوست احباب میں جلو شکاری کے نام سے پکارے جاتے تھے۔کیوں کہ آپ کو شکار کا بے انتہا شوق تھا۔شکار کی وجہ سے دو مرتبہ سروس لگی۔ایک بار واٹر ورکس میں اور دوسری بار پولیس محکمے میں۔لیکن شکار کے شوق کی وجہ سے آپ نے دونوں نوکریاں چھوڑ دیں۔آپ کا ذریعہ معاش بھی یہی تھا۔[۳]

جلیلؔ صاحب کی شخصیت میں مزاحیہ انداز غالب تھا جو کہ آپ کی شاعری سے خود بخود ظاہر ہے۔آپ نے مزاح کے ساتھ اکثر مقامات پر طنزیہ انداز بھی اختیار کر لیا ہے۔زبان بہت سادہ اور سلیس ہے آپ اپنے خیالات کا اظہار بڑی بڑی سادگی سے کرتے ہیں۔جلیلؔ صاحب نے شاعری کی متعدد اصناف پر طبع آزمائی کی ہے مثلاً غزل،

۱،۲،۳ جلیل خاں جلیلؔ کے پوتے جناب رئیس احمد قادری صاحب سے دورانِ انٹرویو دریافت ہوا۔مورخہ ۱۷/اپریل ۲۰۱۳ء

نعت، منقبت، قطعہ، رباعی، نظم، قطعہ اور چار بیت۔ مفتوںؔ کوٹوی صاحب نے آپ کی شعری وذاتی صفات کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے ''مزاح نگار شاعر ہیں۔ کلام میں سیر وشکار کا رنگ مخصوص ہے۔ تحت اللفظ بڑے جوش وخروش سے پڑھتے ہیں۔ اپنی غزل سناتے جاتے ہیں اور محفل کو ہنساتے جاتے ہیں'' ۱؎ بقول راحتؔ صاحب ''جلیلؔ محفلوں کی زینت اور ہنسی کا گول گپہ تھے۔ اگر کوئی روتا ہوا آتا تو ہنستا ہوا ان سے رخصت ہوتا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس میں خوش رہ کر دوسروں کو خوش رکھنے اور خوش دیکھنے کے متمنی نہ ہو۔۔۔ آپ کے شکاری مضامین (نظم ونثر) ملاپ، ہندسندیش، شکریہ، شانِ ہند، فلم سنسار کی زینت بنتے رہے۔ بوڑھے ہونے کے باوجود خود کو جوان کہنے اور کہلوانے کے متمنی جلیلؔ کا موضوع سخن شکار ہی تھا۔ بلاشبہ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ مشاعروں میں بڑے زور و شور سے تحت اللفظ پڑھتے تھے۔ ۲؎

جلیلؔ کی کوئی بھی غزل تب تک مکمل نہیں ہوتی تھی جب تک کہ اس میں سیر وشکار کی کوئی بات یا کوئی واقعہ بیان نہ کر دیں۔ جلیلؔ صاحب کے دولت خانے پر سال میں دو مرتبہ مشاعرے منعقد کئے جاتے تھے۔ مشاعروں میں لوگ جلیلؔ صاحب کا انتظار کیا کرتے تھے۔ بڑے چاؤ سے لوگ آپ کو سنتے تھے۔ آپ اپنے دوست واحباب کے متعلق ہی کچھ لکھکر مشاعرں میں سنا دیا کرتے تھے۔ انہیں چھیڑتے تھے کہ وہ بھی اس دوران بولیں۔ ایک بار آپ نے کہا تھا ؎

جو فضائل ہر جگہ میلاد کے پڑھتا پھرے
یہ خدا جانے کہ وہ خود کیوں نہیں پڑھوائے ہے

یہ سن کر جس شخص کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ بھڑک گئے اور کہنے لگے کہ لوگوں کو ہنسانے کے لئے ہر کچھ لکھ لاتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ ہم میلاد شریف نہیں پڑھواتے۔ ۳؎ اور جب ضعیفی کی وجہ سے کمزوری آگئی تو لکھتے ہیں ؎

نزاکت آگئی ہے کچھ ضعیفی کی بدولت بھی
اٹھا کر ران تیتر کی بھی اب لائی نہیں جاتی

۱؎ مضمون ''بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت شاعرہ ''یوم نیرنگ'' از مفتوں کوٹوی، رہنمائے تعلیم دہلی اکتوبر ۱۹۷۲ء قسط دوم، ص ۱۴

۲؎ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر، مضمون نگار راحتؔ گوالیاری مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔ فروری ۱۹۷۳ء ص-۲۰

۳؎ جلیل خاں جلیلؔ کے پوتے جناب رئیس احمد قادری صاحب سے دورانِ انٹرویو دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۷/اپریل ۲۰۱۳ء

جلیل صاحب کی شخصیت کے اہم پہلوں سے روشناس ہونے کے بعد آپ کے کلام کی جانب رخ کرتے ہیں اور کچھ چنندہ غزلوں سے چند اشعار یہاں درج کرتی ہوں تاکہ آپ کے مزاحیہ انداز سخن اور صاف گوئی سے آپ اور ہم متعارف ہوسکیں۔

انسان ہے کہ ہے یہ تماشا جلیل خاں — کیا خوب مارتا ہے نشانہ جلیل خاں
کیا پوچھتے ہو تم کہ شکاری کو کیا ملا — دولت ملی جہاں کی اگر روجڑا ملا
ازل سے کر دیا پابند حق نے دونوں کو — فنا بقا کے لئے ہے بقا فنا کے لئے
ہے بھروسہ مجھے فرمائے گا مجھ پر وہ کرم — مردِ صابر کو تو انعام بہت ملتے ہیں
صحن چمن کے پھول بھی عاشق مزاج ہیں — چہرے سے یہ نقاب اٹھایا نہ کیجئے
دانا ہے کہ گلشن کو بھی برباد کرے ہے — دیوانہ تو صحرا کو بھی آباد کرے ہے
محفل میلاد میں جانے سے جو کترائے ہے — دونوں عالم میں وہ اپنی کرکری کروائے ہے
جس قدر میلاد خواں کو دو، ملے اتنا ثواب — بات ایسی ہر جگہ میلاد خواں بتلائے ہے
میں کچھ بھی صحیح لیکن اتنی تو گرائی نا — اوروں سے غزل لے کے اپنی تو بنائی نا
قاضی کو بڑھاپے میں پیدل ہی چلاتے ہیں — عیدین میں جانے کو گاڑی بھی منگائی نا

جھالاواڑ کے ادبی رحجان کے مطابق آپ کا ذہن نعت اور منقبت نگاری کی طرف بھی مائل تھا۔نعت اور منقبت کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ہر شعر سے ٹپکے میرے وہ شانِ محمدؐ — محفل میں کہیں سب مجھے حسانِ محمدؐ
ہے پرندوں کے دلوں میں انکا کیسا احترام — روضہ سے بچ بچ کے اڑتے ہیں کبوتر آج بھی
باب جنت خود کھلا تعظیم کو رضواں جھکے — نعت پاک مصطفیٰؐ یہ مرتبہ دلوائے ہے
جس جلوہ کی موسیٰؑ کو رہی دل میں تمنّا — حضرت کو وہ جلوہ نظر آیا شبِ معراج
آخر تو مسلماں بھی ہوں بیمار نبیؐ بھی — آتا ہے مزہ کرتا ہوں جب ہائے محمدؐ
سکون ہے اس جہاں سے دامن دل کو بچانے میں — حیات جاودانی ہے خدا سے دل لگانے میں

جلیلؔ اک بلبل نغمہ سرائے غوثِ اعظم کا　　بہاریں اس لئے رہتی ہیں اس کے آشیانے میں
کیا دستگیری کی میرے پیرانِ پیر نے　　مشکل میں جب پکارا کسی راہ گیر نے
دیارِ ہند میں تم ہو بڑے غریب نواز　　مراد میری بھی پوری کرو غریب نواز

منشی ظہور الدین ظہورؔ　(سنِ پیدائش ۱۹۱۸ء　سنِ وفات ۱۹۹۸ء)

منشی ظہور الدین ظہورؔ کی پیدائش جھالا واڑ میں تقریباً ۱۹۱۸ء میں ہوئی [۱] آپ نہایت باوضع اور ملنسار انسان تھے۔ دکھ درد میں دوسروں کے ہمیشہ کام آتے تھے۔ آپ اردو اور ہندی کی تعلیم کے حصول کے بعد کچھ عرصہ ریاست جھالا واڑ کے محکمۂ پولیس میں رہے پھر جھالا واڑ کلیکٹری میں سررشتہ دار ہو گئے اور وقت سے پہلے ہی رٹائر مینٹ لے کر پینشن یاب ہوئے [۲] ۱۰/مئی ۱۹۹۸ء کو جھالا واڑ میں ہی آپ کی وفات ہوئی [۳]

ابتداء میں ظہورؔ صاحب حضرت نیرنگؔ کا کوروی کے شاگرد ہوئے آپ ہی سے اردو عربی کی تعلیم حاصل کی اور مشورۂ سخن بھی کیا۔ نیرنگؔ صاحب کے انتقال کے بعد شفیقؔ صاحب کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آپ شفیقؔ صاحب کے خاص دوست بھی تھے یا یوں کہیئے کہ آپ دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔ حالانکہ آپ شفیقؔ صاحب سے چھوٹے تھے لیکن آپ دونوں کی طبیعت آپس میں بہت ملتی تھی۔ آپ دونوں میں غضب کی محبت وخلوص تھا۔ آپ دونوں کے مکان بھی آمنے سامنے تھے۔ مشاعروں، ادبی نشستوں یہاں تک کہ ہاٹ بازار میں بھی آپ دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھا جا سکتا تھا۔ شفیقؔ صاحب کو کوئی بھی کام ہوتا مثلاً چندے کی لسٹ بنانی ہے یا کسی پروگرام کی فہرست تیار کرنی ہے تو آپ ظہورؔ صاحب سے ہی کہتے ''ارے یار ظہور یہ لسٹ بنا دے، یہ لکھ دے یار'' آپ دونوں میں دلی محبت بہت زیادہ تھی۔ [۴]

---

[۱] راجستھان کے موجودہ اردو شاعر مصنفہ پریم شنکر شریواستو مطبوعہ ۱۹۶۶ء ص-۴۳۶ میں آپ کی عمر ۴۸ رسال لکھی گئی ہے اس کے مطابق آپ کا سنِ پیدائش ۱۹۱۸ء نکلتا ہے۔

[۲] راجستھان کے موجودہ اردو شاعر مصنفہ پریم شنکر شریواستو مطبوعہ ۱۹۶۶ء راجستھان ساہتیہ اکیڈمی ادے پور، ص-۴۳۶

[۳] ایڈوکیٹ محمد عارف منشی ظہور الدین ظہور کے نواسے) سے دریافت ہوا مورخہ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء

[۴] مولانا عبدالوحید خیاطؔ سے ملاقات کے دوران معلوم ہوا۔ مورخہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۲ء رکارڈیڈ

ظہورؔ صاحب نے ہر موضوعِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ کہنہ مشقوں میں آپ کا شمار کیا جاتا تھا۔[1] بقول مولوی اسحٰق صاحب سیکریٹری بزم نیرنگ "آپ کہنہ مشق شاعر ہیں اور اس وقت وہی کہنہ مشقی کام دے رہی ہے۔"[2] آپ کے کلام میں نعتیہ اور بہاریہ دونوں طرح کے اشعار ملتے ہیں آپنے اپنے مشاہدات اور احساسات کی بناء پر شعر قلم بند کئے ہیں۔ آپ کی غزلوں سے چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتی ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

ہو نہ مغرور کوئی ظلم کا ڈھانے والا — ہے بڑا مارنے والے سے بچانے والا
آج کے دوَر میں ہوشیار وہی ہے انساں — جھوٹ سچ باتیں جو ہو خوب ملانے والا
حاکم وہی ہے قابل تعریف دہر میں — جسکو یہ ہو خیال کسی کا برا نہ ہو
کہتے تھے محمدؐ سے جو ابرار دو عالم — اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج
جائے نہ ظہورؔ اپنا جہاں وہم وگماں بھی — حضرت کو وہاں حق نے بلایا شب معراج
مٹے آخر کو سب دنیا میں جتنے نامور گزرے — نہ اترائے کوئی انسان اپنی شان وشوکت پر
ہر حال میں شاکر ہوں مصیبت ہو کہ راحت — شکوہ نہ شکایت ہے نہ فریاد کسی کی
یہ انقلاب دہر ہے اس کا خیال کیا — یکساں نہیں رہا ہے زمانہ کسی کے ساتھ
بڑے معصوم آئے تھے وہاں سے — چلے بار گنہ لے کر یہاں سے
ہم نے ناحق اپنے ہاتھوں کو گھِسا — کیا مٹا تقدیر کا لکھا ہوا
مفلسی آتے ہی تم دیکھو — ہر عزیز اپنا پرایا سا ہوا
اے ظہورؔ اب سیر کو جائیں کہاں — باغِ عالم خوب ہے دیکھا ہوا
اپنے دل میں وہ مجھے کیوں نہیں کرتے ہیں تلاش — جستجو تیری جو کرتے ہیں بیابانوں میں
وہ مہذب گنے جاتے ہیں زمانے میں ظہورؔ — میل جو ہونے نہیں دیتے ہیں انسانوں میں

---

[1] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر قسط-۲، مضمون نگار راحتؔ گوالیاری، مطبوعہ- رہنمائے تعلیم دہلی فروری ۱۹۳۷ء ص-۱۸

[2] راجستھان کی ادبی فضاؤں کی سیر: بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ، مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی قسط دوم، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی، اکتوبر ۱۹۴۷ء ص-۱۵

غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی (سنِ پیدائش ۱۹۱۸ء ۔سنِ وفات ۱۹۸۰ء)

آپ کا نام غلام معین الدین تھا۔ یہ ایک تاریخی نام تھا جس سے آپ کا سنِ پیدائش ۱۳۳۶ھ ہجری نکلتا ہے۔ ۱؎ بمطابق عیسوی سن آپ کی تاریخ پیدائش ۶ رفروری ۱۹۱۸ء اور تاریخ رحلت یکم ستمبر ۱۹۸۰ء بمقام کوٹہ ہے ۔۲؎ آپ کے والد ماجد کا نام منشی رحیم بخش تھا۔ابتداً آپ کا تخلص غلامؔ،احقرؔ اور مجنوںؔ رہا پھر اپنے استاد ثابتؔ لکھنوی کے مشورے پر مفتوںؔ کرلیا۔ ۳؎

آپ نے اردو،عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے اور ملا گھاسی خاں صاحب کے مکتب میں حاصل کی ۔ پھر ۱۹۳۰ء میں والد صاحب کے انتقال کے بعد فارسی مولوی حسین علی صاحب اور عربی پروفیسر محمد علی مرحوم سے پڑھی۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈوژن میں پاس کیا۔آپ نے ۱۹۵۲ء میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر اور ۱۹۵۳ء میں ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔آپ سرکاری ملازمت سے منسلک تھے۔ ۴؎

مفتوںؔ کوٹوی ملازمت کے سلسلے میں کئی مقامات پر بتدیل ہوکر گئے۔آپ تقریباً چھ سال تک (۱۹۶۷تا ۱۹۷۳) جھالاواڑ میں مقیم رہے۔ ۵؎ اور یہاں کی ادبی محفلوں اور مشاعروں کو رونق بخشتے رہے۔ شفیقؔ صاحب نے آپ سے ہوئی پہلی ملاقات کے تاثرات ایک بیاض میں تحریر کئے ہیں اور آپ کی قلمی تصویر بھی پیش کی ہے۔ لیکن افسوس یہ مضمون مکمل نہ ہوسکا۔ بقول راحتؔ گوالیاری:''مفتوںؔ صاحب کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ادبی حلقہ موصوف کی خدمات کا متعرف ہی نہیں دل سے شیدا بھی ہے اہلِ جھالاواڑ سے موصوف ایسے گھل مل گئے تھے کہ اجنبی کہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ آپ بلند پایہ شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ بلند اخلاق

۱؎ ، ۴؎ ''مفتوںؔ کوٹوی کی کہانی خود انکی زبانی''،مضمون نگار:مفتوں کوٹوی ،مطبوعہ:شانِ ہند ،دہلی،جولائی ۱۹۵۷ء ص-۸۴

۲؎ ہاڑوتی کے اردو شاعر مرتبہ راحتؔ گوالیاری،مطبوعہ سودیسی آفسیٹ خیرادی واڑہ ادے پور، ۲۰۰۲ء ص-۱۷

۳؎ اپنی کہانی اپنی زبانی (ایک مکتوب) ازمفتوںؔ کوٹوی ۔ غیر مطبوعہ،(''لطافتیں''۱۹۶۹ء کی نثری نگارشات کا مجموعہ میں شامل)

۵؎ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر۔مضمون نگار راحتؔ گوالیاری ۔مطبوعہ رہنمائے تعلیم،فروری ۱۹۷۳ء قسط دوم ص-۳۸، ص-۲۱

اور بلند کردار کے مالک بھی ہیں۔ ملازمت کے سلسلے میں جہاں جہاں رہے وہاں کے عوام آج بھی آپ کا ذکر بڑے احترام سے کرتے ہیں۔'' [1]

مفتوںؔ صاحب کو بچپن سے ہی شعر و شاعری کا ذوق و شوق رہا لیکن شاعری کی باقاعدہ ابتداء ۱۹۳۲ء سے ہوئی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ ثابتؔ لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ بعد انتقال استاد آپ علامہ سیمابؔ اکبرآبادی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ ابتدا میں غزل گوئی کی طرف طبیعت مائل رہی پھر ۱۹۴۱ء میں نظم گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ کوٹہ میں کئی بزموں اور مشاعروں کے سیکریٹری بھی رہے۔ [2] مشاعروں میں آپ تحتیہ انداز میں ہی اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ آپ کا شعری مجموعہ ''ماہِ نو'' اور نثری مضامین کا مجموعہ ''نقوش'' شائع ہو چکا ہے۔ علاوہ ان کے کئی شعری اور نثری نگارشات کے مجموعہ غیر مطبوعہ آپ کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔

نمونۂ کلام مفتوںؔ کوٹوی صاحب:

یہ اور بات ہم نہ سمجھ پائیں وقت پر
ہر کام مصلحت کا ہے اس کارساز کا

اک ہچکی آئی آخری، بند آنکھ ہو گئی
کیا مختصر ہے خاتمہ عمر دراز کا

اس کی تلاش و جستجو کون کرے؟ کہاں کرے
ذہنِ بشر میں جو رہے، فہمِ بشر سے دور دور

وہ مفتوںؔ چل دیا اپنے ہی دشتِ بے تکلف میں
نہ پابندی ہوئی برداشت آدابِ گلستاں کی

لئے پھرتے ہیں اب خون دو عالم اپنی گردن پر
وہ اک دھبہ بھی جو لگنے نہیں دیتے تھے دامن پر

---

[1] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر۔ مضمون نگار راحت گوالیاری۔ مطبوعہ رہنمائے تعلیم، فروری ۱۹۷۳ء قسط دوم ص-۳۸/ ص-۲۱

[2] اپنی کہانی اپنی زبانی (ایک مکتوب) از مفتوں کوٹوی۔ غیر مطبوعہ، (''لطافتیں''، ۱۹۶۹ء کی نثری نگارشات کا مجموعہ میں شامل)

ہو کے مسحور کھڑے ہو گئے سننے والے
لے کے ہم ذکر تیرا جب بھی کہیں بیٹھے ہیں

دعویٰ اس شان سے کرتا ہے ڈبو دینے کا
ناخدا میرے سفینے کا خدا ہو جیسے

اہلِ ظاہر کو کیا خبر مفتوںؔ
دل سے دل کی بھی بات ہوتی ہے

کمل شبنمؔ کپور (سنِ پیدائش ۱۹۴۲ء۔ سنِ وفات ۲۰۱۰ء)

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے ہم عصر شعراء میں محترمہ کمل شبنمؔ کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ بنیادی طور پر ترقی پسند شاعرہ تھیں۔ آپ ۸/ جون ۱۹۴۲ء میں قصبہ کلنگ پونگ ضلع دارجلنگ، ہماچل پردیش میں بنگالی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ جب آپ محض ڈیڑھ برس کی تھیں، آپکے والد جناب بنسی ناتھ چٹرجی تحریکِ آزادی میں کام آگئے۔ آپ کی والدہ محترمہ لکشمی دیوی نے آپ کی تعلیم اور پرورش کی ذمہ داری نبھائی۔ آپ کی تعلیم ناگپور اور مہاراشٹر کے کونوینٹ اسکولوں میں ہوئی۔ آپ کی شادی ۱۳/ سال کی عمر میں جناب مدن لال کپور سے ہوئی۔ آپ نے جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، کامل کیا۔[1] آپ کے اردو کے استاد شاعر بھی تھے جن کی وجہ سے آپ شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئیں آپ نے باقاعدہ کرشن بہاری نورؔ سے فن شاعری کے نکات سیکھے۔[2]

محترمہ شبنمؔ نے زندگی کے سرد و گرم حالات میں صبر و قناعت سے کام لیا۔ متعدد مقامات کے سفر کرنے کے بعد آپ ۱۹۷۶ء میں جھالاواڑ آئیں اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہاں محکمۂ تعلیم میں اردو ٹیچر کے طور پر آپ کا تقرر رہا۔ مئی ۲۰۰۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئی اور ۲۰/ مئی ۲۰۱۰ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے پس ماندگان میں تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی شامل ہیں۔ جن کے نام ہیں: رنجیت کپور، انو کپور، نکھِل کپور

---

[1] شعری مجموعہ ''بند دروازوں پر دستک''، شاعرہ کمل شبنمؔ کپور مطبوعہ ایکسل پرنٹرز نئی دہلی ۲۰۰۵ء پس پشت۔

[2] تحقیقی مقالہ ''کمل شبنمؔ: حیات اور شعری خدمات'' پیش کردہ ناز پروین برائے ایم۔ فل ۲۰۰۹ء یونیورسٹی آف کوٹہ، کوٹہ، ص۔ ۸

اورسیما کپور(داماد جناب اوم پوری) آپ کے خاندان کے سبھی افراد فلمی دنیا سے وابستہ ہیں۔ ۱؎

جھالاواڑ کی ادبی فضا آپ کے شعری ذوق کی ترقی میں مددگار ثابت ہوئی۔آپ بہت نازک مزاج اور حساس طبیعت شاعرہ تھیں۔آپ نے اپنے آس پاس جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسے ہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ۲؎ آپ نے غزل، نظم، قطعہ، رباعی، گیت کے علاوہ بھجن بھی لکھے ہیں۔آپ کا شعری مجموعہ ''بند دروازوں پر دستک'' ۲۰۰۵ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ ۳؎ آپ نے ناٹک اور کہانیاں بھی تحریر کی ہیں۔ ۴؎

آپ حقیقت نگار شاعرہ تھیں۔آپ کے مطابق شاعری وہی ہے جو زندگی کے تقاضوں کو پورا کرے، جو مشکلات زمانہ سے جوجھنے میں مددگار ثابت ہو۔ ۵؎ آپ حقائقِ زمانہ سے روشناس کرانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔لکھتی ہیں ؎

ہمارے دوٗر کے کیا کیا ہیں چشم دید گواہ!
دہکتی آگ، دھواں، شر فساد چیخ و کراہ

دھیرے دھیرے پھیلتا جاتا ہے نفرت کا دھواں
دیکھ پھر جھلسیں گے رشتوں کے بدن کہنا اُسے

آپ کی غزلوں میں معمولی اور سطحی باتوں کا دخل نہیں ہے۔ان میں تخیل کی گہرائی اور فلسفہ ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

زندہ رہنے کے اصول اپنی جگہ شبنم درست — رہیں کس طرح زندہ یہ مسئلہ اپنی جگہ
چلے تھے گاؤں سے تو کچھ نشانیاں رکھ لیں — بڑے جتن سے کتابوں میں تتلیاں رکھ لیں
اب تو اتنا بھی نہیں ہے یاد، دردِ عشق میں — بات پہنچی تھی کہاں اور ہم کہاں چپ ہوگئے
ہر شخص گرفتارِ آئینہ ہے اے شبنم — پرچھائی بھی انساں کی آئینہ نما ہوگی
کیا سمجھ پائیں گے شبنم سب ہیں پتھر کے وجود — زندگی بھر دوٗڑنے کی ہے تھکن کہنا اسے

۱؎، ۲؎، ۴؎ محترمہ کمل شبنم کپور کے صاحبزادے جناب نکھل کپور سے دریافت ہوا۔آپ جھالاواڑ میں ہی مقیم ہیں۔مورخہ ۱۱ رجنوری ۲۰۱۴ء

۳؎، ۵؎ شعری مجموعہ ''بند دروازوں پر دستک''، شاعرہ کمل شبنم کپور مطبوعہ ایکسل پرنٹرز نئی دہلی ۲۰۰۵ء سرِ ورق پس پشت۔

آپ کی فکر انگریزی اور بلندئ خیال نے غزلوں میں سماج کی سچی تصویریں پیش کی ہیں۔ کہتی ہیں ؎

ہر بات میں سودے کا جتن دیکھ رہے ہیں ہم اپنے زمانہ کا چلن دیکھ رہے ہیں

دیوانہ ہو، فقیر ہو، سادھو ہو سنت ہو ہر شخص اپنے آپ سے بھاگا دکھائی دے

ہمارے پاس ہیں خوابوں کے آئینے شبنم یہ پتھروں کا زمانہ ہے دیکھئے کیا ہو

محترمہ شبنم نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھیں ہیں۔ آپ کی اہم نظمیں ہیں: تو اور بس تو، آمد ورفت، بنجارہ، ہاٹ، اندھیروں سے تخاطب وغیرہ۔ نظم ''ہاٹ'' میں کمل شبنم نے جھالاواڑ کے ہاٹ بازار کا نقشہ بڑی خوبصورتی سے کاغذ پر اتارا ہے جسے پڑھ کر نظیر اکبر آبادی کی نظموں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ نظم کے چند اشعار دیکھئے ؎

آج گرووار ہے اور آج ہے ہاٹ کا دن گھما گھمی میں گزر جائے کب ہاٹ کا دن

صبح سے لوگ چلے آتے ہیں سامان لئے بیل گاڑی پہ کوئی ٹھیلے پہ دکان لئے

لال مرچوں کا ہے تنبو تو کہیں دھنئے کا سونف بھی تو لتا بیٹھا ہے پسر بنئے کا

دنت منجن کا کوئی مائک پر کر کے اعلان فلمی گانوں سے اٹھاتا ہے بھیانک طوفان

آپ نے نظم ''آمد ورفت'' میں بیتے سال کا تذکرہ اور نئے سال ۲۰۰۱ء کا پر جوش لہجے میں استقبال کیا ہے۔ لکھتی ہیں ؎

نئی صبح ہے نئی روشنی اجالے نئے لکھے گی تازہ قلم زندگی کی معنی نئے

نئے سرے سے ہوں انسانیت کی تشکیلیں نئے رنگوں سے سجیں گی تمام تصویریں

نہ مانگ اجڑ یگی کوئی نہ ٹوٹا دل ہوگا نہ وحشتیں ہی رہیں گی نہ کارگل ہوگا

محترمہ شبنم کی شاعری میں انسانی نفسیات، انسانیت اور سماجی اقدار کی پامالی کا تذکرہ بہت سلیس زبان میں اور سادگی سے بیان ہوا ہے۔ آپ کو شاعری وراثت میں نہیں ملی اور نہ ہی آپ اردو زبان وادب سے واقف تھیں۔ آپ نے جو کچھ سیکھا اپنی صلاحیت اور قابلیت سے سیکھا اور سوسائٹی میں نام ومقام حاصل کیا۔

عشرتؔ حسین عشرتؔ دھولپوری :-

جناب عشرت دھولپوری کا شمار راجستھان کے بہترین نظم گوشعراء میں کیا جاتا ہے۔آپ نے غزلیں بھی کثرت سے لکھی ہیں۔آپ رسائل وجرائد میں چھپنے کی طرف متوجہ نہ تھے لہٰذا رسائل وجرائد کے مدیران کے بہت اسرار پر بھی آپ اپنا کلام نہیں بھیجتے تھے۔اس کے برخلاف آپ مشاعروں کے بہت شائق تھے۔دور دور کے مشاعروں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔آپ سرکاری ملازمت میں تھے لہٰذا آپ کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ آپ ۷۳-۱۹۷۲ء میں میونیسپل بوڑ میں ایگزیکٹو آفسر کے عہدہ پر تبدیل ہوکر جھالاواڑ آئے تھے۔[۱]

آپ کی شخصیت اور کلام کی خصوصیت کے بارے میں جناب راحتؔ گوالیاری لکھتے ہیں ''عشرتؔ صاحب جھالاواڑ آکر یہاں کے ادبی ماحول میں رچ بس گئے ہیں۔نہایت مخلص انسان ہیں۔غزل اور نظم پر یکساں قدرت حاصل ہے۔آپ کو الفاظ کے برتنے،بندش الفاظ، زبان وبیان پر ملکہ حاصل ہے۔آپ کے کلام میں جدید رجحانات کی آمیزش ہے لیکن باسلیقہ جدت ہیت شعری کو برقرار رکھتے ہوئے۔ آج کل کی بے سر پیر کی شاعری سے آپ خود ہی نالاں ہیں۔''[۲]

مختلف موضوعات پر آپ کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:-

گھر کو نفرت کی سیہ دھوپ سے محفوظ رکھو
یہ بھی کم بخت درو بام جلا دیتی ہے

اب اتاریں گے وہی ظلم کے چہرے سے نقاب
سنگ وآہن سے جو شیشوں کو جلا دیتے ہیں

ساتھیوں! دور افق سے نہ ہٹانا نظریں
آمدِ صبح جہاں تاب اچانک ہوگی

بے گناہوں کا لہو ہو کہ رگ گل کا عرق
دستِ گلچیں میں نہ قاتل کی نگاہوں میں چھپا

وقت کے سینے پہ کھنچ جاتی ہے خنجر کی لکیر
شدت غم میں جو شاعر کا قلم اٹھا ہے

بے گناہی میری زنداں میں بھی جاکر نہ چھپی
چُپ رہائیں تو مرے طوق سلاسل بولے

تیرے چھپنے سے چھپا نہ حال تیری یکتائی کا
تیرا پردہ ہی سبب ہے تیری رسوائی کا

---

[۱]، [۲] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر،مضمون نگار راحتؔ گوالیاری قسط دوم مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی فروری ۱۹۷۳ء ۔ ص-۲۱

عشرتؔ صاحب کی نظم ''میری شریک محن'' کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں ؎

تمہاری جلوہ گہہ ناز کا حسیں عالم میرے خیال کی دنیا پہ چھائے جاتا ہے
تمہارے ہجر نے جو دفعتاً بجھا دی تھیں تمہارا قرب وہ شمعیں جلائے جاتا ہے
تمہاری زلف کو چھو کر ہوا کا ہر جھونکا دل و دماغ میں کلیاں کھلائے جاتا ہے
دمک رہے ہیں شبستاں مہک رہے ہیں چمن اے مرے شریک محن اے مری شریک محن

صاحبزادہ محبت علی خاں محبتؔ ٹونکی :-

محبتؔ ٹونکی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جھالاواڑ آکر بس گئے تھے اور مقامی شمار کئے جانے لگے تھے۔ آپ ٹونک کے رہنے والے تھے آپ کا نسبی سلسلہ والیانِ ریاست ٹونک سے ملتا ہے ۔اصلاح سخن جناب ساحلؔ ٹونکی سے حاصل تھا جو کہ سیمابؔ اکبرآبادی کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔آپ بہت مخلص اور شریف انسان تھے۔ آپ بہت عمدہ شاعر تھے اور پرانے کہنے والے تھے۔اردو، فارسی پر دسترس حاصل تھی۔ [1]

مفتونؔ صاحب نے محبت ٹونکی کے متعلق اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ''آپ کے کلام میں معنویت ہے اچھے اشعار نکالتے ہیں۔حسب تعاون جناب اسحاقؔ سکریٹری بزم نیرنگ جیسی جسارت ہے ویسی ہی شاعری میں شاعرانہ نزاکت ہے'' [2] آپ نے جھالاواڑ کے اکثر مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ ۸ راپریل ۱۹۷۱ء میں بزم نیرنگ کے تحت ہوئے مشاعرے میں نیرنگؔ صاحب کے مصرعے پر آپ کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

مصرعہ نیرنگ مرحوم ؎ جگر خدا نے دیا ہے تو بے دلی کیسی

---

[1] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری قسط اوّل، قسط دوم مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی فروری ۱۹۷۳ء، ص-۲۲

[2] مضمون ''بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یومِ نیرنگ''،مضمون نگار مفتونؔ کوٹوی،مطبوعہ رہنمائے تعلیم،دہلی اکتوبر ۱۹۷۴ء قسط دوم۔ص-۱۵

ہوا درد سے دل آشنا، ہنسی کیسی پڑا ہے واسطہ غم سے تو پھر خوشی کیسی

نفس نفس ہے اجل کا پیام مرے لئے تیرے بغیر جو گزرے وہ زندگی کیسی

خیال یار میں ڈوبا ہوا ہوں ہر دم

ہو ذکر و فکر سے خالی وہ بندگی کیسی

محبتؔ ٹونکی صاحب کی غزلوں سے متفرق مضمون کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ہمارے دل سے کوئی پوچھے راز گلشن کا فریب خوردۂ رنگ بہار ہیں ہم لوگ

بربادیوں پہ شکوہ بلب بھی نہ ہو سکے مجبور ایسے ہو گئے اپنی وفا سے ہم

یہی کہہ دیجئے کہ ملنا مجھے منظور نہیں عذر کی شکل میں تقریر نہیں مانگی ہے

وہ سامنے رہ کر بھی ہیں دور بہت مجھ سے اُف عالم مجبوری اُف عالم تنہائی

یہ کیا طرز عمل ہے اس سے کیا منشا ہے قدرت کا بشر لیتا ہے دلچسپی بشر کا خوں بہانے میں

زباں پر لانا حرف آرزو توہین الفت ہے ہوئے اس راز سے واقف کہاں اب تک زباں والے

نہیں ہے آج تنظیم گلستاں ان کے ہاتھوں میں بڑی حسرت سے تکتے ہیں چمن کو آشیاں والے

یہ حسرت رہ گئی وہ آرزوئے دل نہیں سمجھا مرے ذوق شہادت کو مرا قاتل نہیں سمجھا

منشی معزالدین صاحب شائقؔ جھالاواڑی:-

آپ حضرت نیرنگؔ کاکوروی کے شاگرد اور مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے ہم عصر شاعر تھے چونکہ راجرانا بھوانی سنگھ شاعری کو زندگی کے قریب اور زندگی کے لئے مفید بنانے کے حامی تھے۔ لہٰذا آپ کی ہدایت پر منشی شمبھو دیال دانشؔ نے اپنی نظموں کو اصلاحی اور اخلاقی رنگ عطا کیا۔ غزلوں میں اصلاحی رنگ جناب شائقؔ جھالاواڑی کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔[1] شائقؔ جھالاواڑی کی غزلوں سے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں ؎

[1] مضمون ''بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ''، مضمون نگار مفتونؔ کوٹوی، مطبوعہ رہنمائے تعلیم، دہلی اکتوبر ۱۹۷۴ء قسط دوم۔ ص۔۱۳

وہ لکھو جو شاعری ہو کام کی چھوڑ دو باتیں گل وگلفام کی
وقت ضائع کر چکے آغاز میں اب تو کچھ سوچو ذرا انجام کی
ترقی جس قدر ممکن ہو کیجئے ایجوکیشن میں کہ جس سے خود بخود ہو جائیگی اصلاح نیشن میں
جنہیں کچھ حس نہیں ہے گردش دوراں کا اے شائقؔ انہیں کہد و کریں آرام جا کے گنج مدفن میں

منشی سکندر خاں آثرؔ:۔

آپ شفیقؔ صاحب کے معاصر شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کاکوروی کے تلامذہ میں آثرؔ کا نام بھی قابلِ غور ہے۔[۱] آپ ۱۹۸۴ء تک پینشن پاتے رہے اس کے بعد آپ کب تک حیات رہے، دریافت نہ ہوسکا۔ [۲]

نمونۂ کلام آثرؔ ؎

شاہ قربان علی کی وہ ضیا چھائی ہے راجگڑھ پر کوئی مفتوں کوئی شیدائی ہے
ایسی بھی کوئی شب نہ ہوئی اور نہ ہوگی تھی نام خدا وہ شب یکتا شب معراج
یہ مرتبۂ خاص محمدؐ کے لئے تھا کونین کا مختار بنایا شب معراج
سو جان سے آثرؔ ان پہ تصدق کہ جنہوں نے ہر سختی سے امّت کو بچایا شب معراج

شفیقؔ صاحب کے ہم عصر شعراء میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے حالات باوجود تلاش وتحقیق کے معلوم نہ ہو سکے اور ان کا کلام بھی دو چار اشعار کا ہی دستیاب ہوسکا ہے وہ اس طرح ہے :

قاضی احمد خاں بیدلؔ اہل کار سِول جج جھالراپاٹن [۳]، کا نمونہ کلام ؎

اللہ رے خوشی عرش پہ اک دھوم مچی تھی دن عید کا حوروں نے منایا شبِ معراج
بیدلؔ یہ کرم ہو تیرے اس دوست کا صدقہ کی جس کو عطا تو نے خدایا شبِ معراج

---

۱ دیباچہ نیرنگ سخن مصنفہ شفیقؔ غیر مطبوعہ ص۔ ۲۵

۲، ۳ جھالاواڑ کے اردو ساہتیہ کار مضمون نگارہ کمل شبنم کپور۔ مطبوعہ کالج اسمارکہ جھالاواڑ، (ہندی رسم الخط) ۱۹۸۴ء ص۔۲۶

کر کے انساں ذرا اس پہ بھروسہ دیکھے پھر وہ اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھے

منشی شریف الحسن خاں شریفؔ کا نمونۂ کلام ؎

پھنس پھنس کے وہیں رہ گئے مرغانِ معاصی وہ جال سرِ عرش بچھایا شبِ معراج

صدقہ ہے شریفؔ ان کا جو لکھ لیتا ہوں اشعار خالق نے جنہیں پاس بلایا شبِ معراج

منشی فیاض الدین فیاضؔ کا نمونۂ کلام ؎

حق پرستی کا ہر اک ساماں مہیا کر دیا
راجگڑھ کا آپ ہی نے بول بالا کر دیا

منشی عبداللہ خاں جوشؔ کا نمونۂ کلام ؎

مست و بے خود بنوں شیدا بنوں دیوانہ بنوں
راجگڑھ والے سے الفت ہے تو کیا کیا نہ بنوں

(ب) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے تلامذہ :-

اللہ رب العزت نے انسان کو بے شمار صلاحیتیں عطا کیں ہیں اور بلا شبہ اس نے ان صلاحیتوں سے استفادہ بھی کیا ہے۔ دنیائے ادب اردو میں شعراء نے اپنی شعری صلاحیتوں کے ذریعہ سے ہی نام ومقام حاصل کیا ہے۔ لیکن ان شعری صلاحیتوں کو پرکھ کر اسے نکھارنے اور سنوارنے کے لئے ابتداءً ایک استاد کی ضرورت پیش آتی ہے جو شاگرد کی عروضی اور ادبی غلطیوں کو دور کر سکے۔ لہٰذا اصلاحِ سخن بہت ضروری چیز ہے۔ اردو ادب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اردو کے عظیم شاعر نے بھی اپنا کلام اپنے استاد کو دکھایا ہے۔

تحقیق اور تذکروں کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ اصلاح کچھ قسموں کی دی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ شاگرد کے اصل شعر یا مصرعے کو کاٹ کر اس کی جگہ پر اسی مضمون یا مطلب کا دوسرا شعر یا مصرعہ لکھ دیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شاگرد کے شعر سے الفاظ وحروف کو حذف کر کے یا ان کے تبدل سے یا کمی وبیشی سے شعر کے مضمون کو اعلیٰ اور بامعنیٰ کر دیا جائے۔ ان دو طریقوں میں سے یہ دوسرا طریقہ بہت مشکل و دشوار معلوم ہوتا ہے۔

اور جس کو اصلاح کا یہ طریقہ آتا ہے وہ صحیح معنیٰ میں استاد کہلانے کا مستحق ہے۔ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق اپنے تلامذہ کے کلام میں اسی قسم کی اصلاح فرماتے تھے جس میں صرف حروفی یا ایک آدھ لفظ کا تغیر و تبدل ہوتا اور اگر کوئی مصرعہ بھی بنایا جاتا تو انہیں الفاظ و مضمون میں جو اصل شاگرد کا ہوتا تھا۔ استاد کا کام ہوتا ہے طلبہ میں صلاحیت پیدا کرنا اور یہ کام شفیق محترم بہت خوبی سے انجام دیتے تھے۔[1]

جھالاواڑ میں شعری و ادبی ماحول ایک عرصہ تک شفیق صاحب کے استاد ملک الشعراء مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی تلمیذ محسن کاکوری کی استادی کا مرحونِ منت رہا ہے۔ شفیق صاحب نے اپنے دیوان اوّل ''نیرنگ سخن'' کے دیباچہ میں تلامذہ نیرنگ کی فہرست مرتب کی ہے جس میں تلامذۂ نیرنگ کی کل تعداد ۵۴ ہے۔ [2] حضرت نیرنگ کے انتقال (۱۹۴۷ء) کے بعد جھالاواڑ کی ادبی سرگرمیاں رُک سی گئیں تھیں۔ شفیق صاحب نے اس ماحول میں اصلاح سخن کی ذمہ داری سنبھالی اور بجھتی ہوئی شمع شعر و ادب کو پھر سے روشن کر دیا۔ حضرت نیرنگ کی وفات کے بعد جب آپ کے شاگردوں کو شاعری میں اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو آپ سب نے جناب مولوی عبدالسلام بیگ شفیق کی جانب رُخ کیا۔ آپ استاد نیرنگ کے ممتاز شاگرد اور سچے جانشین تھے۔[3] حاجتِ استادِ سخن مظفر صاحب نے اپنے ایک قطعہ میں اس طرح نظم کی ہے ؎

جب ہمیں حاجتِ استادِ سخن پیش آئی
دست بستہ درِ رحمت سے طلبگار ہوئے
مل گئے حضرت نیرنگ سے استاد شفیق
جنکے انوار سے ذرے بھی ضیا بار ہوئے

شفیق صاحب نے نہ صرف نئے کہنے والوں کی اصلاح کی، بلکہ آپ کے ہم عصر اور بزرگ شعراء کے کلام پر نظر ثانی بھی کرتے رہے۔

---

[1] جناب مظفر حسین مظفر تلمیذ شفیق سے دریافت ہوا۔

[2] دیباچہ دیوان اوّل ''نیرنگ سخن'' مصنفہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیق غیر مطبوعہ ص-۲۴ تا ۲۷

[3] مضمون ''جھالاواڑ کا ایک نعتیہ مشاعرہ'' مضمون نگار مفتوں کوٹوی مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی اکتوبر ۱۹۷۳ء

طریقۂ اصلاح حضرت شفیقؔ :-

شفیقؔ صاحب نے بہت پہلے سروس میں رہتے ہوئے ہی اصلاح سخن کا کام شروع کر دیا تھا۔ رٹائرمینٹ کے بعد اصلاحِ سخن آپ کے معمولات کا اہم حصہ بن گیا۔ اصلاح دینے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب بھی آپ کے تلامذہ اصلاح کے لئے آتے آپ ان کے کلام میں اصلاح فرمادیا کرتے تھے یا آپ کی غیر حاضری میں آپ کے شاگرد کاغذ کا پرزا یا بیاض آپ کے دولت خانے پر دے جاتے اور آپ بعد میں اس میں اصلاح کر دیا کرتے تھے۔ اور جب آپ شاگرد کو اصلاح کیا ہوا پرچہ واپس کرتے تو باقاعدہ سمجھاتے کہ اس شعر میں یا مصرعے میں یہ لفظ نہیں ہونا چاہئیے یا اس لفظ کو وہاں کے بجائے یہاں ڈال دیں تو شعر میں کیسی روانی اور مٹھاس آجائیگی۔ آپ اپنے شاگردوں کو عروض وقوانین، ادبی نکات اور شاعری کے تمام لوازمات سے بہرہ ور فرماتے تھے۔ آپ بڑی ہی شفقت سے آسان زبان میں شاگردوں کی اصلاح فرماتے تاکہ آئندہ وہ اس طرح کی کوئی غلطی نہ کریں۔ آپ بلا غرض اپنے شاگردوں کے کلام میں اصلاح فرماتے اور وقت پڑنے پر ان کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ شفیقؔ صاحب اندازِ سخن میں ہی نہیں بلکہ اصلاحِ سخن میں بھی اپنے استاد حضرت نیرنگؔ کے پیرو تھے۔ [1]

طریقۂ اصلاح شفیقؔ پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب مظفر حسین مظفرؔ فرماتے ہیں ''اصلاح کیا ہوتی ہے لفظوں کا رکھ رکھاؤ۔ ہمارے استاد شفیقؔ محترم اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بہت سے اشعار ایسے ہوتے تھے جس میں آپ اگلا لفظ پیچھے لے جاتے اور پچھلا لفظ آگے لے آتے تھے۔ جو لفظ شعر میں غیر موزوں معلوم ہوتا اس کو بدل دیتے تھے متواتر کیا کرتے تھے۔ اس طرح شفیقؔ صاحب الفاظ کے تبدل سے یا دوسرا لفظ اس پہ رائج کر کے شاگردوں کے کلام میں اصلاح کر دیا کرتے تھے۔ [2]

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کا یہ خاصہ تھا کہ کوئی شاگرد کسی بھی نوعیت یا مضمون پر کلام لکھ کر لائے (نعتیہ، بہاریہ، طنزیہ، مزاحیہ) آپ اس میں اصلاح کر دیا کرتے تھے۔ آپ کا ذہن ہر رنگ سخن سے مل جایا کرتا تھا۔

---

[1] دورانِ انٹرویو راحتؔ گوالیاری تلمیذ شفیقؔ سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۹/ ستمبر ۲۰۱۱ء

[2] مظفر حسین مظفرؔ تلمیذ شفیقؔ سے دورانِ انٹرویو دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۰/جنوری ۲۰۱۲ء

اس بات کی وضاحت میں مولانا عبدالوحید خیاطؔ کا یہ بیان قابلِ توجہ ہے۔ کہتے ہیں :''مولوی صاحب کی خاص بات یا خوبی یہ تھی کہ جو شاگرد اصلاح کے لئے آتے تھے ان کی اصلاح وہ انہیں کے اندازِ سخن کے مطابق کیا کرتے تھے، جیسے میں مزاحیہ انداز کی شاعری کرتا تو میری اصلاح اسی انداز سے کرتے۔ پیشے سے درزی تھا تو میرا تخلص خیاطؔ آپ نے ہی رکھا۔ اور جلیل خاں جلیلؔ شکار کی نسبت سے اشعار کہتے تو آپ کی بھی اصلاح اسی انداز میں کرتے تھے۔[۱]

طریقۂ اصلاح شفیقؔ کی خوبی بیان کرتے ہوئے آپ کے شاگرد عبدالرؤف خان رؤفؔ فرماتے ہیں:

''شفیقؔ صاحب کی خوبی یہ تھی کہ میں اصلاح کے لئے جا رہا ہوں، مظفرؔ بھائی جا رہے ہیں، راحتؔ بھائی جا رہے ہیں، سارے بھائی جا رہے ہیں۔ سب نے اپنے اپنے پرچے اصلاح کے لئے دے دئے۔ اب مولوی صاحب نے جس کے کلام میں اصلاح کی، صرف اسکو بلایا۔ چاہتے تو سب کو بلا سکتے تھے لیکن نہیں، صرف اسکو بلایا اور سمجھایا کہ دیکھ یہاں یہ ایسے ہوگا۔ اب تو اِسے میرے سامنے پڑھ لے تا کہ میں متمعن ہو جاؤں کہ تو غلط نہیں پڑھیگا۔ مولوی صاحب میں قابلیت اتنی تھی کہ کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ میں نے اس کی اصلاح کی۔ یہی کہتے کہ یہ لکھ کر لایا ہے۔ شاباشی دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے۔ یہ بات ان کے علاوہ میں نے کسی اور استاد میں نہیں دیکھی'' [۲]

نمونۂ کلام اصلاح:-

شفیقؔ صاحب اپنے تلامذہ کے کلام میں کس طرح کی اصلاح فرماتے تھے اس کا نمونہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا مولانا عبدالوحید خیاطؔ اور جلیل خاں جلیلؔ کی بیاض سے راقمہ نے چند اشعار یکجا کئے ہیں جن میں شفیقؔ صاحب نے اصلاحاً قلم چلائی ہے:-

---

[۱] مولانا عبدالوحید خیاطؔ صاحب سے انٹریو کے دوران معلوم ہوا۔ مورخہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱ء

[۲] عبدالرؤف خان رؤفؔ تلمیذ شفیقؔ سے دورانِ انٹرویو دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۳ء رکارڈیڈ

شعر وحیدؔ ۔ بیگم خفا وحیدؔ سے ہے پگلے پن پہ کیوں
لیلا کو قیس بھی تو بڑ ا با و لا ملا

مصرعہ اوّل میں شفیقؔ صاحب کی اصلاح کے بعد شعر کچھ اس طرح نکھر گیا ۔

خیاؔط پگلے پن سے ہے بیگم تیری خفا
لیلا کو قیس بھی تو بڑ ا با و لا ملا

مصرعہ وحیدؔ ۔ وحیدؔ ایسا نہ ہوگا صاف گو درزی زمانے میں

اصلاحِ شفیقؔ : شفیقؔ صاحب نے مصرعہ میں وحیدؔ تخلص کے بجائے خیاؔط استعمال کیا اور الفاظ کے تبدل سے مصرعے میں روانی پیدا کردی آپ خود ملاحظہ فرمائیں ۔

نہ ہوگا صاف گو خیاؔط بھی درزی زمانے میں

شعر جلیلؔ ۔ غزل پڑھنا ذرا ہشیار ہو کر بزم محفل میں
بڑے استاد ہم جیسے بھی اپنے فن کے بیٹھے ہیں

اصلاح شفیقؔ :

مصرعے اولیٰ امیں شفیقؔ صاحب نے ''بزم محفل میں'' کاٹ کر اس کی جگہ ''بزم میں تم بھی'' لکھ دیا اور مصرعہ ثانی کو جیوں کا تیوں رہنے دیا۔ ۔

غزل پڑھنا ذرا ہشیار ہو کر بزم میں تم بھی
بڑے استاد ہم جیسے بھی اپنے فن کے بیٹھے ہیں

شعر جلیلؔ ۔ موت کے بعد جا کے ہوا تجربہ مجھے
لی جان یا کہ لوائی تو کیا ملا

اصلاح شفیقؔ :

مصرعے اولیٰ میں کوئی تبدل نہیں لیکن مصرعہ ثانی پورا کا پورا کاٹ کر اسکی جگہ پر یہ مصرعہ لکھ دیا۔

لے کر کسی کی جان شکاری کو کیا ملا

مصرعہ بدل دینے سے شعر کا مفہوم یا مطلب صاف سمجھ میں آ گیا۔

شعر جلیلؔ ۔ مونچھیں شکاری تیری ہیں مانند شیر نر

اس وصف میں ہر ایک موچھندر کو مات دی

اصلاح شفیقؔ :

شفیق صاحب نے مصرعہ اولیٰ میں ''شکاری تیری ہیں'' کی جگہ ''تیری جلیلؔ ہیں'' لکھ دیا جس سے غزل کا مقطع خوبصورت لگنے لگا۔ شعر دیکھئے

مونچھے تیری جلیلؔ ہے مانند شیر نر

اس وصف میں ہر ایک موچھندر کو مات دی

شفیق صاحب کے طریقۂ اصلاح اور نمونۂ کلام اصلاح کے بعد آپ کے شاگردوں کا تذکرہ مع نمونۂ کلام باعتبار سنِ پیدائش پیش کرتی ہوں تا کہ جھالا واڑ کے ادبی گلشن میں تلامذۂ شفیقؔ کی مہک اور ادبیت کا اندازہ بآسانی کیا جا سکے۔

بابو دُلی چند واجپئی عاجزؔ (سنِ پیدائش ۱۹۰۷ء۔ سنِ وفات ۱۹۹۷ء)

بابو جی کے نام سے مشہور مرحوم دُلی چند جی واجپئی کی پیدائش بمقام جھالا واڑ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔ آپ نے آگرہ سے ۱۹۲۶ء میں بی۔ایس۔سی۔اور ۱۹۲۸ء میں ایل۔ایل۔بی۔کیا۔ ایل.ایل.بی. کرنے کے بعد آپ نے اُناّؤ یو.پی. میں رہ کر وکالت کی پریکٹس کی اور سال بھر بعد اپنے وطن جھالا واڑ آ گئے ۱۹۲۹ء میں جھالا واڑ میں پبلک پر وسیکیوٹر، پھر سیشن جج اور ہائی کورٹ جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔آپ جلد ہی راجستھان کے نامور وکلاء میں شمار کئے جانے لگے۔[1]

---

[1] رٹائرڈ سیشن جج اشوک واجپئی صاحب (صاحبزادے بابو دُلی چند جی واجپئی عاجزؔ) سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۹/جون ۲۰۱۳

آپ وقت کے پابند اور اصولوں و روایات پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ بڑے ہی ملن سار اور خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے آپ کو شعر و شاعری کے شوق کے علاوہ شکار، کھیل اور کلاسیکی موسیقی کا بھی خاص شوق تھا۔ آپ ہر طرح کھیلوں میں ماہر تھے۔ مثلاً ٹینیس، شطرنج، ہاکی، فٹ بال، کرکیٹ وغیرہ وغیرہ۔ پہاڑوں پر چڑھنا اور تیراکی کرنے کا بھی خاص شوق رکھتے تھے۔ یا یوں کہیئے کہ ایڈونچرس لائف جینے کے عادی تھے۔ ۸۲ ر سال کی عمر میں آپ نے سائکل سے ہمالیہ پر چڑھائی کی (سفر کیا) آپ حساس اور رحم دل انسان تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ اس غیر معمولی شخصیت کے مالک عاجزؔ صاحب کا انتقال ۹۱ ر سال کی عمر میں ۱۸ ر فروری ۱۹۹۷ء کو ہوا۔ ۱؎

جھالاواڑ کے ادبی ماحول اور دوست واحباب کی صحبت سے آپ کو شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ آپ نے ابتداء میں صاحبزادہ محمود علی خاں محمودؔ ٹونکی سے مشورۂ سخن کیا۔ محمودؔ ٹونکی کے انتقال کے بعد اصلاح سخن شفیقؔ صاحب سے لینے لگے بقول راحتؔ گوالیاری ''آپ بڑے ہی پر خلوص انسان تھے۔ شعر وادب سے خاص طور پر لگاؤ تھا۔ کلام بہت کم کہا ہے لیکن جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے۔'' ۲؎

عاجزؔ صاحب کا اندازِ شاعری بہت سادہ ہے۔ اپنے جذبات و خیالات سلیس زبان اور سادہ انداز سے بیان کئے ہیں۔ آپ نے غزلوں کے علاوہ نثر میں مزاحیہ مضامین بھی قلم بند کئے جن میں طنزیہ رنگ بھی نمایاں ہے۔ آپ کی غزلوں اور مضامین میں حقیقت کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ آپ کے نثری مضامین میں بندر کا تماشا، چمتکار وغیرہ اہم ہیں۔ عاجزؔ صاحب نے عمر کے آخری پڑاؤ پر ایک غزل نظم کی تھی جسکا ایک شعر آپ کو بہت پسند تھا ۳؎ وہ یہ ہے:

جلوۂ حسن و عشق کا آسرا کرتا ہوں میں
جو خطا ممکن ہو مجھ سے وہ خطا کرتا ہوں میں

۱؎ [illegible]

۲؎ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی، قسط دوم فروری ۱۹۷۳ء ص-۱۸

۳؎ اشوک واجپئی رٹائرڈ جج (فرزند عاجزؔ) سے دریافت ہوا، مورخہ ۹ ر جون ۲۰۱۳ء

عاجزؔ صاحب کی متفرق غزلوں سے چند اشعار نمونۂ کلام کے طور پر درج کرتی ہوں ملاحظہ فرمائیں ۔

جو مجھ پہ تیری عنایت اس قدر ہوگی — تو زندگی بھی تیری یاد میں بسر ہوگی
مصیبتوں سے نہ گھبرانہ یاد رکھ ہر دم — ہوئی جو شام تو کچھ دیر میں سحر ہوگی
یہ داستانِ حقیقی ہے جس سے تو نہ پھر — کبھی طویل تھی پر اب یہ مختصر ہوگی
تیرے سخن میں بھرا ہے کمال وہ عاجزؔ — کہ اسکی چرچہ زمانے میں در بدر ہوگی
جو بوالحواس تھا ہو کے پریشاں اٹھ گیا — بیٹھا رہا جو در پہ اسے مدعا ملا
خود کو گرا دیا تجھے پا کر خیال میں — جو لا پتہ ہوا اسے تیرا پتہ ملا
اگر ہے بخشا دے دولت جنوں مجھ کو — خرد کا کام نہیں تیری جستجو کے لئے
نکال حوصلہ قاتل بہا لہو کہ لہو — نماز عشق میں درکار ہے وضو کے لئے
ہم کیا ہیں اس کو سمجھے کوئی کیا زمانے میں — عاجزؔ نظر تو آتے ہیں کچھ پارسا سے ہم

حافظ عبدالخالق ساجدؔ (سنِ پیدائش ۱۹۱۶ء۔سنِ وفات ۱۹۹۸ء)

آپ جنوری ۱۹۱۶ء میں بمقام جھالاواڑ پیدا ہوئے۔آپ کے والد جناب نصیر محمد خاں قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ یوپی کے رہنے والے تھے۔آپ نے ابتدائی تعلیم استاد نیرنگؔ کے مکتب میں حاصل کی۔ استاد نیرنگؔ کی صحبت سے ہی آپ کو شعر وشاعری کا شوق ہوا۔آپ نے انہیں سے اصلاح سخن بھی لینا شروع کیا۔ [۱] نیرنگؔ کاکوروی کے انتقال کے بعد آپ نے مشورۂ سخن مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ سے کیا۔آپ کو اردو عربی اور فارسی میں اچھی استعداد حاصل تھی۔ [۲] ساجدؔ صاحب نے ۱۹۵۱ء میں علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔آپ کچھ عرصہ جھالراپاٹن سٹی میں فارسی کے ٹیچر رہے۔ ۱۹۵۸ء میں ہندی کا ایک امتحان پاس کیا۔ [۳] آپ نے سرکاری مدرسہ میں مدرس کے عہدے پر اپنی خدمات انجام دیں۔

---

۱ ، ۳ راجستھان کے موجودہ اردو شاعر، مصنفہ پریم شنکر شری واستو راجستھان ساہتیہ اکادمی ادے پور ۱۹۶۶ء ص-۴۳۶، ۴۳۷

۲ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر، مضمون نگار راحتؔ گوالیاری قسط-۱ ص- ۱۸

ساجدؔ صاحب ملتِ اسلامیہ کے سربرآوردہ افراد میں شمار کئے جاتے تھے۔شہر قاضی جھالاواڑ کے فرائض منصبی جھالاواڑ کی عوام کے اصرار پر بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔آپ کو محفلِ میلاد اور نعت خوانی کا شوق فطری تھا۔بحیثیت ایک اچھے واعظ اور میلادخواں قرب وجوار میں آپ کا شہرہ تھا۔میلاد خوانی میں آپ کی پارٹی شہرت رکھتی تھی۔ ۱؎

ساجدؔ صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا۔لاتعداد شعراء کے اشعار ذہن میں محفوظ تھے۔آپ نہایت نیک طبیعت اور پابند شرع انسان تھے۔حمد ونعت کی جانب رغبت زیادہ تھی۔ نعت اور غزل کے علاوہ آپ نے منقبت،تضمین،ترجیع بند اور رباعی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔آپ کا کلام ہندوستان وپاکستان کے رسائل میں شائع ہوا ہے۔۲؎

آپ کے نعتیہ کلام سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

مطلع صبح سعادت روئے تابانِ رسول رونق رخسار ملت حسن فیضانِ رسول

طور پر موسیٰ گئے اور لامکاں پر مصطفیٰ اللہ اللہ کیا معظم شان ہے شانِ رسول

میری نظروں میں ہر دم جلوۂ ماہِ رسالت ہے ازل سے اس کا شیدا ہوں خدا کو جس سے الفت ہے

نہ روشن ایسا قمر کو پایا نہ چہرۂ آفتاب دیکھا کہ جیسا روشن جہاں میں ہم نے رُخِ رسالت مآب دیکھا

سرکارِ دوعالم کی ہر بات نرالی ہے ہر شاہ وگدا انکی چوکھٹ کا سوالی ہے

اگر کچھ لطف فرماؤ میری حالت پہ یا حضرت یہ ساجدؔ آپ کا بیکار ہے باکار ہو جائے

مغفرت ہوگی قیامت میں تیری ساجدؔ ضرور تو رہا ہے عمر بھر دل سے ثناء خوانِ رسول

یہ بھی کوئی حجاب ہے قربان جایئے دل میں عیاں ہیں اور نظر سے نہاں ہیں آپ

معاصی چپکے چپکے میرا پیچھا چھوڑ کر بھاگے چلا جب حشر میں تھامے ہوئے دامن محمدؐ کا

ساجدؔ صاحب مشاعروں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ ایک طرحی مشاعرے میں مصرعہ نیرنگؔ پر آپ کی غزل کے یہ اشعار کیا خوب ہیں ملاحظہ فرمائیں ؎

مصرعہ نیرنگؔ ع ہر دل ہو آئینہ تیرے حسن وجمال کا

۱؎ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر، مضمون نگار راحت گوالیاری قسط-۱ ص- ۱۸

۲؎ ساجدؔ صاحب کے شائع شدہ کلام کی زیروکس کاپی راقمہ کے پاس موجود ہے۔

صحن چمن میں غنچہ وگل نے لگائے کان　　جب ذکر چھڑ گیا تیرے حسن و جمال کا
دستِ کرم سے آپ جو چاہیں عطا کریں　　پھیلا رکھا ہے میں نے بھی دامن سوال کا

نمونۂ کلام ساجدؔ جھالاواڑی:

کیا عجب منظر ہے یہ میری نظر کے سامنے　　باہنر بیٹھے ہیں سب مجھ بے ہنر کے سامنے
ایسی دولت کر فراہم جو کبھی ضائع نہ ہو　　سیم و زر بیکار ہے علم و ہنر کے سامنے
اللہ اللہ یہ میرا محوِ تصور دیکھئے　　بند کی جب آنکھ وہ آئے نظر کے سامنے
گالیاں پر لطف ہیں جب آپ کی　　سینکڑوں ہی دیجئے دو چار کیا ؟
آقا نہیں وہ جس سے کرم پر کرم نہ ہو　　بندہ نہیں وہ جس سے خطا پر خطا نہ ہو
وہ دل نہیں جو حسن پہ تیرے فدا نہ ہو　　وہ سر نہیں ہے جو تیرے در پر جھکا نہ ہو

ساجدؔ صاحب کے نمونۂ کلام کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا ذہن کس قدر عشقِ حقیقی کے جذبات سے لبریز تھا۔ آپ نے انہیں جذبات عالیہ کو صاف شستہ زبان میں اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ آپ کا کلام شائع نہیں ہوسکا ہے۔ لیکن متعدد مضامین اور کتب میں آپ کا تذکرہ مع نمونۂ کلام درج ہے۔ ساجدؔ صاحب کا انتقال ۲۲ رمئی ۱۹۹۸ء میں ہوا۔ [۱]

الحاج عبدالوحید قادری وحیدؔ/ خیاطؔ (سنِ پیدائش ۱۹۱۸ء۔ سن وفات ۲۰۱۲ء)

آپ کی پیدائش ۱۹۱۸ء میں جھالاواڑ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عبدالمجید تھا۔ [۲] وحیدؔ صاحب پیشے سے درزی تھے۔ مولانا وحیدؔ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کی زندگی کا مشغلہ دینی تھا۔ وعظ وتقریر اور امامت آپ کی زندگی اور معمولات کا اہم حصہ رہے۔ جسے بعد میں آپنے ذریعۂ معاش بنایا۔ ۱۱ رفروری ۲۰۱۲ء کو بعارضہ درد قلب آپ کا انتقال ہوا۔ [۳] وحیدؔ صاحب نے اردو عربی کی تعلیم حافظ ظہور احمد صاحب

---

۱ ساجدؔ صاحب کے فرزند عبدالقدیر صاحب سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۱۰ راگست ۲۰۱۴ء

۲ محمد سعید قادری ولد مولانا عبدالوحید خیاطؔ سے دریافت ہوا۔ مورخہ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء

۳ راقمہ نے خود آپ تاریخ وفات مورخہ ۱۱ رفروری ۲۰۱۲ء۔

سے حاصل کی۔ اسکے بعد فارسی تھوڑی بہت ٹنڈیل جی سے اور کچھ ابوّ جی یعنی عبدالرزاق صاحب سے پڑھی۔ شعروشاعری کا شوق جھالاواڑ کے ادبی ماحول اور شعراء کی صحبت کے اثر سے پروان چڑھا۔ ۱؎

مولانا وحیدؔ نے غزل، نعت، منقبت، قطعہ، رباعی وغیرہ اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نعتیہ اور مزاحیہ اشعار کہنے کے عادی تھے۔ وحیدؔ صاحب کی مزاحیہ غزلوں میں آپ کے استاد محترم شفیقؔ صاحب نے آپ کا تخلص خیاطؔ کر دیا اس سلسلے میں وحیدؔ صاحب فرماتے ہیں : ''جب میں مولوی صاحب سے اصلاح لیا کرتا تھا تب آپ نے درزی ہونے کی وجہ سے میری مزاحیہ غزلوں میں میرا تخلص وحیدؔ سے بدل کر خیاطؔ لکھ دیا۔ یہ اس غزل پر وحیدؔ کاٹ کر خیاطؔ لکھا ہے۔ یہ مولوی صاحب کی قلم سے ہی لکھا ہوا ہے،'' ۲؎ وحیدؔ صاحب نے درزی ہونے کا بہت خوب فائدہ اپنی غزلوں میں اٹھایا ہے اور اپنے کلام میں درزی کے پیشے کو مزاح کا رنگ عطا کیا ہے۔ آپ کی غزلوں سے مزاحیہ انداز کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

خیاؔط کا ہنر بھی جو ہو دیکھنا تو دیکھ — کپڑا میرا چرانے کی آ کر ادا تو دیکھ

مہنگا بھی چوٹا بھی ہوں سیتا بھی ہوں برا — لیکن میری دکان کی آ کر فضا تو دیکھ

اس خوبی سے کپڑے پر قینچی میری چل جائے — کچھ کپڑا بھی کٹ جائے کام اپنا نکل جائے

کپڑے کا چرانا تو شاید ہی میں چھوڑانگا — عادت یہ پرانی ہے کس طرح بدل جائے

میری شہرت ہوئی ہے جس قدر کپڑا بنانے میں
کہیں شہرت ہے اس سے چوگنی کپڑا چرانے میں

مولانا وحیدؔ کا ذہن نعت گوئی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ مولوی صفت انسان تھے اور شریعت میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ نعت ومنقبت سے متعلق کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہمر وسند یسا لیجا پور با بیر یا — جہاں رب کے میت جہاں مدنی سنوریا

جہاں خیرات بٹتی آقا کے نور کی ہے — جہاں ان کی رحمت کی چھائی بدریا

دوزخ کے سمندر سے وہ پار نکل جائے — روضہ پہ محمدؐ کے جا کر جو مچل جائے

۱؎ ، ۲؎ مولانا وحیدؔ سے دوران انٹرویو دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۱ رکارڈیڈ

سرِ محشر نجات اسکی ہی ہو گی جو دل سے نعت پڑھتا جا رہا ہے
ہے مدحت سرا وہ فدائے محمدؐ ہے دن رات جس پر عطائے محمدؐ
میرے اعمال کا جو میں نے سیاہا دیکھا جرم ہر ایک میرے نام پہ لکھا دیکھا
تیرے ہجر میں جاں سے پیارے ہیں خواجہ جو دامن میں آنسو ہمارے ہیں خواجہ
خدا کی قسم حق کے پیارے ہیں خواجہ محمدؐ کی آنکھوں کے تارے ہیں خواجہ

وحیدؔ صاحب کے کلام میں متفرق مضمون کے اشعار بھی کثرت سے موجود ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

دل ہے مرجھایا ہوا ہے جان گھبرائی ہوئی
کس کے چہرے پر نظر آئی ہنسی آئی ہوئی

بھاگے جنازہ پھینک کے ساتھی جو ساتھ تھے
دیکھے جنازہ میں میرے باہر کفن کے پاؤں

ایسی نہیں بہار کسی کے چمن میں ہے
کیا لطف زندگی کا ہمارے وطن میں ہے

مولوی سید اسحاق علی اسحاقؔ (سنِ پیدائش ۱۹۲۳ء۔سنِ وفات ۲۰۰۵ء)

آپ ریاست جھالا واڑ کے مشہور و معروف شاعر سید یوسف علی یوسفؔ کے صاحبزادے اور شفیقؔ صاحب کے برادر نسبی تھے۔آپ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔آپکی ولادت جھالا واڑ میں ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔[۱] آپ نے اردو عربی کی تعلیم مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کا کوروی کے مکتب میں پائی اور اصلاح سخن بھی آپ ہی سے لینا شروع کیا۔[۲] بعد رحلت حضرت نیرنگؔ آپ شفیقؔ صاحب کے حلقۂ شاگردی میں آگئے اور آپ ہی سے فارسی لکھنا پڑھنا سیکھا۔[۳]

۱ ہاڑوتی کے اردو شاعری مرتبہ راحتؔ گوالیاری،مطبوعہ سوید یسی آفسیٹ خیرادی واڑہ ادے پور، ۲۰۰۲ء ص-۳۵

۲ مظفرؔ صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۰/جنوری ۲۰۱۲ء رکارڈیڈ

۳ جھالا واڑ کے موجودہ اردو شاعر،مضمون نگار راحت گوالیاری ص-۳۸

آپ نے کچھ عرصہ کانپور میں رہ کر اردو پرنٹنگ پریس میں ملازمت کی۔ آپ کے والد یوسفؔ صاحب کے انتقال کے بعد شفیقؔ صاحب نے آپ کو جھالاواڑ بلوالیا۔ آپ یہیں مدرسہ اسلامیہ میں مدرس رہے اور بزم نیرنگؔ کے سکریٹری کے فرائض بھی انجام دیے۔آپ ہردل عزیز انسان تھے جھالاواڑ کے متعدد حضرات نے آپ ہی سے اردو عربی کی تعلیم حاصل کی اور مشورہ سخن کیا۔ [۱]

آپ کی ذات میں خودداری بہت تھی اسی خودداری کی وجہ سے بہت معمولی سی بات پر آپ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دیا اور آپ عمر بھر تنہا رہے۔آپ حق کی بات کہنے میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ انسان کو اپنے ہر ایک عمل کا حساب قیامت کے دن دینا ہے۔آپ کی شخصیت میں قناعت پسندی بھی بہت تھی ، درس وتدریس سے جو محنتانہ ملتا تھا اسی میں آپ اپنے تمام اخراجات پورے کرتے تھے۔ ۸ر ستمبر ۲۰۰۵ء بروز جمعرات صبح صادق بعارضہ درد قلب آپ کا انتقال ہوا۔ [۲]

اسحٰق صاحب پورے مولوی نما انسان تھے۔آپ کا زیادہ تر کلام نعتیہ ہے آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جناب راحتؔ گوالیاری اپنے شائع شدہ مضمون ’’جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر‘‘ میں اسحٰق صاحب کے متعلق لکھتے ہیں ’’بہاریہ شاعری سے آپ کا دامنِ شاعری پاک وصاف ہے اگر بہاریہ طرحی مشاعرہ منعقد ہو تو مجبوری کا اظہار کرتے ہیں ورنہ حمد ،نعت کے اچھے کہنے والے ہیں۔[۳]

آپ کی حمدیہ اور نعتیہ غزلوں سے چند اشعار تبرکاً ملاحظہ فرمائیں۔

زیبا ہے حمد تجھکو اے عزوشان والے　　عرش وزمیں کے مالک اور آسمان والے

کرتے ہیں ذکر تیرا دونوں جہان والے　　لیتے ہیں نام تیرا بے جان، جان والے

---

۱ مظفرؔ صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۰ر جنوری ۲۰۱۲ء رکارڈیڈ

۲ مولوی اسحاق صاحب کے پڑوسی جناب عبدالغفور سے دریافت ہوا، مورخہ ۱۱ر نومبر ۲۰۱۳ء تاریخ وفات اسحاق صاحب کے کتبہ سے نقل کی گئی ہے۔

۳ جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر مضمون نگار راحتؔ گوالیاری مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی جنوری ۱۹۷۳ء ص-۳۸

یکتا ہیں خوبیوں میں وہی مصطفیٰ تو ہیں　　بیشک خدا نہیں ہیں وہ بعد از خدا تو ہیں

تخلیق کائنات کے باعث حضور ہیں　　انکے طفیل ہی سے یہ ارض وسما تو ہیں

نعت کیا لکھے گا انسان رسولِ عربی　　نعت خواں آپ کا قرآن رسولِ عربی

رب کا ہم کو ہوا عرفان رسولِ عربی　　آپ ہی کا ہے یہ فیضان رسولِ عربی

انبیاء میں، نہ کسی نے بھی یہ رتبہ پایا　　کہ ہوئے عرش پہ مہمان رسولِ عربی

آپ ہوں پیش نظر ہے یہ دعائے اسحاقؔ　　جسم سے جب ہو جدا جان رسولِ عربی

اسحٰق صاحب کی غزلوں میں نعتیہ رنگ کے علاوہ وطن پرستی کے جذبات بھی نمایاں ہیں۔ساتھ ہی زمانے کے سرد گرم حالات کا احساس بھی آپ کے یہاں موجود ہے۔زبان شستہ ہے اور بیان میں سادگی ہے۔مشکل اور دقیق الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے۔نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں ؎

اے فدایانِ وطن اے جاں نثارانِ وطن　　متحد ہو کر رہیں ہم سب محبان وطن

نخل آزادی جو کل تھا خون سے سینچا گیا　　تم ہو اب اس کے محافظ اے جوانانِ وطن

صحنِ گلشن میں ہے کیوں افسردگی چھائی ہوئی　　پھول کملائے ہوئے کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

باغباں نے کیا بنایا ہے یہ آئینہ چمن　　غنچہ وگل کی نہ جس میں کوئی سُنوائی ہوئی

آج جو ٹیڑھی نظر سے دیکھتے ہیں دیکھنا　　کل وہ ہی ڈالیں گے نظریں ہم پہ للچائی ہوئی

شکایت ہے یہ دَورِ آسماں سے　　عداوت کیوں ہے میرے آشیاں سے

نہ جانے کیا ہوا آئی چمن میں　　ہوئے ہیں گل بھی باہم بدگماں سے

زمانہ کچھ بدل جائے قناعت ہم نہ چھوڑیں گے

وہ مل کر ہی رہے گا جو لکھا ہوگا مقدر کا

الحاج مظفر حسین مظفرؔ (سنِ پیدائش ۱۹۲۸ء ---)

مظفرؔ صاحب کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۲۸ء کو جھالاواڑ میں ہوئی۔ آپ کے والد عبدالرحمٰن صاحب ''اِلا دیوی آیورویدک دواخانہ'' میں سرجن کے عہدے پر فائز تھے۔ مظفرؔ صاحب کا تقرر بھی اسی دواخانہ میں ۳۰/روپئے ماہانہ پر ۲۴/اپریل ۱۹۴۸ء کو بحیثیت کمپاؤنڈر ہوا۔ اور یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو پینشن یاب ہوئے۔ [1] آپ بہت خوش مزاج اور ملن سار انسان ہیں۔ ۸۲/سالہ عمر ہے لہٰذا تھوڑا کم سنائی دیتا ہے مگر یادداشت بہت اچھی ہے۔ گفتگو کرتے وقت بار بار ''سنا صاحب' کہتے ہیں اور بہت صاف صاف، سمجھا سمجھا کر باتیں کرتے ہیں۔

مظفرؔ صاحب نے اردو اور عربی کی تعلیم مولوی عبدالوحید نیرنگؔ کا کوروی کے مکتب میں حاصل کی۔ شعر وشاعری کا شوق ہوا تو اصلاحِ سخن بھی انہیں سے لینا شروع کیا۔ بعد رحلت نیرنگؔ صاحب آپ نے شفیقؔ صاحب سے اصلاح لی۔ اور فارسی پڑھنا اور لکھنا بھی شفیقؔ صاحب سے ہی سیکھا۔ آپ نے غزل، نظم، حمد، نعت، منقبت، قطع، رباعی وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کا کلام وافر تعداد میں موجود ہے جسے آپ مرتب کر چکے ہیں اور بعنوان ''گلدستۂ نعت ومنقبت'' اشاعتی مرحلے سے گزر رہا ہے۔ آپ کی جملہ صفات کا تذکرہ جناب مفتوںؔ کوٹوی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''سوچ سمجھ کر شعر کہتے ہیں۔ تحت اللفظ پڑھتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں۔ مولوی نیرنگؔ کے بعد جناب شفیقؔ سے اصلاح لیتے ہیں۔ مضمون آفرینی کی طرف طبیعت مائل ہے۔ لفظوں کا رکھ رکھاؤ ادبیت لیے ہوئے ہے'' [2]

مظفرؔ صاحب کی شاعری میں ادب کی چاشنی، لفظوں کا رکھ رکھاؤ، سوز و گداز غرض کہ سب کچھ موجود ہے۔ البتہ کام کی مصروفیت کی وجہ سے شعر وسخن کی جانب توجہ کم رہی۔ بہرحال ابھی تک جو کچھ کہا ہے بہت خوب ہے۔ [3]

---

[1] مظفر حسین مظفر صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۰/جنوری ۲۰۱۲ء

[2] راجستھان کی ادبی فضاؤں کی سیر: بزم نیرنگؔ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ (قسط دوم) مضمون نگار۔ مفتوںؔ کوٹوی، رہنمائے تعلیم دہلی۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء ص- ۱۵

[3] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر (قسط دوم) مضمون نگار راحتؔ گوالیاری مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی، فروری ۱۹۷۳ء ص-۲۰

دوَرِ حاضر میں زمانے کی اتھل پتھل اور بگڑے ہوئے سماجی اور سیاسی ماحول پر مظفرؔ صاحب نے حال ہی میں ایک غزل لکھی ہے جس کے چار اشعار خاص طور سے ملاحظہ کیجئے ؎

قانون مسخ ہو گئے دوَرِ کہن کے آج — پاتے ہیں عہدے پیسوں سے بے علم وفن کے آج
حالات بد سے بد ہوئے میرے وطن کے آج — لاشیں پڑیں ملیں گی بے گور وکفن کے آج
حیراں ہے دیکھ، اہلِ نظر گردشِ زماں — نااہل بن رہے ہیں محافظ وطن کے آج
چلتے ہیں لات گھوسے سبھاؤں میں آج کل — پھٹتے ہیں دوَر گفتگو کپڑے بدن کے آج

اس غزل کا مقطع بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

یارب یہی ہے تجھ سے مظفرؔ کی التجا — دروازے سارے کھول دے عقل وذہن کے آج

مظفرؔ صاحب کو دو مرتبہ (۱۹۹۹ءاور ۲۰۰۳ء) حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔آپ نے اپنی ایک غزل میں سفر حج کا نظارہ بیان کیا ہے لکھتے ہیں ؎

حسرت وآرزو ارماں ہوئے پورے دل کے — چشم ترنے میری جب گنبدِ خضریٰ دیکھا
اللہ اللہ رے یہ ذوق طوافِ کعبہ — درمیاں ارض وسما بندوں کے اڑتا دیکھا
چشم مضطر نے مظفرؔ کی بوقت رخصت — سوئے مکہ تو کبھی سوئے مدینہ دیکھا

حضرت خواجہ حمید الدین چشتیؒ عرف مٹھے مہاولی کی شان میں مظفرؔ صاحب کی لکھی ہوئی منقبت سے چند اشعار تبرکاً ملاحظہ فرمائیں ؎

شکر خدا کریں ہم ادا کس زبان سے — لوح وقلم بھی عاجز ہیں حسن بیان سے
بعد از رسول مرتبہ ان اولیاء کا ہے — ظاہر ہے جن کی عزت وعظمت قرآن سے
اللہ نے عطا وہ کیا اولیاء ہمیں — گاگرون آیا بیٹھ کے بھورے پہ شان سے
آہو کو دی نداوہ ملی آکے سند سے — اوصاف کیا بیاں ہوں مظفرؔ زبان سے

مظفرؔ صاحب کے رنگِ تغزل سے واقف ہونے کے لئے آپ کی غزلوں سے چنندہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

انسان کی بساط کی تمثیل میں ہمیں
موسم ملا بہا ر ملی بلبلا ملا

تم چلے جاتے ہو آجانے کے بعد
اور نہیں جا تا خیال آیا ہوا

اے دشمن بہار ذرا ہوشیار ہو
ہراک کلی ہے خونِ تمنا لئے ہوئے

ہوتا تھا اختتام میری حسرتوں کا یوں
ساحل پہ آتے آتے کنارے بدل گئے

کوئی نہیں نوشتۂ تقدیر پڑھ سکے
ویسے زمانہ بھر مجھے لکھا پڑھا ملا

ہوش وحواس کھو گئے سدھ بدھ نہیں رہی
جس دم جمالِ یار سے پردہ اٹھا ملا

اس پری پیکر کے دنیا میں ہیں دیوانے بہت
شمع محفل ایک ہی ہے اور پروانے بہت

فرق مطلق بھی نہ آیا دہر کی رفتار میں
آچکے ہیں دانا نادانوں کو سمجھانے بہت

حال ہی میں آپ نے ایک مسلسل غزل لکھی ہیں جس میں زندگی کے آخری سفر کا بیان ہے۔غزل کے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

چھوڑا اس دنیائے فانی کو چلا میں گھر سے جب
بس کھڑے دیکھا کیے اپنے پرائے گھر کے سب

لے چلے کاندھے پر رکھ سر کو جھکائے بچشم نم
عیش وعشرت میں تھے گزرے ساتھ جن کے روز وشب

رکھ دیا لے جا کے صحرا میں بہت بستی سے دور
اپنی ہستی اور حقیقت کا ہوا احساس اب

حافظ محمد مسیح اللہ بیگ مسیحؔ/مسیحا (سنِ پیدائش ۱۹۳۱ء۔۔۔)

آپکا نام محمد مسیح اللہ بیگ اور مسیحؔ تخلص ہے۔آپ کی جائے پیدائش دلیل نگر ضلع اٹاوہ یوپی اور تاریخ پیدائش ۲۸/جولائی ۱۹۳۱ء ہے۔آپ کے والد کا نام مرزا اشرف اللہ بیگ تھا[1] مسیحؔ صاحب نے ۱۹۵۱ء میں کانپور

[1] مسیح صاحب سے بذریعہ موبائیل معلوم ہوا۔ مورخہ ۳۰/اپریل ۲۰۱۴ء

میں رہ کر قاری احتشام علی صاحب کی تربیت میں قرآن پاک حفظ کیا۔ حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ آپ کو قاری ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ نے انٹر پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء میں منشی فارسی کا امتحان فرسٹ ڈوژن میں اور اس کے بعد ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ آپ اردو میں ایم۔اے۔ ہیں، آپ گرام سیوک تھے۔ [۱] آپ کا نکاح شفیق صاحب کی بڑی صاحبزادی حسینہ بیگم سے ہوا اور آپ کافی عرصہ جھالاواڑ میں ہی مقیم رہے پھر آپ کا تبادلہ ادے پور ہو گیا۔ اور اب وہیں اپنے خاندان کے ساتھ مقیم ہیں۔[۲]

مسیح نے شاعری میں اصلاح مولوی عبدالسلام بیگ شفیق سے حاصل کی۔ آپ نے نعت ومنقبت، غزل، نظم، سلام، سہرا، قصیدہ، قطعہ، وغیرہ لکھے ہیں۔ آپ کم گو شاعر ہیں، وقت اور ذہن کی مناسبت سے کلام کہتے ہیں۔ آپ کے کلام میں مزاحیہ اور حقیقت پسندانہ رنگ موجود ہے۔ ڈولپمنیٹ ڈپارٹمینٹ میں ہونے کی وجہ سے اکثر آپ نے رخصتی نظمیں لکھی ہیں جس میں ترقیاتی رنگ نمایاں ہے۔ عام لوگوں کے فہم کے مطابق ہندی اور انگریزی کے الفاظ بھی آپ کے کلام میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ [۳] بقول مظفر صاحب "مسیح کی غزلوں کا رنگ اور الفاظ کا رکھ رکھاؤ نرالہ ہے آپ کی ہر غزل ہندی اردو اور انگریزی کا مجموعہ ہوتی ہے"۔ [۴]

مسیح صاحب کی غزلوں میں طنز ومزاح بھی ہے اور وطن پرستی کے جذبات بھی۔ آپ کی مختلف غزلوں سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

گھسے جب سے نااہل میرے چمن میں — جبھی سے یہ گڑبڑ مچی جارہی ہے
وہ سرپنچ ہستی ہے پنچایتوں میں — رئیسوں کو بھی مات فرما رہی ہے
ہے چاند پہ جانے کی اگر اتنی ہی جلدی — پریوں کو وہ راکٹ میں بیٹھا کیوں نہیں دیتے
جو بات مسیحا کہتا ہے وہ لاکھ ٹکے کی ہوتی ہے — کرتے ہیں جو ماتحتوں پہ کرم وہ یاد ہمیشہ آتے ہیں
بیڑیاں پہنائی ہیں اب مرد کو — اور لیڈی ہر جگہ آزاد ہے

---

[۱] [۳] جھالاواڑ کے موجودہ اردو شاعر۔ قسط دوم، مضمون نگار راحت گوالیاری۔ ص-۱۹

[۲] مظفر صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۰ ر جنوری ۲۰۱۲ء رکارڈیڈ [۴] یادگار شفیق مقالہ نگار مظفر حسین مظفر غیر مطبوعہ ص- ۸

قرض دے کے ادّھار انکا کردیا سرکار نے بھینس لوگوں نے خریدی بیچ کر مرغی کے بعد

دلکش تیری بیوٹی نے مائی پوؤر ہارٹ کو توڑ دیا زلف کے تیرے نیٹ میں پھنسکر ورک کو ہم نے چھوڑ دیا

مسیحؔ صاحب نے نظمیں بھی لکھی ہیں آپ کی نظم بعنوان ''چوہا ابھیان'' کے چند اشعار کے ذریعہ آپ کی مزاح نگاری کا انداز ملاحظہ فرمائیں ۔

میں ہوں گرام سیوک چھتر پور کا سناتا ہوں قصہ میرے ٹور کا

چلا خوب چوہے کا ابھیان ہے چوہے جو نہ مارے وہ حیوان ہے

یہ کھلیان گھر کس جگہ پر نہیں جہاں ناج رکھا ہے پہنچیں وہیں

ہے تعداد انسان سے دس گنی اسے جانتے ہیں رِشی اور منی

بیکانیر میں ایک مندر بھی ہے سواری نکلتی تھی سندرسی ہے

بہت لوگ تو پوجا کر کے تھکے مگر پھر بھی نقصان سے نہ بچے

جھڑپ میری چوہے سے کل ہوگئی کترنے سے داڑھی جو کم ہوگئی

میں لٹھ لیکے بھاگا اسے مارنے لگا دور سے پہلے للکارنے

دکھانے لگا چوہا دو دانت کو ڈرانے لگا آدمی ذات کو

مسیحؔ صاحب نے اپنے استادِ سخن مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تعریف میں ایک قصیدہ بعنوان ''قصیدہ در مدح شفیقؔ'' لکھا ہے جسے آپ نے جشنِ شفیقؔ کے موقع پر پیش کیا تھا۔قصیدہ میں کل ۳۶/ اشعار ہیں۔ قصیدہ کی شکل میں مسیحؔ صاحب نے اپنے استاد شفیقؔ کی حیات اور شخصیت پر ایک مقالہ تحریر کر دیا ہے۔اس قصیدے کے ابتدائی چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

لو سنو صاحبو! اب انکا نام جنکو کرتے ہیں لوگ بڑھ کے سلام

نام عبدالسلام ہیں ان کا رکھتے ہیں اپنا جھالاواڑ مقام

ہے تخلص بھی شاعری میں شفیقؔ منتخب جن کا چھپ گیا ہے کلام

اردو اور پرشین کے ٹیچر تھے پر چلاتے ہیں ہر زباں سے کام
جو بھی آئے پرنسپل ہو کر ان کا کرتے رہے بہت اکرام
امتحانوں میں بیٹھنے والے کانپ جاتے تھے سن کے ان کا نام
رعب طلباء میں چھایا رہتا تھا سامنے تھا نہ چوں چرا کا کام

عبدالرؤف خاں رؤفؔ (سنِ پیدائش ۱۹۳۶ء۔۔۔۔)

رؤفؔ صاحب کی پیدائش ۱۰؍ستمبر ۱۹۳۶ء بمقام منگل پورہ، جھالاواڑ ہوئی۔آپ کے والد کا نام عبدالغفور تھا۔آپ نے اردو لکھنا پڑھنا مولوی شفیقؔ صاحب سے سیکھا اور شعر و سخن میں اصلاح بھی آپ ہی سے لی۔رعوفؔ صاحب نے بی۔اے۔تک پڑھائی کی اور منگل پورہ اسکول میں بطور اردو ٹیچر آپ کا تقرر ہوا۔شفیقؔ صاحب کی فرمائش پر آپ کا تبادلہ ملٹی پرپز اسکول میں کر دیا گیا۔رعوفؔ صاحب کو تمام کھیلوں میں مہارت حاصل تھی۔اسکول اور کالج میں ہونے والے ٹورنامینٹ آپ ہی کنڈکٹ کرواتے تھے۔آپ کو پہلوانی کا بھی شوق تھا۔ آپ پہلوانی میں نیشنل لیول تک کھیل کر آئے ہیں۔سرکار نے آپ کی وجہ سے یہاں اکھاڑہ بھی کھلوا دیا تھا۔[1]

رؤفؔ صاحب کو شاعری ورثہ میں نہیں ملی تھی بلکہ شفیقؔ صاحب سے اردو پڑھتے پڑھتے شعر و شاعری کی طرف بھی آپ کا ذہن مائل ہوا اور آپ شعر کہنے لگے۔ چونکہ مزاحیہ قسم کا مزاج ہے لہٰذا شاعری میں بھی یہی انداز غالب ہے۔آپ نے اصنافِ شاعری میں غزل، نظم، نعت، منقبت، رباعی وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے۔زبان سادہ اور سلیس ہے بیان میں تخیل کی گہرائی اور روانی موجود ہے۔ سیدھے سادے انداز میں اپنی بات نظم کرتے ہیں۔حضور ﷺ سے سچی عقیدت اور محبت ہے لہٰذا نعتیہ کلام کے علاوہ بہاریہ غزلوں میں بھی اس موضوع پر اشعار کثرت سے مل جاتے ہیں بطور نمونہ نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

میں ہوں ازل سے رندئے مئے خانۂ محمدؐ کب سے چڑھا لیا ہے پیمانۂ محمدؐ
شوق ہے دل سے سنوں مدحت رسول اللہ کی کھینچ لائی ہے یہاں الفت رسول اللہ کی

---

[1] دورانِ انٹرویو رؤف صاحب سے دریافت ہوا۔مورخہ ۱؍اپریل ۲۰۱۳، رکارڈیڈ

کیوں مچا رکھی ہے رضواں تونے ہم سے پوچھ تاچھ اررے ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

تصور میں رہتا ہے مدینہ میرے یا رب ہر کام میں خلل پڑے

آتے دیکھا جب رسول پاک کو خوشی خوشی ہم اپنے اچھل پڑے

رؤف سے زیادہ خوش نصیب کیا ہوگا کوئی ارے آقا نے سینے سے لگایا سب جل پڑے

حبیبِ خدا کی رائے میں رائے جسنے ملالی رؤف اس نے دونوں جہاں میں اپنی دال گلالی

رؤف صاحب نے بہاریہ غزلیں کم کہیں ہیں۔آپ کے بہاریہ کلام سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

نیک اور بد دونوں سے ملا کرتا ہوں تجھ سے ملنے کے لئے ہر ایک سے ملا کرتا ہوں

گھر سے وہ بے راہ ہوجائیں اگر مار جوتے راہ پر لائیں گے ہم

ہاریں یا جیتیں لڑیں گے ہم ضرور پہلوانوں میں تو کہلائیں گے ہم

نماز کے فضائل پر اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

پانچوں وقت کی نماز کو جس نے سجدے میں سر ڈالا ہے کیسا ہی عبادت کرنے والا ہو سب سے وہ اعلیٰ ہے

نماز بچہ بھی پڑھے بچی بھی پڑھے اور پڑھے گھر والی ارے چوبیس گھنٹے اس گھر میں رہتی ہے خوش حالی

دنیا میں نماز کی شان و شوکت ہے نرالی جس نے چھوڑا دین اس نے اپنی عزت گرالی

آپ کا کلام زیادہ تر کاغذ کے پرزوں پر موجود ہے۔ پرزوں کی حالت خستہ ہے۔آپ نے متعدد مشاعروں میں شرکت کی۔ مشاعرہ میں آپ کے پڑھنے کا انداز بڑا ہی بے باک تھا۔[1] ''رؤف صاحب نے رباعیاں بھی لکھی ہیں جو حب الوطنی جذبات، دنیا کی بے ثباتی اور رسول اللہ کی عقیدت سے لبریز ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی اور حب الوطنی جذبات کے موضوع پر رباعی کا نمونہ پیش ہے ملاحظہ فرمائیں ۔

مجبور ہوں مجبور ہوں کہاں سے لاؤں بدستور ہر چیز کیاں سے لاؤں

آنسو بھی ہوئے خشک غم سے رونے کو بھی مزدور کہاں سے لاؤں

---

[1] قاضی سید فاروق علی صاحب سے دریافت ہوا۔

ہند و مسلمان قومیں پرانی مذہب الگ الگ دل ہندوستانی
جب ملک ہوا آزاد ہمارا دونوں نے مل کے دی قربانی

بھارت دیش زندہ باد نکل رہی ہیں بولیاں جھکے نہ سرُ کے نہ پگ مڑے نہ یہ ٹولیاں
جھڑی لگی ہو خون کی برس رہی ہوں گولیاں وہیں تمہاری عید ہو وہیں تمہاری ہولیاں

الحاج محمد عبدالرحمٰن قریشی خلیقؔ (سنِ پیدائش ۱۹۳۹ء۔سنِ وفات ۲۰۰۷ء)

محمد عبدالرحمٰن قریشی آپ کا نام تھا اور خلیقؔ تخلص۔آپ کے والد محمد عظیم خاں صاحب سرکاری ملازم تھے۔ جناب خلیقؔ کی تاریخ پیدائش ۵رجون ۱۹۳۹ء بمقام جھالاواڑ اور تاریخ وصال ۴رجنوری ۲۰۰۷ ہے۔آپ نے اردو عربی کی باضابطہ تعلیم حضرت اخلاق احمد صاحب نقشبندیؒ اور محترمہ محمودی بیگم سے حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں راجیندر انٹر کالج جھالاواڑ سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ [۱] آپ کو قاری ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔آپ محکمۂ تعلیم میں آفس انچارج کے عہدے سے رٹائرڈ ہوئے۔ [۲] آپ نے اصلاحِ سخن مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ صاحب سے کیا۔آپ کے کلام میں عشقِ محمدیؐ کا جلوہ نمایاں ہے۔جناب مفتوںؔ کوٹوی آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں۔ ’’جوان،صالح،خوشرہ،خوشگو،خوش گلو شاعر،باریش ومولوی صفت انسان ہیں۔سرکاری ملازمت میں منسلک ہیں۔ میلادخوانی کا خصوصی شوق ہے۔ [۳] آپ کے کلام کا مجموعہ دو جلدں میں ’’گلہائے عقیدت‘‘ کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں حمد،نعت،منقبت،قطعات اور کچھ غزلیں شامل ہیں۔آپ کا عارفانہ اور صوفیانہ کلام محفل سماع اور محفل میلاد میں خوب پڑھا جاتا ہے آپ خود بھی محفل سماع کے بہت شوقین تھے۔ --------

---

[۱] گلہائے عقیدت قسط دوم،مصنف الحاج محمد عبدالرحمٰن قریشی خلیقؔ۔مطبوعہ جی این آفسیٹ جھالاواڑ اکتوبر ۲۰۱۳ (تعارفی نوٹ)،

[۲] قاضی سید فاروق علی صاحب سے دریافت ہوا۔

[۳] بزمِ نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یومِ نیرنگ،مضمون نگار،مفتوںؔ کوٹوی۔مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔اکتوبر ۱۹۷۴ء۔(قسط دوم) ص-۱۴

نمونۂ کلام خلیقؔ

حمد کے اشعار :

تو ربِّ دو جہاں ہے رزاق ہے نام تیرا کھاتی ہے رزق دنیا ہر صبح وشام تیرا

ہو مجھ سے وصف کیوں کر رب الانام تیرا ادنیٰ مقام میرا اعلیٰ مقام تیرا

متفرق نعتِ پاک سے اشعار:

محبوب خدا کی محفل میں جب نعت سنائی جاتی ہے

اس بزم کی، حق کی جانب سے توقیر بڑھائی جاتی ہے

امت کے حق میں مولا کرتے رہے بھلائی معراج میں بھی انکو امت کی یاد آئی

حضور کر دو وہ نسبت عطا مدینے سے میری نظر نہ ہو ہرگز جدا مدینے سے

اگر ملتا نہ محشر میں سہارا ہم کہاں جاتے نہ ہوتا شافع محشر ہمارا ہم کہاں جاتے

چھپایا اپنی کملی میں سیاہ کارانِ امت کو نہ ہوتا کملی والا گر ہمارا ہم کہاں جاتے

ثانی میرے حضور کا کوئی ہوا نہیں نبیوں میں اور کوئی حبیب خدا نہیں

بشر سے ہو کیوں کر ثنائے محمدؐ کرے وصف جب خود خدائے محمدؐ

شاعر خلیقؔ کو اس بات کی امید تھی کہ ایک دن وہ بھی مدینہ منورہ کی زیارت کریں گے تبھی تو کہتے ہیں:

بے تاب ہے کیوں تو دیکھیگا طیبہ کی فضا انشاءاللہ

ایک روز تجھے بلوائیں گے محبوبِ خدا انشاءاللہ

اور جب خلیقؔ کو حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو خوشی سے کہہ اُٹھے

سرکارِ مدینہ کا نگر اچھا لگے ہے اللہ کے محبوب کا گھر اچھا لگے ہے

طیبہ میں خلیقؔ اپنی کٹے عمر دو روزہ پھر حشر کا طیبہ سے سفر اچھا لگے ہے

منقبت کے اشعار:-

کیا بتاؤں مجھے آج کیا مل گیا مجھکو دامانِ غوث الوریٰ مل گیا

روزِ ازل سے طے تھی شہادت حسینؓ کی اللہ کو بڑھانا تھی عزت حسینؓ کی

رکھتے ہیں عشق خواجۂ ہندوستاں سے ہم محبوب اسکو کیوں نہ رکھیں اپنی جان سے ہم

خواجہ خواجہ رٹتے رٹتے سدھ بدھ کھوئی تن من کی

اے ری سکھی کب لیں گے خبر یا خواجہ پیا اس برہن کی

محمد حنیف خاں حنیفؔ (سنِ پیدائش ۱۹۴۰ء - سنِ وفات ۱۹۹۵ء)

حنیفؔ صاحب کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے والد محمد جلیل خاں جلیلؔ جھالا واڑ کے معروف مزاحیہ شاعر تھے۔ حنیفؔ صاحب کے اباؤ اجداد دراصل اندر گڑھ لاکھیری سے آکر جھالا واڑ میں آباد ہوئے۔ آپ کے دادا مرحوم احمد خاں صاحب کو جھالا واڑ دربار نے ہی یہاں بلوایا۔ آپ نے دربار میں خانسامہ کی خدمات انجام دیں۔ [1]

حنیفؔ صاحب کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں جھالا وڑ میں ہوئی۔ سینئر سیکنڈری تک آپنے تعلیم حاصل کی۔ اردو اور عربی کی مروجہ تعلیم مولوی اسحاق صاحب سے پائی اور شاعری میں اصلاح مولوی عبدالسلام بیگ شیفقؔ سے لیتے تھے۔ گھر کا ماحول ادبی تھا، شعراء کا آپکے یہاں آنا جانا تھا لہٰذا کم عمر میں ہی آپنے مشاعروں میں شرکت کرنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپکی پہلی سروس گاندھی ساگر ڈیم پر لگی۔ اس دوران آپ مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہے۔ ایک بار جھالا واڑ میں سیمنیٹ روڈ پر مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں راجستھان سرکار میں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ منسٹر مہاراج ہریش چندر جی بھی شریک تھے حنیفؔ صاحب نے بھی اس مشاعرے میں ایک غزل پڑھی تھی جس کا مصرعہ تھا ؎

روٹھے روٹھے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں

آپ کی غزل سن کر مہاراج ہریش چندر جی بڑے خوش ہوئے اور آپ کو پاس بلایا۔ آپ کی تعلیم اور سروس کے

---

[1] جناب رئیس قادری ولد حنیف صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۷/۱اپریل ۲۰۱۳

بارے میں دریافت کیا اور دوسرے دن صبح دربار میں آنے کو کہا۔ آپ نے حنیف صاحب کو .PWD میں سروس دلوائی۔ اس مشاعرے کی وجہ سے حنیفؔ صاحب منظرِ عام پر آئے اور آپ کو سروس بھی ملی۔ اس کے بعد آپ ریونیو ڈپارٹمینٹ کلیکٹری میں سروس کرتے رہے۔ ۵۵/سال کی عمر میں ۳/جولائی ۱۹۹۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ ؎[1]

حنیفؔ کم گو شاعر تھے یعنی جب کبھی مشاعروں میں شرکت کرنی ہوتی یا طبیعت اس طرف مائل ہوتی تو نعتیہ اور بہاریہ غزلیں لکھ لیا کرتے تھے۔ آپ کی بیاض میں ۹/نعتیں، ۲/منقبت، ۱۴/غزلیں، ۲/رباعی، ۱/قطعہ اور ایک سہرا۔ اردو رسم الخط میں (قلمی) موجود ہیں۔ شاعری کی زبان سادہ ہے۔ اشعار میں بعض زریں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نمونۂ کلام کے طور پر سب سے پہلے نعت ومنقبت کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

فردوس میں جائیں گے گناہگار جدھر سے — وہ راستہ جاتا ہے حضور آپ کے گھر سے
قرآن میں جنکا ہوا اللہ ثناء خواں — کیا ان کی ثناء ہو سکے ناچیز بشر سے
دیارِ نبیؐ ہم اگر دیکھ آئیں — تو پھر باغِ رضواں نہ خاطر میں لائیں
یہی رات دن دل میں ہیں التجائیں — دو عالم کے آقا مدینہ بلائیں
تمنّا ہے یہ غوث اعظم بلائیں — تو ہم سارے گھر بھر کے بغداد جائیں

حنیفؔ صاحب کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

حالت تو دیکھ لیجئے مجھ اشکبار کی — گزری ہے کتنی سخت گھڑی ہجر یار کی
دیکھ لو مئے نوش ہیں اس میکدے میں کون کون — کس کو کتنی بے خودی ہے کس کو کتنا ہوش ہے
میں بھی مغرور نہیں آپ بھی مجبور نہیں — ہوں بہم شکوے گلے دور وہ دن دور نہیں
نہ کریں مجھ پہ کرم ظلم و جفا خوب کریں — یہ بھی درخواست میری کیا انہیں منظور نہیں
آسانی سے کچھ شاعری آئی نہیں جاتی — یہ شے تو پڑی راہ میں پائی نہیں جاتی

؎[1] جناب رئیس قادری (فرزند حنیفؔ صاحب) سے دریافت ہوا۔ مورخہ۔ ۱۷/اپریل ۲۰۱۳ء

یہ شکوہ عبث ہے کہ پلائی نہیں جاتی
جس رند سے بوتل بھی اٹھائی نہیں جاتی

یہ دکھایا ہے تماشا گردشِ ایام نے
دوڑ میں گھوڑے سے آگے ایک خچر ہوگیا

یہ کرشمہ علم کا ہے یہ کرشمہ عقل کا
اسکو کہتے ہیں ترقی ، جو کلکٹر ہوگیا

سیدراحت علی شاہ راحتؔ گوالیاری (سنِ پیدائش ۱۹۴۴ء۔۔۔)

جھالاواڑ کے موجودہ شعرائے کرام میں اردو شعروادب کی نمائندگی کا سہرا جس شاعر کے سر ہے وہ نمایاں شخصیت جناب راحتؔ گوالیاری کی ہے۔آپ کا اسمِ گرامی سید راحت علی شاہ ہے آپ ۱۳/مئی ۱۹۴۴ء میں گوالیر میں پیدا ہوئے۔ [1] آپ کے والد سید عبدالولی شاہ کرمؔ رامپوری بہت بڑے صوفی بزرگ، شاعر اور فارسی داں تھے۔ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد راحتؔ صاحب فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ۱۹۶۲ء میں جھالاواڑ آئے اور والد کے انتقال کے بعد یہیں آباد ہوگئے۔آپ نے فارسی کی تعلیم مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ سے پائی اور مشورۂ سخن بھی آپ ہی سے کیا۔فارسی میں اعلیٰ قابلیت کے امتحانات پاس کئے۔آپ اردو میں ایم۔اے۔ ہیں [2]

راحتؔ صاحب کو شعری ذوق ورثہ میں ملا ہے۔ جھالاواڑ کی ادبی فضاء میں آپ کا شوق شاعری پروان چڑھا۔اپنی محنت ولگن کی بدولت آپ نے جلد ہی ملک کے شعراء وادباء میں مقام حاصل کیا۔آپ کا درس وتدریس کا مشغلہ ہے، آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔آپ کے دولت خانے ''آشیانہ'' پر ایک ذاتی کتب کانہ ہے جس میں اردو کے علاوہ فارسی کی کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔مفتوںؔ کوٹوی صاحب اپنے ایک مضمون میں راحتؔ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں ''جناب شفیقؔ جھالاواڑی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ برسوں سے جھالاواڑ میں مقیم ہیں، نازک مزاج، حساس طبیعت شاعر ہیں۔تحت مگر خوش لحن سے پڑھتے ہیں۔شعروسخن میں راہ ترقی پر گامزن ہیں۔مختلف رسائل میں چھپتے ہیں۔مشاعروں میں اپنے انداز میں پسند کئے جاتے ہیں [3]

---

[1] راحتؔ صاحب کے ہوائی جہاز کے پاس پورٹ سے تاریخ پیدائش لی گئی ہے۔

[2] دورانِ ملاقات راحتؔ صاحب نے خود بتایا جس کی تصدیق متعدد حضرات نے کی۔

[3] بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگؔ (قسط دوم) مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی۔مطبوعہ رہنمائے تعلیم، دہلی۔اکتوبر ۱۹۷۴ء ص- ۱۵

راحتؔ صاحب کی شخصیت کے متعلق پروفیسر بلاقی شرما (بیکانیر) فرماتے ہیں ''جناب راحتؔ گوالیاری سے پہلی بار ملا محسوس کیا کہ اس شخص میں کچھ ایسا ہے جو ذاتی طور پر متاثر کرتا ہے اور اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ مؤثر آواز، صاف گوئی، مہمان نوازی، بے تکلفی اور بہت سی خوبیاں۔ راحتؔ صاحب ترقی پسند شاعر ہیں۔ ان میں ایک خامی ہے وہ یہ کہ جو شاعر حقیقت کے برخلاف لکھتا ہے اسے لتاڑنے سے نہیں چوکتے پھر وہ کتنا ہی بڑا یا بزرگ شاعر کیوں نہ ہو۔ آپ کا ماننا ہے کہ لکھو تو ایمانداری اور قطعیت سے، نہیں تو قلم کی بے عزتی مت کرو۔'' [۱]

راحتؔ گوالیاری نے غزل کے علاوہ نظم، نعت، منقبت، رباعی، قطعہ وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نے گیت بھی لکھے ہیں۔ آپ کی شاعری میں نیا پن ہے اور بہت سوچ سمجھ کر شعر کہتے ہیں۔ مضامین اشعار میں ندرت و تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ راحتؔ صاحب نے مقامی اور بیرونی شعراء کے کلام پر تبصرے و تذکرے اور تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں۔ یہ تمام مطبوعہ ہیں اور ہمارے پیش نظر ہیں۔ آپ نے ''ہاڑوتی کے اردو شاعر'' نام سے خطۂ ہاڑوتی کے مشہور اور گمنام شعراء کا کلام مع ضروری فٹ نوٹ کے مرتب کیا ہے جسے ۲۰۰۲ء میں مہاولی چیرٹینل ٹرسٹ نے شائع کروایا۔

راحتؔ گوالیاری کا کلام ہندوستان اور بیرونی ممالک کے لاتعداد اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ بقول محترمہ کمل شبنم کپور ''میں جھالاواڑ کے اردو ادب میں ایک نام اہم سمجھتی ہوں وہ ہے راحتؔ گوالیاری کا .... ۱۹۶۲ء سے راحتؔ گوالیاری لگاتار شعر کہہ رہے ہیں اور ہندوستان کے باہر لندن ویکلی، عرب ٹائمس کویت، مخزن واشنگٹن وغیرہ رسائل میں خوب چھپتے ہیں۔ [۲] راحتؔ صاحب ''بزم نیرنگ'' کے نائب سکریٹری اور ''بزم شفیقؔ کے سکریٹری کے طور پر اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ [۳]

---

[۱] راحتؔ گوالیاری: صدیوں کا شاعر، مضمون نگار پروفیسر بلاقی شرما۔ مطبوعہ اخبار دینک یگ پکش، ۳۰ر جنوری ۱۹۸۵ء ص-۳

[۲] مضمون جھالاواڑ کے اردو ساہتیہ کار مضمون نگارہ کمل شبنم کپور، مطبوعہ اسمارکہ (کالج مگزین) جھالاواڑ، اکتوبر ۱۹۸۴ء ص-۲۵

[۳] بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگؔ (قسط دوم) مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی۔ مطبوعہ رہنمائے تعلیم، دہلی۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء ص- ۱۴

راحتؔ صاحب کی غزلوں سے چند اشعار بطور نمونۂ کلام پیش ہے ۔

رقابتوں سے اگر تم کو دور رہنا ہے　　رفاقتوں کے بھی محدود دائرے رکھو
ابھی تو حق کے لئے تم کو جنگ لڑنا ہے　　بلند عظم، جواں اپنے حوصلے رکھو
یہ مانا سچ ہے بہت تلخ، تم مگر راحتؔ　　زباں پہ اپنی حقائق کے ذائقے رکھو
دہشت گروں کے خوف سے کل رات شہر میں　　اک شخص لیمپ پوسٹ کے سائے سے ڈر گیا
وقت کے چہرے پر کچھ تازہ خراشیں آگئیں　　جب کسوٹی پر مجھے حالات کی پرکھا گیا
میں چراغوں میں جلا ہوں تیل کی صورت مگر　　دامنِ ایثار پر پھر بھی تو دھبّہ آ گیا
سامنے تم اپنے جب بھی آئینہ رکھا کرو　　تازگی چہرے پہ آنکھوں میں حیا رکھا کرو
بحرِ رحمت جانے کب آجائے لوگوں جوش پر　　اپنے ہونٹھوں پر صدا حرفِ دعا رکھا کرو
ذہنوں کو نسل نو کے نہ ہرگز بگاڑیے　　زہریلی ہر کتاب کے اوراق پھاڑیے
قبروں سے پھر گڑے ہوئے مردے اکھاڑیے　　ذہنوں سے پہلے گردِ تعصب کی جھاڑیے

جناب عبدالحئی کی مرتب کردہ کتاب ''راجستھان میں غزل گو شعراء ایک تعارف'' میں جھالاواڑ سے صرف راحتؔ گوالیاری صاحب کی غزل ضروری فٹ نوٹ کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔[1] غزل کا مطلع ہے ۔

یہ ادا ان کی کج ادا ٹھہری　　کہ نظر ان کی مجھ پہ آ ٹھہری

راحتؔ گوالیاری کی غزلوں میں حال اور ماضی کا تذکرہ ہے۔ مزاج کی صاف گوئی نے غزلوں میں قطعیت وحقیقت کو نمایاں کیا ہے۔ زبان وبیان میں سادگی اور سلاست ہے۔ حساس طبیعت انسان ہیں لہٰذا جو دل پر گزرتی ہے اسے لفظوں میں بیان کر دیتے ہیں۔ اپنی والدہ محترمہ کے بیمار ہونے پر راحتؔ صاحب ان سے ملنے گوالیر گئے اس وقت ان کے دل کی جو کیفیت تھی اسے انہوں نے ایک شعر کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ اس کے کچھ دنوں بعد آپ کی والدہ انتقال فرما گئیں۔ شعر یہ ہے ۔

---

[1] راجستھان میں غزل گو شعراء ایک تعارف۔ مرتبہ عبدالحئی، ناشر راجستھان اردو اکادمی مطبوعہ ثمر آفسیٹ پرنٹرس اگست ۱۹۹۴ء ص ۱۸۸

دو بوڑھی آنکھیں دیکھکر مجھکو چمک اٹھیں

مدّت کے بعد لوٹ کے جب اپنے گھر گیا

جھالاواڑ کے گزشتہ ادبی ماحول کی یادیں تازہ کرنے کے لئے راحتؔ صاحب سے بس ایک ہی ملاقات کافی ہے۔ جھالاواڑ کے ادبی وشعری ماحول پر تحقیق کے خواہش مند حضرات سب سے پہلے راحتؔ صاحب کا ہی دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور آپ ان کی بے انتہا مدد فرماتے ہیں۔

سعیدؔ شفیقی (سنِ پیدائش ۱۹۵۰ء ---)

محمد سعید قادری آپ کا نام ہے اور تخلص سعیدؔ۔ بعد رحلت اپنے استاد مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ، آپ نے شفیقی نام اختیار کر لیا اور اب سعیدؔ شفیقی کے نام سے شاعری کرتے ہیں۔ سعیدؔ صاحب کی تاریخ پیدائش ۱ ار اپریل ۱۹۵۰ء بمقام جھالاواڑ ہے۔[۱] آپ کے والد مولانا عبدالوحید خیاطؔ مزاحیہ شاعر تھے۔ سعیدؔ صاحب نے ٹیلرنگ کا کام کرنے کے ساتھ مائنس پر ٹھیکیداری بھی کی ہے۔ اور اب ادبی و مذہبی زندگی گزار رہے ہیں۔

سعیدؔ شفیقی کا مطالعہ سخن بہت وسیع ہے۔ آپ کا کوئی مجموعہ کلام تو شائع نہیں ہوا ہے لیکن نعت کے اشعار وافرِ تعداد میں موجود ہیں۔ بہاریہ غزلیں بھی کہتے ہیں۔ مگر ضرورت کے مطابق یا مشاعروں میں پڑھنے کی غرض سے۔ بقول راحتؔ گوالیاری ''سعیدؔ کی شاعری میں تلمیحات زیادہ نظر آتی ہے۔ لفظوں کا رکھ رکھاؤ اچھا ہے۔ سعیدؔ نے جھالاواڑ میں شعری ماحول بنانے میں بڑی محنت کی ہے۔ جسکا ثمرہ نوجوان شعراء کی شکل میں نظر آتا ہے''[۲] میلاد شریف ہو یا نعتیہ مشاعرہ (دوَرِ حاضر میں جھالاواڑ میں نعتیہ مشاعروں کا ہی رواج ہے) اس کی نظامت و بندوبست کا فریضہ آپ ہی انجام دیتے ہیں۔ جتنے جوش وخروش سے مشاعرے منعقد کرتے ہیں اتنے ہی جوش کے ساتھ اپنا کلام بھی تحتیہ انداز میں سناتے ہیں ''مشاعرہ یوم نیرنگؔ'' میں سعیدؔ صاحب کی پڑھی ہوئی غزل کا ایک

---

[۱] جناب سعیدؔ شفیقی نے خود اپنی تاریخ پیدائش راقمہ کو بتائی ہے۔ مورخہ ۱۰ر ستمبر ۲۰۱۳

[۲] دورانِ انٹرویو راحتؔ صاحب سے دریافت ہوا مورخہ ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۱

[۳] بزم نیرنگؔ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ مضمون نگار مفتونؔ کوٹوی، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔ اگست ۱۹۷۴ء ص- ۱۵

شعر ملاحظہ کیجئے مصرعہ نیرنگ ؎

روح الا میں سا مجھ کو کہاں نا مہ بر ملے
میں نے سمجھ لیا ہے کہ ہے فتنہ گاہِ عشق
مجھ کو جہاں پڑے ہوئے لوگوں کے سر ملے [1]

سعید شفیقی کی نعتیہ غزلوں اور مناقب سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

بیاں بندے سے ہوگا کیا نبیؐ کی شان وشوکت کا
خدائے دو جہاں مداح ہے خود انکی عظمت کا

لذّت درد نہیں ہے کوئی اس سے بڑھ کر
دل میں لگ جائے اگر عشق نبیؐ کا نشتر

دیں حکم زمیں سے اور تعمیل فلک پر ہو
کیا شانِ حکومت ہے کیا شانِ رسالت ہے

معراج کا منظر وہ کس درجہ حسیں ہوگا
نبیوں کی جماعت ہے آقا کی امامت ہے

کر دو کر دو کرم یا شہہ مالوہؒ
رکھ لو میرا بھرم یا شہہ مالوہؒ

آپ ہی کے کرم سے ہے میرا وجود
مجھکو حق کی قسم یا شہہ مالوہؒ

خوبرویوں تو زمانے میں ہزاروں ہیں مگر
اک سوا تیرے کوئی دل کو نہ بھایا خواجہؒ

ڈھونڈ یگی اسکو حشر میں رحمت حسینؓ کی
الفت ہے جس کے دل میں بکثرت حسینؓ کی

ایثار کے اور صبر کے پیکر ہیں حسینؓ
ہمت کے شجاعت کے سمندر ہیں حسینؓ

سعید شفیقی کی بہاریہ غزلوں سے چنندہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ہو آسماں خلاف مخالف زمانہ ہو
قدرت اگر نہ چاہے تو مطلق برا نہ ہو

ہم ہو چکے تمہاری حقیقت سے آشنا
دھوکے میں آئے وہ جو ہمیں جانتا نہ ہو

دل سے نفرت کے چراغوں کو بجھاؤ یاروں
شمع ہر دل میں محبت کی جلاؤ یاروں

گر بہے خون ہمارا تو وطن کی خاطر
باہمی جھگڑوں میں ناحق نہ بہاؤ یاروں

---

[1] بزم نیرنگ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ مضمون نگار مفتون کوٹوی، مطبوعہ رہنمائے تعلیم دہلی۔ اگست ۱۹۷۴ء ص۔ ۱۵

سر ہتھیلی پہ لے کر اگر جاؤں گا — مرحلہ بلیقیں کر کے سر آؤں گا
قتل کر کے مجھے ہو تمہیں گر خوشی — زیر شمشیر خود اپنا سر لاؤں گا
وہ تعصب کی عینک ہٹا لیں سعیدؔ — میں سعادت کا پیکر نظر آؤں گا

محمد ابراھیم نسیمؔ شفیقی :-

مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کے تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور اسی نسبت سے اپنے تخلص کے ساتھ شفیقی لگایا ہے۔ پیشے سے درزی تھے۔ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور اپنا کلام ترنم سے پڑھتے تھے۔ [۱]

نمونۂ کلام: بیچ دیتے ہیں ضمیر اپنا جو رہبر اپنے — آپ ہی خود کو نگاہوں سے گرا لیتے ہیں
دیکھ لیتے ہیں جہاں نقش کفِ پا تیرے — سجدہ گاہیں وہیں دیوانے بنا لیتے ہیں

عبدالغفار خان غفارؔ :-

آپ نہایت ماہر و مشاّق میکنک تھے۔ شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ [۲] شرف تلمذ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ سے حاصل تھا۔ مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔ نمونۂ کلام:

وہ کیا راہِ تلاش میں تیری ہوں کامیاب — جن کو تیرے وجود پر کامل یقیں نہیں

محمد ظہور علی ظہورؔ :-

ظہور صاحب کے متعلق مفتوںؔ کوٹوی نے لکھا ہے کہ ''آپ مشاعروں میں ترنم سے پڑھتے ہیں۔ سوجھ بوجھ اچھی ہے، ۴۰/سال کے قریب عمر ہے''۔ [۳] اس کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۱۹۳۴ء بمقام جھالاواڑ نکلتا ہے، آپ کا انتقال ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے آپ کا خاندان سکیت ضلع کوٹہ میں آباد ہے۔ [۴]

۱، ۲، ۳ راجستھان کی ادبی فضاؤں کی سیر: بزم نیرنگؔ جھالاواڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ قسط ۱، مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ، رہنمائے تعلیم دہلی، اگست ۱۹۷۴ء ص- ۱۵ تا ۱۶

۴ جناب قاضی سید فاروق علی سے دریافت ہوا۔ مورخہ ۲۰/جون ۲۰۱۴ء

نمونۂ کلام :

کب کیا صیاد نے قید قفس میں اے ظہورؔ
جب خزاں جانے کو تھی فصلِ بہار آنے کو تھی

مصطفیٰ علی خاں شاکرؔ رامپوری :-

آپ حضرت شفیقؔ کے شاگرد تھے اور بزم نیرؔنگ کے صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ ۱؎

راشدؔ گوالیاری :-

آپ جناب راحتؔ گوالیاری کے حقیقی بھائی ہیں اور اس وقت کویت میں بسلسلۂ معاش اپنے خاندان کے ساتھ مقیم ہیں۔ ۲؎

مذکورہ بالا تلامذۂ شفیقؔ کے علاوہ حکیم شمس الرحمٰن ٹونکی، بشیر محمد باطنؔ اور عبدالمجید عاصیؔ بوندوی کے حالات اور کلام باجود معلومات کے دستیاب نہ ہوسکے۔ آپ تینوں حضرات انتقال فرما چکے ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ شفیقؔ صاحب کے اور بھی تلامذہ رہے ہیں جن کے نام و کلام ہمیں دستیاب نہ ہوسکے۔

۱؎ راجستھان کی ادبی فضاؤں کی سیر: بزم نیرنگؔ جھالا واڑ کے تحت مشاعرہ یوم نیرنگ قسط ۱، مضمون نگار مفتوںؔ کوٹوی مطبوعہ، رہنمائے تعلیم دہلی، اگست ۱۹۷۴ء ص- ۱۵ تا ۱۶

۲؎ راحت گوالیاری صاحب سے دریافت ہوا۔

ماحصل

مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ جھالا واڑی راجستھان کے نمائندہ شعراء میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ ایک بہترین سخنور ہی نہیں، خادم زبان و ادب بھی تھے۔ آپ نے جھالا واڑ کی سرد پڑ چکی ادبی فضا کو ساز گار کرنے کے لئے انتھک کوششیں کیں اور زبان و ادب کی ترویج و فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ آپ کی قابلیت اور محنت کا ہی ثمرہ ہے کہ تشکیلِ راجستھان کے بعد جھالا واڑ میں علم و ادب کی نشاۃِ ثانیہ قائم ہوئی۔

مولوی عبد السلام بیگ شفیقؔ ایک قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ اردو فارسی اور عربی پر دسترس حاصل تھی۔ جولانیِ طبیعت کا عالم یہ تھا کہ شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی۔ غزل، نعت، منقبت، قطعہ، رباعی، مسدس، تضمین، مخمس، چار بیت، قصیدہ، ہر اصنافِ سخن میں آپ کی فکر رواں کے جوہرِ آب دار صاف صاف جھلکتے ہیں۔ آپ کے خیالات میں بلندی اور جذبات میں خلوص و قطعیت موجود تھی۔

شفیقؔ بلند پایہ شاعر بھی تھے اور زود گو بھی۔ آپ کا شعری سرمایہ کافی ضخیم ہے۔ موصوف نے اپنے کلام کو از خود تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ بہاریہ، جس میں چار دواوین بلحاظ حروف تہجی ردیف وار مرتب ہیں۔ دوسرا حصہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے جس میں دو دیوان شامل ہیں۔ تقسیم کلام کی رو سے تیسرا حصہ منظومات پر مبنی ہے جس میں کثرت سے حب الوطنی موضوع پر منظومات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر نظمیں اور مسدسات بھی اس میں شامل ہیں۔ شفیقؔ کے بہاریہ کلام پر مشتمل مجموعہ ''انتخاب کلام شفیقؔ'' شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے فارسی کلام کا مجموعہ ''کلام فارسی'' غیر مطبوعہ ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔ درج بالا دواوین اور مجموعے آپ کی بے انتہا علمی و ادبی کاوشاتِ فکر کا مظہر ہیں۔ موصوف نے مہاراجرانا راجیندر سنگھ مخمورؔ کا دیوان ''دیوان مخمورؔ'' بھی مرتب کیا ہے۔

شاعری کے علاوہ شفیقؔ صاحب کو نثر نگاری سے بھی رغبت تھی۔ آپ کے تحریر کردہ تحقیقی و شخصی نوعیت کے مضامین آپ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے ترجمہ نگاری کے سلسلے میں انڈین کاؤنسل آف ہسٹورکل رسرچ نئی دہلی کے تحت رسرچ پروجیکٹ ''جودھپور راجیہ کے کھیات'' کے لئے ۷۵-۱۹۷۴ء میں فارسی کتب اور دستاویزات

کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔

شفیقؔ مرحوم اگر چہ خالص روایت پسند شاعر تھے لیکن جدّت سے مطلق گریز نہیں کرتے تھے۔ کلاسکی روایات کے پاس ولحاظ کے ساتھ جدّت کا التزام بھی آپ کے کلام میں کثرت سے ملتا ہے آپ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ آپ کی غزلیات تصوف، حسن تخیل، حقیقت ومعرفت اور عشق مجازی اور عشق حقیقی کی آئینہ دار ہیں البتہ روایتی غزل میں بھی آپ کی نفاست پسندی سوقیانہ یا عامیانہ خیالات سے دور ہے۔ ابتدا تا انتہا آپ کے کلام میں شائستگی اور پاکیزگی کا اہتمام نظر آتا ہے جو آپ کے نیک دل اور صاحب ایمان ہونے کی علامت ہے۔ موصوف کے آئینۂ فکر وتخیل میں ہماری تہذیبی روایات اور ہندوستانی ثقافت کے حقیقی رنگ جھلکتے ہیں۔ آپ کی شاعری نہ صرف اپنے عصر کی نمائندگی کا حق ادا کرتی ہے بلکہ آئندہ وقتوں کے لئے بھی ادبی وثقافتی یادگار کا درجہ رکھتی ہے۔ بات مذہبی عقیدت کی ہو یا وطن سے محبت کی، عشق حقیقی کا تذکرہ ہو عشق مجازی کا، ہر جگہ شفیقؔ صاحب کے فن کی انفرادیت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

شفیقؔ صاحب کا شمار راجستھان کے نمائندہ شعراء میں کیا جاتا ہے البتہ نام ونمود سے اس قدر گریزاں تھے کہ موصوف نے کبھی رسائل وجرائد میں اپنا کلام شائع کروانے کی کوشش نہیں کی حالانکہ آپ کے شاگردوں کے اصرار پر آپ کا تھوڑا بہت کلام رسائل میں شائع ہوا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جھالا واڑ کے مقامی مشاعروں کی سرپرستی، نظامت وصدارت آپ کے ہی ذمے تھی اور آپ کو ان مشاعروں میں شرکت کرنی پڑتی تھی لیکن بیرونی مشاعروں میں جانا یا جابجا کلام سنانے سے آپ پرہیز کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جیسے ذی وقار اور عہد ساز شاعر کی شہرت زیادہ وسیع نہ ہوسکی۔

بہ حیثیت مجموعی شفیقؔ صاحب کا شاعرانہ قد انتہائی بلند نظر آتا ہے۔ جس طرح راجستھان کی ادبی تاریخ میں جھالا واڑ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی طرح جھالا واڑ میں راجستھان کی تشکیل کے بعد مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ نے شعروادب کی جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اسی نقطۂ نظر سے راقمہ نے اپنے پی ایچ۔ ڈی کے تحقیقی مقالے کے لئے ''مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالا واڑی حیات اور شعری وادبی خدمات''موضوع منتخب کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ پر اب تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ شفیقؔ صاحب پر پہلا تحقیقی کام ہے اس کے ذریعہ موصوف کا ایسا کلام جو شائع ہو کر منظرِ عام پر نہیں آیا ہے وہ اس مقالے کے ذریعہ منظر عام پر آئے گا اور موصوف کی شاعرانہ شخصیت اور علمیت کی ایک واضح تصویر سامنے آئے گی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جھالاواڑ کی ادبی تاریخ پر کچھ ایک مضامین ضرور لکھے گئے لیکن حقیقت میں وہ سب جھالاواڑ کی ادبی تاریخ کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس چھوٹی سی ریاست میں اردو شعر او ادب کو جو فروغ حاصل ہوا اس پر کوئی تحقیقی کام نہیں کیا گیا۔ ایسی صورت میں زیرِ نظر مقالہ نہ صرف مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی شاعرانہ شخصیت اور ادبی خدمات کا آئینہ دار ہے، بلکہ جھالاواڑ کی شعری و ادبی تاریخ کا عکاس بھی ہے۔ لہٰذا اس مقالے کے ذریعہ جہاں ایک طرف جھالاواڑ کی ادبی تاریخ سامنے آئے گی وہیں دوسری جانب صوبۂ راجستھان کی ادبی تاریخ کو اس سے تقویت ملے گی۔ اس طرح راجستھان کی ادبی تاریخ کا وہ گوشہ جو اب تک اہلِ تحقیق کی نظروں سے اوجھل نظر آتا ہے وہ منظرِ عام پر آئے گا اور راجستھان کی ادبی تاریخ کو آگے بڑھائے گا۔ یہی نہیں بلکہ راجستھان کے نامور، قادرالکلام استاد شاعر مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ جھالاواڑی کے شاعرانہ کارنامے بھی واضح ہو سکیں گے جن پر گمنامی کی گرد جمی ہوئی ہے اور اس طرح راجستھان کی نامور شخصیات کی فہرست میں ایک نمایاں اضافہ ہوگا۔

پیش کردہ

سیدہ انجم

ولدیت: قاضی سید فاروق علی گاگرونی

ریسرچ اسکالر: پی ایچ۔ ڈی۔ (اردو) ۲۰۱۵ء

کتابیات

(الف) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تصانیف

(ب) معاونِ کتب

(ج) اخبارات ورسائل

فہرست کتابیات

(الف) مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ کی تصانیف باعتبار سنِ تحریر

نمبر شمار	نام کتاب	نظم/نثر	مطبوعہ/غیر مطبوعہ	سن اشاعت/تحریر
۱.	قلزمِ انوار (نعتیہ)	نظم	غیر مطبوعہ	۳/جولائی ۱۹۶۸ء
۲.	نیرنگ سخن (بہاریہ)	نظم	غیر مطبوعہ	۵/جولائی ۱۹۶۸ء
۳.	تسلیمِ ادب (بہاریہ)	نظم	غیر مطبوعہ	۲۳/جنوری ۱۹۷۰ء
۴.	تصوراتِ ضمیر (بہاریہ)	نظم	غیر مطبوعہ	۳۱/دسمبر ۱۹۷۵ء
۵.	یوسفستان غزل (بہاریہ)	نظم	غیر مطبوعہ	۴/مارچ ۱۹۸۰ء
۶.	کواکب النعت (نعتیہ)	نظم	غیر مطبوعہ	۱۸/اپریل ۱۹۸۰ء
۷.	کلامِ فارسی	نظم	غیر مطبوعہ	
۸.	انتخاب کلام شفیقؔ	نظم	جمال پرنٹنگ پریس دہلی	۱۹۸۰ء
۹.	دیوان مخمورؔ	نظم	غیر مطبوعہ	

مصنفہ: مہاراجرانا راجیند رسنگھ مخمورؔ۔

مرتبہ: مولوی عبدالسلام بیگ شفیقؔ

(ب) فہرست معاون کتب (مصنف وار باعتبار حروف تہجی)

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	مطبع/ناشر	سنہ اشاعت
۱	الہام سحر	آرزو سہارنپوری	ستارۂ ہند پریس کلکتہ	۱۹۴۶ء
۲.	راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات	ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	جمال پرنٹنگ پریس دہلی	۱۹۸۵ء
۳.	تخلیقات	ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	راجستھان اردو اکیڈمی جے پور	۱۹۸۷ء
۴.	راجستھان میں اردو زبان وادب ۱۸۵۷ء تک	ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	ثمر آفسیٹ پریس دہلی	۱۹۹۲ء
۵.	مشرقی راجپوتانہ کے قدیم ادبی مراکز الور، بھرتپور اور دھولپور	ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	A.P.R.I ٹونک	۲۰۰۲ء
۶.	سحابِ کرم	امین الدین امینؔ عباسی	نیک نام پرنٹنگ پریس کوٹہ	۲۰۱۱ء
۷.	چہار چمن	بھیکن خاں	سینٹرل جیل پریس جھالاواڑ	۱۹۱۳ء
۸.	دامانِ باغباں	شری پریم سنگھ کمار پریمؔ، شری کامیشور دیال حزیںؔ، شری محمد عثمان عارفؔ نقشبندی	نیشنل اکادمی دہلی	۱۹۶۸ء
۹.	راجستھان کے موجودہ اردو شاعر	پروفیسر پریم شنکر شری واستو	راجستھان ساہتیہ اکادمی ادے پور	۱۹۶۶ء
۱۰.	احمد کاوش: شخصیت، فکر وفن	جنید احمد خان	ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی	۲۰۱۴ء
۱۱.	مولوی سلیم الدین تسلیم جے پوری	ڈاکٹر حسن آرا	کوٹہ والا آفسیٹ جے پور	۲۰۰۵ء
۱۲.	نئے تنقیدی زاویے	ڈاکٹر خوشحال زیدی		

۱۳.	جودھپور راجیہ کے کھیات	ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ	انڈین رسرچ کاؤنسل دہلی	۱۹۸۸ء
۱۴.	ہاڑوتی کے اردو شاعر	سید راحت علی شاہ راحت گوالیاری	سودیسی آفسیٹ ادے پور	۲۰۰۲ء
۱۵.	جھالاواڑ راجیہ کا اتہاس	ڈاکٹر شریف الرحمٰن خاں	غیر مطبوعہ	
۱۶.	جرنل جلد ۷، شمارہ اول	صاحبزادہ شوکت علی خاں	A.P.R.I. ٹونک	۱۹۸۹ء
۱۷.	جائزہ زبان اردو	مولوی عبدالحق	انجمن ترقی اردو دہلی	۱۹۴۰ء
۱۸.	راجستھان میں غزل گو شعراء ایک تعارف	عبدالحئی	ثمر آفسیٹ پرنٹرس اگست	۱۹۹۴ء
۱۹.	دیوان نیرنگ	مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی	نیّر پریس لکھنؤ	۱۹۲۹ء
۲۰.	اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی	۱۹۹۵ء
۲۱.	اردو غزل کا تاریخی ارتقاء	ڈاکٹر غلام آسی رشیدی	ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۲	۲۰۰۶ء
۲۲.	لطافتیں: ۱۹۶۹ء کی نثری نگارشات کا مجموعہ	غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی	غیر مطبوعہ	
۲۳.	پیکر خیال: ۱۹۷۲ء کی مطبوعہ نثری وشعری نگارشات کا مجموعہ	غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی	غیر مطبوعہ	
۲۴.	عروج وخیال: ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء کی نثری نگارشات کا مجموعہ	غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی	غیر مطبوعہ	
۲۵.	صراحتیں نثری مضامین کا مجموعہ	غلام معین الدین مفتوںؔ کوٹوی	غیر مطبوعہ	
۲۶.	شعورِ فن	ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی اور ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی	اصیلا آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی	۲۰۰۴ء

۲۷.	اردو شاعری کا فنی ارتقاء	ڈاکٹر فرمان فتحپوری	عفیف آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶	۲۰۱۰ء
۲۸.	راجستھان میں اردو نثر کی ایک صدی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۷ء)	ڈاکٹر قمر جہاں بیگم	ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۲	۲۰۰۹ء
۲۹.	بند دروازوں پر دستک	کمل شبنم کپور	ایکسل پرنٹرز دہلی	۲۰۰۵ء
۳۰.	اقتباس الاولیاء	محمد حسین کوتوال	جیل پریس جھالاواڑ	۱۹۳۵ء
۳۱.	گلہائے عقیدت	محمد عبدالرحمٰن قریشی خلیق	جی۔این۔آفسیٹ جھالاواڑ	۲۰۱۳ء
۳۲.	اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل	ڈاکٹر ممتاز الحق	شیبا آفسیٹ پرنٹرز دلی ۶	۱۹۹۷ء
۳۳.	راجستھان میں شعری گلدستوں کی روایت اور ان کی اہمیت	ڈاکٹر نادرہ خاتون	ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۲	۲۰۱۰ء
۳۴.	وقائع راجستھان (جلد دوم)	مولوی نجم الغنی	ہمدم برقی پریس لکھنؤ	۱۹۲۷ء
۳۵.	تاریخ ادب اردو	پروفیسر نورالحسن نقوی	ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶	۲۰۰۸ء
۳۶.	The Emperial Gazzateer of India volume-14	Govt.of India		
۳۷.	A Collection of Treaties Volume-3	راجپوتانہ		
۳۸.	جامع اردو انسائیکلو پیڈیا ''فنونِ لطیفہ''		قومی کونسل برائے فروغِ زبان اردو نئی دہلی	۲۰۰۳ء

(ج) اخبارات ورسائل

نمبر شمار	نام اخبار رسالہ	رسالہ/اخبار	ماہ وسن	مقام	قسم
۱.	صبح وطن	رسالہ	۱۵/اگست ۱۹۷۲ء	گورکھپور	ہفت روزہ
۲.	ہما	رسالہ	جولائی-ستمبر ۱۹۷۲ء	لکھنؤ	سہ ماہی
۳.	آفتاب	رسالہ	جنوری ۱۹۰۹ء	جھالاواڑ	ماہنامہ
۴.	اردوادب	رسالہ	شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء	علی گڑھ	سہ ماہی
۵.	ہماری زبان	اخبار	یکم اپریل ۱۹۹۶ء	نئی دہلی	ہفت روزہ
۶.	استقامت	رسالہ	جون ۱۹۷۲ء	کانپور	ماہنامہ
۸.	ادیب جلد ۱۷	رسالہ	جنوری تا دسمبر ۱۹۹۴ء	علی گڑھ	سہ ماہی
۹.	شانِ ہند	رسالہ	جولائی ۱۹۵۷ء	دہلی	ماہنامہ
۱۰.	شانِ ہند	رسالہ	جون-دسمبر ۱۹۷۲ء	دہلی	ماہنامہ
۱۱.	رہنمائے تعلیم	رسالہ	جنوری، فروری، اکتوبر ۱۹۷۳ء	دہلی	ماہنامہ
۱۲.	رہنمائے تعلیم	رسالہ	اگست، اکتوبر ۱۹۷۴ء	دہلی	ماہنامہ
۱۳.	اسمارکہ	کالج میگزن	۱۰، ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۴ء	جھالاواڑ	سالانہ
۱۴.	ہدیٰ ڈائجیسٹ	رسالہ	نومبر ۱۹۷۷ء	نئی دہلی	ماہنامہ
۱۵.	کریمی اسلامی بڑی تقویم	رسالہ	۱۹۷۸ء	بمبئی	
۱۶.	دھرتی کرے پکار	اخبار	۱۰/مارچ، ۱۴/مارچ ۱۹۸۷ء	کوٹہ	روزنامہ
۱۷.	دینک بھاسکر	اخبار	۷/مئی ۱۹۹۹ء	کوٹہ	روزانامہ
۱۸.	دینک نوجیوتی	اخبار	۹/جنوری ۱۹۸۱ء	کوٹہ	روزانامہ
۱۹.	دینک پگ پکش	اخبار	۳۰/جنوری ۱۹۸۵ء	کوٹہ	روزانامہ